

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

خطبات حکیم

جلد دوم

تصویب

استاذ العلماء

حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ بالعباس

اَوَّلُ الْاَوَّلِ

حکیم العصر، محدث دوران
ولی کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس

مولانا
عبدالمجید لدھیانوی
مظاہر
صاحب

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بالعباس
کہوڑ پٹنا، ضلع لودھراں

مفتی سجاد حسین ظفر

www.besturdubooks.net

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید دامت برکاتہم العالیہ کے

خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

مفت محمد حسین ظفر

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کھروڑ پکاشیلع لودھراں 0300-6804071



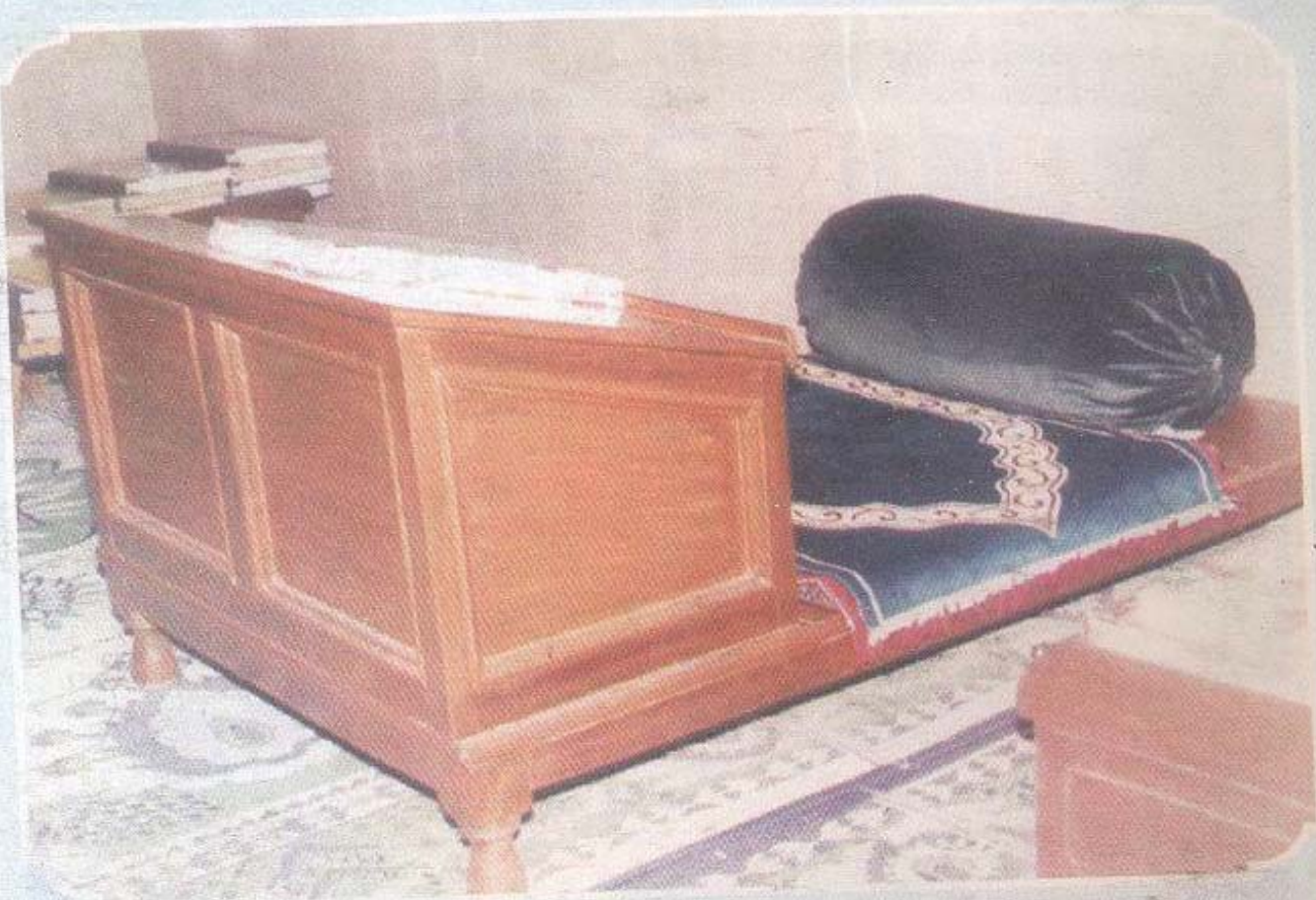
جامعہ اسلامیہ باب العلوم کی وسیع و عریض زیر تعمیر مسجد کا ایک دلآویز منظر



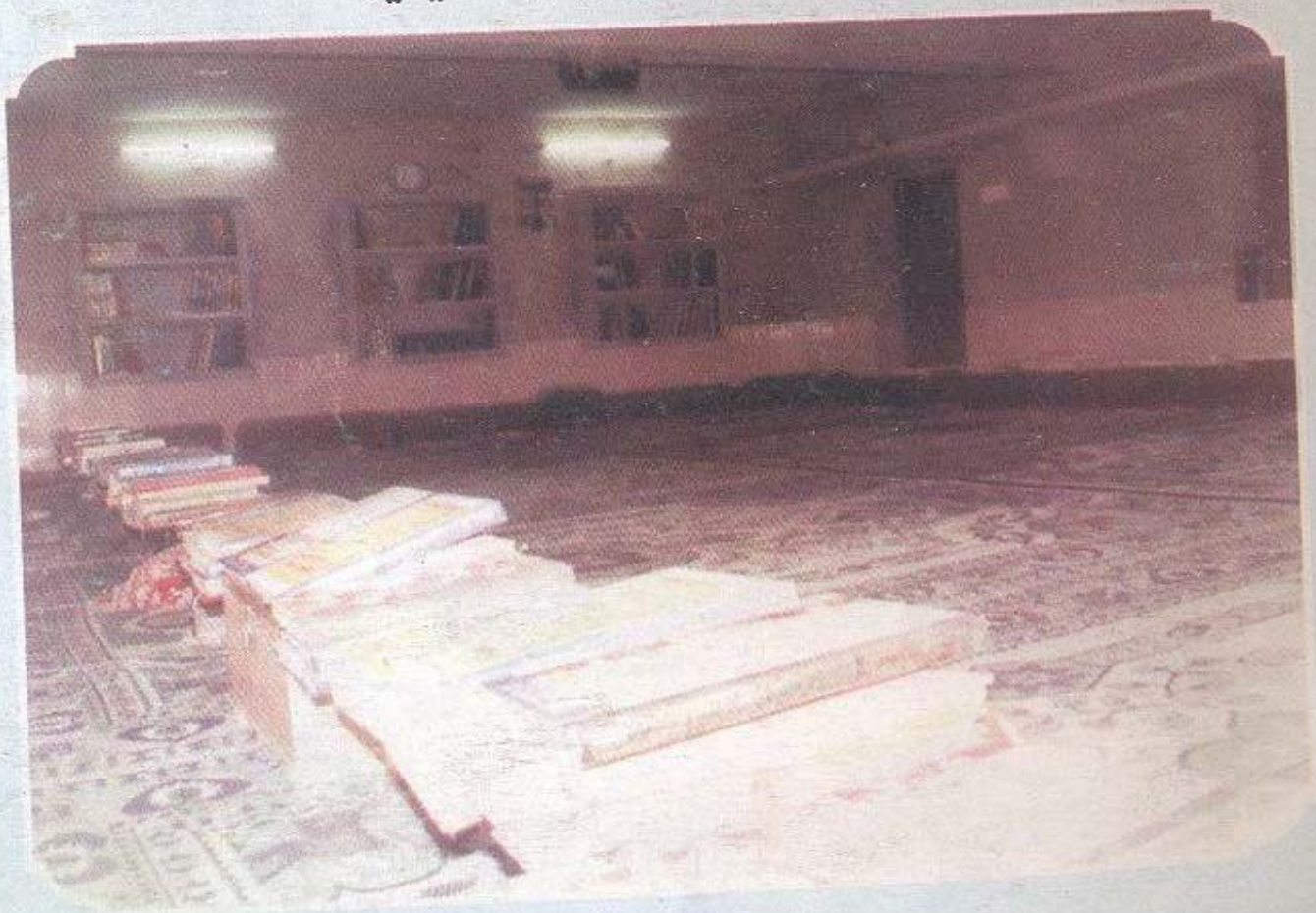
جامعہ اسلامیہ باب العلوم کی درس گاہوں کا بیرونی عکس



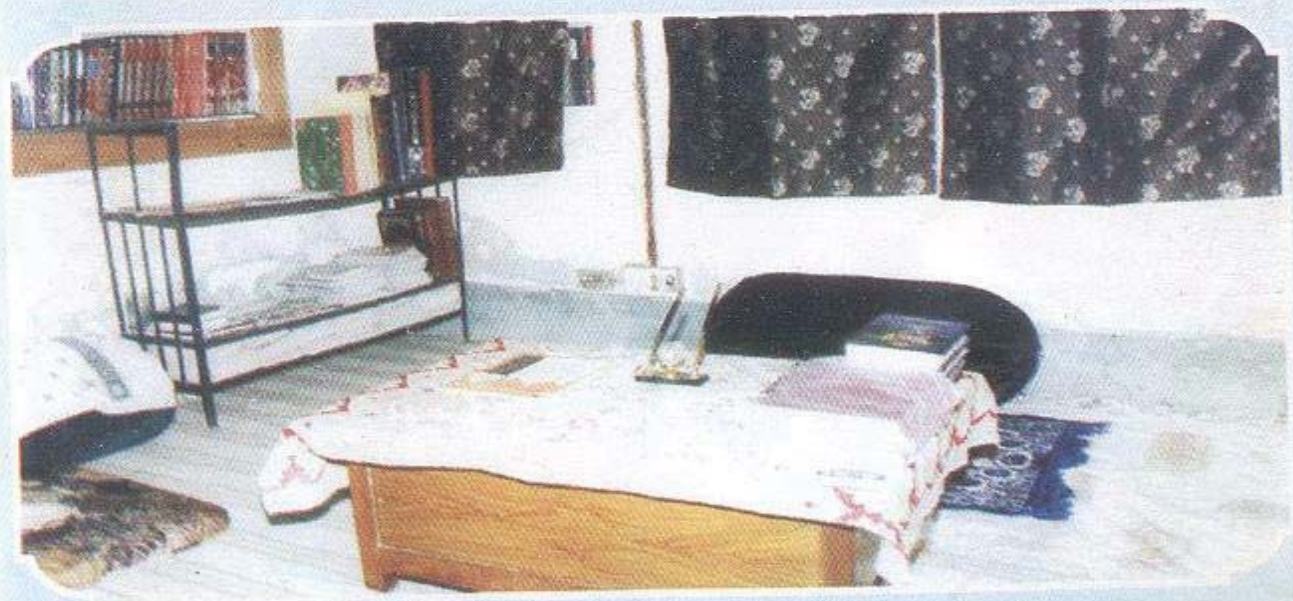
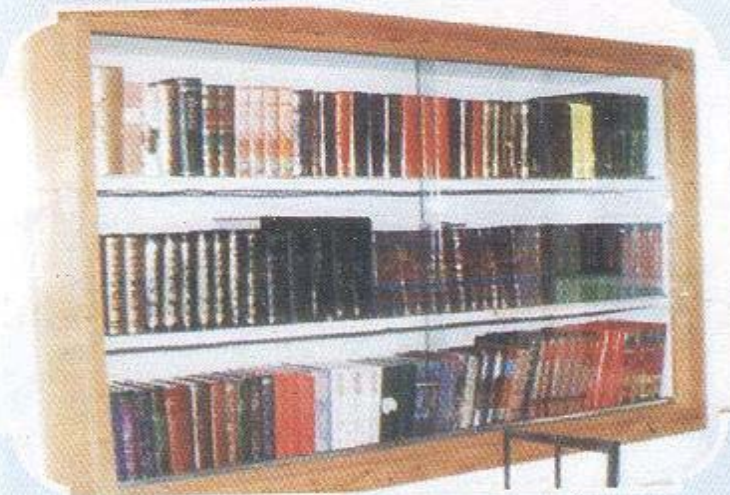
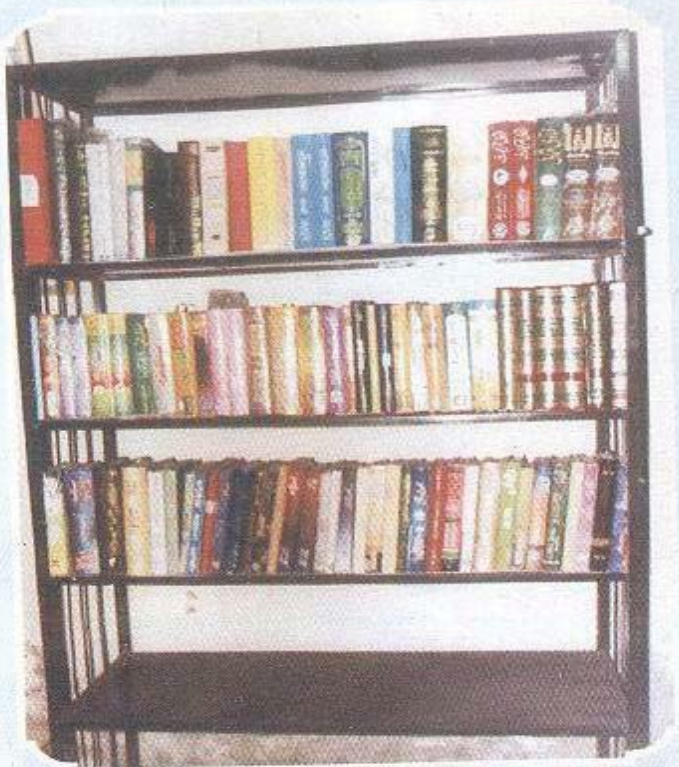
نو تعمیر شدہ درس گاہوں اور دارالاقامہ کا جاذب نظر بیرونی منظر



دارالحدیث کی مسند مبارکہ جہاں حضرت حکیم العصر، محدث دوراں
اور جامعہ کے دیگر شیوخ درس حدیث دیتے ہیں



دارالحدیث کا اندرونی منظر



حضرت حکیم العصر کی ذاتی لائبریری اور وہ مسند جہاں آپ مطالعہ فرماتے ہیں

الله
الرحمن الرحيم

١٤١٣
محرم

جملہ حقوق بحق مؤلف و ناشر محفوظ ہیں

- نام کتاب: ————— خطبات حکیم العصر (جلد دوم)
- خطیب: ————— حکیم العصر حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ
- انتظام: ————— استاذ العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
- ترتیب: ————— مولانا مفتی سجاد حسین ظفر
- تصحیح: ————— قاری ادریس عباسی اسلام آباد
- معاون: ————— مولانا نمر حیات فاروقی، مولانا شعیب حیدر فاروقی
- کمپوزنگ: ————— الکتاب گرافکس ملتان
- ترجمین: ————— ابو میسون اللہ بخش احرار
- صفحات: ————— 372
- تعداد: ————— 1100
- اشاعت اول: ————— یوگائی 2006ء
- قیمت: ————— 100 روپے

تقسیم کار: مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کراچی

فون: 0300-6804071

رابطہ کے لئے

- لاہور: مکتبہ الحسن، ادارہ تالیفات ختم نبوت۔ مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار
- کراچی: اسلامی کتب خانہ نوری ٹاؤن۔ بیت الکتب کاشن قبائل۔ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن
- ملتان: مکتبہ امدادیہ فی بی ہسپتال روڈ۔ کتب خانہ مجید یہ بیرون بوہڑ گیٹ
- بہاولپور: مدرسہ دارالعلوم اسلامی مشن ماڈل ٹاؤن اے، مکتبہ مدنیہ ماڈل ٹاؤن بی
- خیبر پورنامے والی: مکتبہ القادر، جامعہ خیر العلوم



انتساب

اس عظیم عمل کا انساب.....

میں اپنے ان عظیم اکابرین علماء دیوبند کے نام کرتا ہوں کہ جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھایا اور اپنے وقت کے انتہائی ظالم و جابر حکمرانوں سے ٹکرائے.....

ظلم و ستم برداشت کئے.....

لیکن دین الہی پر آنچ نہ آنے دی!!

اور اپنے تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی تربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ یہ عظیم سرمایہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

۱۔ مگر قبول افتد زہے عز و شرف

ازناشر

اللَّهُمَّ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَأَصْلَيْتَ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنْكَ مُبْرِكٌ

اللَّهُمَّ
بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَبَارَكْتَ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنْكَ مُبْرِكٌ

فہرست خطبات حکیم المصر جلد ثانی

اجمالی فہرست



صفحہ	عنوان	شمار
25	تشکر و امتنان تحریر: ابو طلحہ ظفر اقبال غفرلہ	1
27	دورِ حاضر کی ایک جامع شخصیت تحریر: مولانا منیر احمد منور غفری عنذ	2
65	اکابر کا تذکرہ	3
81	مسلمانوں کے زوال کا سبب	4
104	روشن خیالی کی حقیقت	5
117	صحبت کا اثر	6
141	تصور بخشش و سزا	7
163	وسیلہ کا حکم	8
187	فتنہ دجال اور سورہ کہف (بیان ۱)	9
203	فتنہ دجال اور سورہ کہف (بیان ۲)	10
213	سماع الموقی	11
248	اولیاء کی گستاخی کا انجام	12
260	فضیلت ذکر	13
276	فلسفہ حج	14
293	شیعہ سنی اختلاف کا حل	15
310	شانِ اولیاء	16
325	سنت و بدعت میں فرق	17
340	معاشرے کی اصلاح کیسے ہو	18
353	شانِ صحابہ ﷺ	19

صفحہ	عنوان	شمار
25	تشکر و امتنان	1
27	دور حاضر کی ایک جامع شخصیت	2
31	علم و حلم	3
34	علمی رسوخ و کمال کے اسباب	4
36	علمی جواہر پارے	5
40	ظرافت و ذہانت	6
42	تصوف و سلوک	7
44	روحانی ترقی کے اسباب	8
46	مسئلہ وحدت الوجود	9
51	نکات تصوف	10
55	دارالعلوم سے باب العلوم تک	11
57	باب العلوم کی قسمت جاگ انھی	12
60	باب العلوم کا تجدیدی کارنامہ	13
62	حکیم العصر بحیثیت خطیب	14
65	اکابر کا تذکرہ	{1}
67	صحیح بخاری کی فضیلت	1
68	محدثین کا اصول ہے	2
68	نسبت اکابر کا انکار جہالت ہے	3
69	حضرت قاضی مظہر حسینؒ پر اعتماد	4
70	مولانا سر فراز خان صفدر سے اجازت حدیث	5

صفحہ	عنوان	حصہ
70	مولانا مفتی فاروق صاحب سے اجازت حدیث	6
70	حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی سند	7
71	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے اجازت حدیث	8
71	مولانا اورلیس کاندھلویؒ سے اجازت حدیث	9
71	مولانا عبداللہ بہلویؒ سے اجازت حدیث	10
71	مولانا بنوریؒ سے اجازت حدیث	11
72	سند عالی کی اہمیت	12
72	بزرگوں کے تذکرے سے رحمت الہی	13
72	اکابر پر کامل اعتماد	14
73	علامہ عینی کا قول	15
73	ہمارے آباء علم و عمل کے جامع	16
74	علماء کے پاس بیٹھنے والوں کی فضیلت	17
78	بخاری کی آخری حدیث کی تشریح	18
79	کس کے اعمال کا وزن ہوگا	19
79	کون سے اعمال تو لے جائیں گے	20
79	شب بیداری کی فضیلت	21
80	اعمال کا وزن کیسے ہوگا	22
81	مسلمانوں کے زوال کا سبب	{2}
83	تمہید	1
83	اہل دل کے لئے بہار	2

صفحہ	عنوان	شمار
84	آواز حق دبانے سے ابھرتی ہے	3
86	نقلی یہودی، نقلی عیسائی	4
87	ڈاکٹر اقبال کی دعوت فکر	5
87	مومن کے چہرے پہ رعب ہوتا ہے	6
88	کفر کا غلبہ عذاب الہی ہے	7
89	عقیدہ معاد	8
89	اولاد کی آخرت کی فکر کیجئے	9
90	بچے کی بہترین تربیت گاہ ماں کی گود ہے	10
92	اشاعت دین میں عورتوں کی ذمہ داری	11
92	سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت	12
92	پہلی شہیدہ	13
94	حضرت بنوری سے اجازت حدیث	14
95	احناف کی خدمت حدیث	15
95	احناف میں تعصب نہیں ہے	16
96	اختلافات کا حل	17
97	دینی مدارس کی طالبات کی ذمہ داریاں	18
98	امام بخاری کا انوکھا انداز	19
99	اعمال کو وزن کرنے کے بارے میں مائل نظر یہ کہتا ہے	20
99	جدید تحقیقات اور وزن اعمال	21
101	گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ	22

صفحہ	عنوان	شمار
101	فکر آخرت کا سبب	23
102	گناہ کی علامت	24
103	امام بخاری مقلد تھے	25
104	روشن خیالی کی حقیقت	{3}
106	ہدیہ تبریک	1
106	چہل حدیث کی فضیلت	2
107	مشکوٰۃ المصابیح کا تعارف	3
109	مشکوٰۃ المصابیح کا معنی	4
109	حدیث کی تعریف	5
110	الہی اصطلاح	6
110	روشن خیالی کیا ہے؟	7
111	روشن خیال قرآن کی نظر میں	8
112	حیوان نما انسان	9
112	موجودہ دور کا اہم ترین موضوع	10
113	روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار	11
114	آخری حدیث کی تشریح	12
115	موجودہ دور میں عورتوں کی ذمہ داری	13
116	خوش قسمت لوگ	14
116	احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں	15

صفحہ	عنوان	شمار
117	صحبت کا اثر	{4}
119	تمہید	1
119	صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے	2
119	اچھی صحبت کی مثال	3
120	ایک نفسیاتی اصول	4
121	بری صحبت کی مثال	5
121	شیخ سعدی کی نصیحتیں	6
122	دوسری نصیحت	7
123	تیسری نصیحت	8
124	انسان آنکھ سے بنتا ہے	9
124	صحابی کسے کہتے ہیں	10
125	برادوست سانپ سے بدتر ہے	11
126	برے دوست کا ذکر قرآن میں	12
127	بری دوستی دنیا اور آخرت خراب کرتی ہے	13
127	لٹریچر کے اثرات	14
128	صحبت کی تعریف اور اس کے اثرات	15
130	آیت ”کونوا مع الصّٰدقین“ کا مطلب	16
131	بری صحبت کے اثرات	17
131	اچھی صحبت کے اثرات	18
131	جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات	19

صفحہ	عنوان	شمار
132	صحبت کے اثرات معلوم کرنے کا طریقہ	20
132	صالحین کی زیارت کے اثرات	21
133	حضرت حکیم العصر کا حضرت مدنی کی زیارت کیلئے.....	22
134	حکیم العصر کا بزرگوں کی زیارت کے لئے پیدل سفر	23
135	چند سوالات اور ان کے جوابات	24
137	یا محمد لکھنے کا شرعی حکم	25
141	تصور بخشش و سزا	{5}
143	تمہید	1
143	اللہ کی قدرت کا ہرشی پر محیط ہے	2
143	اللہ کا تعارف انبیاء کے واسطے سے	3
144	اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے	4
144	اللہ کی رحمت کیا اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتی؟	5
145	اللہ کا قیامت کے دن مخلوق سے برتاؤ	6
146	لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق	7
146	بندے کا توبہ و استغفار	8
147	توبہ و استغفار کی حقیقت	9
147	ہر سانس پر اللہ کا شکر واجب ہے	10
148	محسن کے سامنے نیاز مندی	11
149	اللہ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے	12
149	اسرائیلی روایات کا حکم	13

صفحہ	عنوان	شمار
149	راہب کا معنی	14
150	اسرائیلی راہب کا واقعہ	15
150	جنت میں داخلہ اللہ کی رحمت سے ہوگا	16
151	اللہ کی رحمت کے لیے عمل ایک بہانہ ہے	17
151	عمل کی حیثیت	18
152	ایک گلاس پانی کی قیمت	19
153	عمل پر بھروسہ نہ کریں	20
154	امام شافعی کا واقعہ	21
154	گناہ چھپ نہیں سکتا	22
155	ہمارے اعضاء بولیں گے	23
156	جو ہم کرتے ہیں زمین میں ریکارڈ ہوتا ہے	24
157	فرشتے ہمارے نگران ہیں	25
158	توبہ گناہوں کا تریاق	26
158	جان کنی سے پہلے توبہ کرلو	27
159	عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہونے کا وقت	28
159	اللہ بندے کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں	29
160	روزانہ استغفار کریں	30
161	توبہ کے بھروسے پر گناہ کرنا عظیم غلطی ہے	31
161	توبہ کا طریقہ	32

صفحہ	عنوان	نمبر
163	وسیلہ کا حکم	{6}
165	تمہید	1
165	وسیلہ کی تعریف	2
165	وسیلہ کے بارے میں اکابر کا مسلک	3
166	المہند علی المہند کا پس منظر	4
167	رضا خانی دجل و فریب	5
168	علماء عرب کی طرف سے حق کی تحقیق	6
170	علماء دیوبند سے علماء عرب کا استفادہ	7
170	علماء دیوبند علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں	8
171	علماء دیوبند اور تصنع و تکلف	9
172	مولانا حسین علی کو ان کے شیخ کا وسیلہ سے دعا کا حکم	10
173	اہل حق کا معمول	11
173	مسئلہ وسیلہ کی وضاحت	12
174	قبولیت دعا کے آداب	13
174	غذا حلال ہو	14
175	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو	15
176	قبولیت دعا کے مواقع	16
177	دعا میں ہاتھ اٹھانا اوب ہے	17
178	دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ	18
179	درود شریف کا وسیلہ	19

صفحہ	عنوان	شمار
179	اعمال صالحہ کا وسیلہ	20
180	مقبول الہی اشخاص کا وسیلہ	21
181	آیت ”لما جاءہم“ کی تفسیر	22
182	پہلا مطلب	23
182	دوسرا مطلب	24
183	توسل بالذات اصل میں توسل بالعمل ہی ہے	25
184	حضور کا حضرت عمر کو دعاء کے لئے کہنا	26
184	چند سوالات اور ان کے جوابات	27
187	فتنہ دجال اور سورۃ کھف (بیان ا)	{7}
188	فضائل قرآن	1
189	سورۃ تبارک الذی اور الم السجدۃ کی فضیلت	2
190	سورۃ واقعہ کی فضیلت	3
190	سورۃ یسین کی فضیلت	4
191	سورۃ کہف کی فضیلت	5
191	سورۃ کہف کی فتنہ دجال سے مناسبت	6
192	فتنہ دجال کا وقت	7
192	فتنہ دجال اور نبی آخر الزماں کی امت	8
193	قیامت اور فتنہ دجال	9
193	دجال اور دعویٰ ربوبیت	10
194	دجال کی خصوصی علامت	11

صفحہ	عنوان	شمار
195	انسان سے پہلا سوال	12
197	دعویٰ ربوبیت دنیا کا سب سے بڑا فتنہ	13
197	علامات دجال	14
198	مدعیان ربوبیت کا علاج	15
198	لفظ خدا استعمال کرنے کا شرعی حکم	16
199	لفظ خدا کا استعمال	17
200	خدا کا معنی	18
203	فتنہ دجال اور سورۃ کھف (بیان ۲)	{8}
205	تمہید	1
205	دجالی فتنے کی ابتداء ہو چکی ہے	2
205	دجال کے بارے میں حضور کی نصیحت	3
206	طالب علموں کا قصہ	4
207	طالب علموں کے لیے غیر مسلک کا لٹریچر پڑھنا	5
209	فتنہ دجال کے وقت افضل الشہداء	6
210	دجال کا مقابلہ سے سلوک	7
211	واقعہ دجال کی روشنی میں حضرت حکیم العصر کی نصیحت	8
213	سماۃ الموتی	{9}
215	تمہید	1
215	جان کنی کے وقت کلمہ پڑھنا	2
216	روح نکلنے کے بعد انکوں سے ملاقات	3

صفحہ	عنوان	نمبر
216	زندہ آدمی سے روحوں کی ملاقات	4
219	ورثاء کا یاد کرنے کا ذکر حدیث میں	5
220	اہل برزخ اور اہل دنیا کا معمول	6
221	مردے کا حق	7
221	نماز جنازہ	8
222	صفوں میں طاق کی رعایت	9
223	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم	10
224	حضور نے کسی صحابی کا غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھایا	11
225	نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی وجہ	12
225	جنازہ کے بعد دعاء کی حقیقت	13
225	میت کا کلام کرنا	14
227	میت کا آخری حق	15
227	جنازے کے بعد قبر پر پھرنے کی وجہ	16
228	دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	17
229	ایک واقعہ	18
229	صدے سے آنسو جاری ہونا	19
230	مردے کا قدموں کی آہٹ سننا	20
230	مردوں کو سلام کرنا	21
231	سلب کلی کا مطلب	22
231	سماع فی الجملۃ	23

صفحہ	عنوان	شمار
232	سماع باری تعالیٰ	24
233	سماع میں اختلاف	25
233	سماع انبیاء کی دلیل	26
233	سماع موتی کے بارے میں آیات قرآنی	27
234	ایک اشکال	28
235	جواب	29
236	اموات غیر احیاء کا مطلب	30
237	موتی کے بارے میں اشکال	31
240	وجہ تشبیہ	32
240	اسماع کا معنی	33
243	زیارت قبور کا آداب	34
243	والدین کی قبر کی زیارت	35
244	ترکین قبور کا حکم	36
246	اولیاء کی گستاخی کا انجام	{10}
248	حدیث دلبراں	1
248	جامعہ ربانیہ سے روانگی	2
249	رفاقت کا زمانہ	3
249	جامعہ امدادیہ کی بنیاد	4
251	حدیث قدسی	5
251	اللہ کے اعلان جنگ کا مطلب	6

صفحہ	عنوان	شمار
252	اہل اللہ کی گستاخی کا انجام	7
253	سب سے قیمتی چیز	8
253	ایمان کی دولت	9
255	کافروں کا پرپیگنڈہ	10
255	ایمان جان بازی سکھاتا ہے	11
256	ہندوستان کے بارے میں پیش گوئی	12
257	حکیم العصر حضرت تھانویؒ کی پیش گوئی	13
258	حضرت رائے پوری کی پیش گوئی	14
259	اکابر کی فراست	15
260	فضیلت ذکر	{11}
262	حضرت لاہوری کا معمول	1
262	فرشتوں سے سوال	2
263	اہل ذکر کے لیے بشارت	3
264	روایت کا مقصد	4
264	اللہ سے ہم نشینی کا ذریعہ	5
265	ایمان کیا ہے	6
266	ایمان کی نشانی	7
267	باطنی حس کی خرابی	8
268	باطنی حس کا علاج	9
269	علماء و صوفیاء کی مثال	10

صفحہ	عنوان	نمبر
270	حضور کی چار شاخیں	11
271	اللہ سے محبت کا ذریعہ	12
271	عیسائی یہودی اسلام کے دشمن ہیں	13
272	عیسائیوں پر افسوس	14
273	قرآن میں حضرت مریم کی صفائی	15
273	عیسائیوں پر اسلام کا احسان	16
274	عیسائیوں یہودیوں سے نفرت	17
276	فلسفہ حج	{12}
278	تمہید	1
278	عمل کے درجات	2
279	حج مقبول کی علامت	3
280	مسائل جاننے سے عمل سنورتا ہے	4
281	اعمال کی مثال	5
282	ہمارا علم ناقص ہے	6
283	عمل کا غا ہر وطن	7
283	حاجی کسے کہتے ہیں	8
284	حج ایک عاشقانہ عمل	9
285	کامل حج کی علامت	10
286	عمل کی روح	11
286	دل کا عقیدہ	12

صفحہ	عنوان	شمار
287	عقیدہ کے بغیر عمل صفر ہے	13
288	ابراہیم کا سب سے پہلا درس	14
289	حضرت ابراہیم کی قربانی	15
290	عقیدہ توحید کی اہمیت	16
291	ایام حج میں سب سے افضل دعاء	17
291	اشکال	18
291	جواب	19
293	شیعہ سنی اختلاف کا حل	{13}
295	تمہید	1
296	محرم عظمت والا مہینہ	2
296	دس محرم کا روزہ	3
297	دس محرم کو اہل عیال پر وسعت	4
297	محرم کس طرح منانا چاہیے	5
298	آل نبی سے محبت	6
298	حضرت حسین کی مختصر سیرت	7
299	حسن و حسین کا حلیہ	8
299	واقعہ کربلا سے پہلے کی زندگی	9
300	حضرت علیؑ کی لقب	10
301	ہم حسینی ہیں	11
302	شیر کا مینا شیر	12

صفحہ	عنوان	نمبر
305	یہودی اور نصرانی اتحاد	13
305	روئے زمین پر دو ذہن	14
306	شیعہ سنی اختلاف کا حل	15
307	دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ	16
310	شان اولیاء	{14}
312	تمہید	1
312	آیت کی وضاحت	2
313	ایمان کیا ہے	3
314	سب سے پہلے علم	4
314	تقویٰ کی تعریف	5
315	روحانیت کے کانٹے	6
316	دنیاوی ساز و سامان میں وراثت	7
316	روحانی کمالات میں وراثت نہیں	8
317	ایک بہت بڑی گمراہی	9
318	تقویٰ حاصل کر نیک طریقہ	10
319	حدیث کا شان و رود	11
319	ایمان کے بعد سب سے زیادہ خوشی	12
320	محبت کی پہچان کا طریقہ	13
322	تاریخ خود کو دہراتی ہے	14
322	سنت کی پابندی میں نجات ہے	15

صفحہ	عنوان	شمار
323	تمدن میں نصاریٰ	16
325	سنت و بدعت میں فرق	{15}
327	تمہید	1
327	ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہے	2
327	بدعت کسے کہتے ہیں	3
328	نئی چیز سے کیا مراد ہے	4
328	بدعت کی درست تعریف	5
330	اللہ کی منشاء بیان کرنا منصب نبوت ہے	6
331	بدعت جعلی سکھ ہے	7
331	بدعت سنت سے بغاوت ہے	8
332	مسئلہ ایصال ثواب	9
333	اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا مسلک	10
333	مسئلہ ایصال ثواب پر معتزلہ کا اعتراض	11
333	لیس لہ انسان کا مطلب	12
335	مفتی عزیز الرحمن کا اشکال	13
336	قبر میں جاتے وقت مردے کا حق	14
338	علماء کی دو قسمیں	15
339	ایصال ثواب کا طریقہ	16
340	معاشرے کی اصلاح کیسے ہو	{16}
342	تمہید	1

صفحہ	عنوان	شمار
343	شخصی صحت کیا ہے	2
343	بیماری کیا ہے	3
344	موت کی تعریف	4
344	معاشرے کی صحت و بیماری	5
345	معاشرہ کی بیماری	6
346	قرآن مجید کا موضوع	7
347	تقویٰ کا اثر	8
347	قرآن کی طرف سے یاد دہانی	9
348	دور جاہلیت کی حالت	10
349	اللہ کا احسان	11
350	اجتماعی حالات کی صورتحال	12
350	شخصی حالات کی کیفیت	13
351	انفرادی و اجتماعی بیماری کا علاج	14
352	ایک غلط فہمی	15
353	شان صحابہ ﷺ	{17}
355	تمہید	1
356	صحابی کی تعریف	2
356	حضور کے چہرے پر پڑنے والی نظر کی قیمت	3
357	صحابہ کو برا بھلا کہنے کا حکم	4
358	مد کی مقدار	5

صفحہ	عنوان	شمار
358	سب صحابہ کرنے والوں پر لغت کا حکم	6
359	ابوبکر کا مقام	7
361	خلفاء راشدین کی امتیازی خصوصیات	8
361	خلفاء راشدین کی خلافت متفق علیہ تھی	9
362	اس اختلاف میں مسلک دیوبند	10
364	حضرت امیر معاویہ کی گستاخی	11
365	خلفاء راشدین کی پہلی خصوصیت	12
365	دوسری خصوصیت	13
367	تیسری خصوصیت	14
368	افضل فی زمانہ کی ترتیب	15
371	اہل بیت کا مصداق	16
372	اہل بیت کی فضیلت	17
373	حسین و یزید کے اختلاف میں مسلک دیوبند	18



تشکر و امتنان

اللہ کریم کے اس اُمت پر فضل و کرم کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ اُس نے ہر زمانے اور ہر وقت میں انسانیت کی ضروریات کو پورا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کے اسباب بھی مہیا کئے ہیں عام طور پر انسانی ضروریات دو قسم پر ہیں جسمانی اور روحانی۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی ضروریات کے لئے غذا اور روحانی ضروریات کے لئے اپنے برگزیدہ پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات کو مقرر فرمایا اور پھر اس روحانی مشن کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ایسے افراد کا انتخاب فرمایا جنہوں نے اللہ کی توفیق سے اس پیغمبرانہ مشن کو دیوانہ وار آگے بڑھایا اور اس کے لئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو خوب خوب استعمال فرمایا، اور جہاد و تبلیغ، درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور تعلیم و تربیت کے ہر میدان میں انمول کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان میں میرے دور کی عظیم علمی، روحانی شخصیت میرے اُستاد محترم رئیس المحدثین، حکیم العصر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں، انہیں اللہ نے بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔

نطق کو سونا زہے تیرے لبِ اعجاز پر

محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

میرے لئے یہ سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت حکیم العصر کے خطبات کی جلد دوم شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مقامِ شکر ہے کہ جلد اول کی اشاعت کے وقت قارئین حضرات سے جلد دوم کو منصفہ شہود پر لانے کا جو وعدہ کیا تھا آج اللہ کے فضل و کرم سے اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ فالحمد لله على ذلك۔

یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ کسی شخصیت کے خطبات کو کتابی شکل مل جانا اور افراد اُمت تک پہنچ جانا کسی تحفہ سے کم نہیں ہوتا۔ خاص کر جبکہ وہ مفکر، محدث، فقیہ بھی ہوں، اکابر

اُمت کی شفقتوں کا مرکز اور اپنے سینے میں سسکتی بلکتی زخم خوردہ پریشانیوں اور آزمائشوں سے چور چور انسانیت کے لئے گھٹنے پگھلنے والے صاحبِ دل ہوں اور اُن کی تقریر میں جوش کی بجائے درست ذہن سازی کا عنصر غالب ہو۔ قارئینِ کرام جب ان خطبات کا مطالعہ فرمائیں گے تو ان کے سامنے ان شاء اللہ بے شمار عقدے کھلتے جائیں گے۔

خطبات حکیم العصر جلد ثانی کے منظر عام پر آنے میں میرے اساتذہ، رفقاء کار اور مخلصین کی دعاؤں اور کاوشوں کا گہرا دخل ہے۔ انہیں حضرات کے جذبہ خدمت اور حضرت اُستاد محترم کے ساتھ عقیدت و محبت کی برکت ہے کہ انتہائی مختصر وقت میں یہ شہ پارے آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ اللہ کریم ان سب کو اپنی عظمتِ شان کے شایانِ شان اجرِ عظیم سے نوازے۔ واجرہم علی اللہ

خاص طور پر میرے رفیقِ کار جواں سال عالمِ دین مولانا مفتی سجاد حسین ظفر صاحب جنہوں نے اس مجموعہ کی ترتیب کا کام سرانجام دیا اور برادرِ عزیز، مخلص دوست، بیدار مغز عالمِ قاری محمد ادریس عباسی صاحب جنہوں نے کئی راتیں آنکھوں میں کاٹ کر اس کتاب کی تصحیح و تحقیق کی ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت و دلچسپی کے ساتھ یہ کام کیا۔ میں اُستاد محترم حضرت مولانا منیر احمد صاحب منور اُستاد الحدیث جامعہ باب العلوم کا بھی انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر عدیم الفرستی کے باوجود ایک وقیع مقدمہ تحریر کیا اللہ تعالیٰ انہیں سعادت دارین سے نوازے اور لمبی عمر عطا فرمائے۔

آخر میں اس کتاب کے بارے میں یہی کہتا ہوں

مدتے درمثنوی تاخیر شد

فرصت باید کہ تاخوں شیر شد

والسلام ابو طلحہ ظفر اقبال غفرلہ

ناظم اعلیٰ جامعہ باب العلوم کھروڑ پکا ضلع لودھراں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دورِ حاضر کی ایک جامع شخصیت

جب بندہ ناچیز ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم کبیر والا میں بسلسلہ تعلیم حاضر ہوا تو صرف نحو کے لئے جماعتِ اولیٰ میں داخلہ ملا اس جماعت کے بظاہر دو سبق ہوتے تھے لیکن ارشادِ صرف اور نحو میر کی فارسی عبارت مع مکمل تشریح حفظ کرتے نیز تمرین کے لئے صرف و نحو کے قواعد کے استحضار اور دریائے راوی، ارے، ارین، لیا، مولیاں۔ کہ باشند۔ پترالیاں، کولیاں جیسے پیچیدہ صیغہ جات حل کرنے کے حوالہ سے ہمارا ایک سبق کئی اسباق کے قائم مقام ہو جاتا۔ دارالعلوم کبیر والا کے اس دور میں صرفی جماعت فقط حضرت علامہ مولانا منظور الحق رحمہ اللہ سے متعلق ہوتی تھی۔ اس لئے اُستادِ مکرم حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ اتنی وابستگی نہ ہو سکی البتہ یہ منظر ضرور دیکھتا کہ ایک خوبصورت، خوب رو، میانہ جسامت، میانہ قامت، گندمی رنگ، متناسب الاعضاء، شیریں گفتار، دھیمی رفتار، صاف سحرے، اُجلے نکھرے نوجوان اُستاد ہیں۔ جن کی آنکھوں میں بلا کی چمک ہے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہے وہی طلبہ کیلئے مرکز عقیدت و محبت ہیں جوں ہی طلبہ کی ان پر نگاہ پڑتی ہے وہ پروانوں کی طرح ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں وہ بھی حسبِ عادت اپنی روایتی مسکراہٹ خندہ پیشانی اور شفقت و محبت کے ساتھ ان کو اپنے سینہ کے ساتھ لگاتے ہیں نمازوں کے اوقات میں ہمیشہ یہ نوجوان استاذ صفِ اول میں نظر آتے ہیں مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں اور سب کے بعد جاتے ہیں ان میں اُستاد کی عظمت شان بھی ہے اور ان میں ایک مخلص دوست جیسی باوقار بے تکلفی بھی ہے۔ وہ علم و عمل اور تعلیم و تربیت کے اعتبار سے استاذ ہیں تو بے تکلفی اور ہمدردی کے حوالے سے طلبہ کے دوست بھی ہیں

اس لئے اُن کی مجلس میں دونوں رنگوں کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں جب وہ استاذ ہونے کی حیثیت سے مجلس میں گفتگو فرماتے ہیں تو سب اہل مجلس باگوش و ہوش ہمہ تن متوجہ ہو کر ایک ایک لفظ کو سننے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور جب دوستانہ بے تکلفی کا رنگ غالب آتا ہے تو حسب موقع عجیب اشعار، لطیفے، مزاح چلتے ہیں کبھی استاذ کی طرف سے اور کبھی طلبہ کی طرف سے اگرچہ اس نوجوان استاذ کے پاس میرا سبق تو نہ تھا لیکن اندر ہی اندر ان کے ساتھ ایک عقیدت و محبت کا تعلق جڑ گیا اس لئے میں بھی کبھی کبھار اُنکی درس گاہ کے باہر کھڑے ہو کر اُنکی باتوں کا مزہ لیتا اور جب کوئی خوش طبعی کی بات سناتے اور طلبہ ہنستے تو مجھے بھی بے اختیار ہنسی آ جاتی لیکن فوراً دوڑ جاتا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں وہی طلبہ کے محبوب نوجوان استاذ ہیں آج دنیا اُن کو شیخ الحدیث اور حکیم العصر کے لقب سے یاد کرتی اور پہچانتی ہے جب دارالعلوم کبیر والہ میں میری تعلیم کا دوسرا سال شروع ہوا تو ہماری جماعت کی خوش نصیبی کہ ہمیں دو سبق حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے پاس پڑھنے کی سعادت نصیب ہو گئی، {۱} ”نور الایضاح“ و ”قدوری“ {۲} ”ایسا غوجی“ و ”مرقات“ وغیرہ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ تعلق بڑھتا گیا حضرت کے ساتھ قلبی تعلق تو پہلے ہی جڑ چکا تھا جو ان اسباق کی برکت سے مزید مستحکم ہو گیا۔ لیکن حضرت والا کے ساتھ مزید قریبی تعلق کیسے پیدا ہوا؟ اور حضرت والا کی خدمت کی سعادت کیسے نصیب ہوئی اس کے پس منظر میں چند واقعات ہیں۔

- 1- دارالعلوم کبیر والہ میں اساتذہ کی رہائش گاہوں میں پانی کا کوئی معقول انتظام نہ تھا بعض مکانوں میں نلکے لگے ہوئے تھے جبکہ بعض میں یہ سہولت بھی نہ تھی حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم العالیہ کے مکان پر ابھی تک نلکا نہ لگا تھا ایک طالب علم مولوی غلام محمد پانی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے خدمت پر مامور تھے، اسی طرح مکانوں کے آگے پانی کی نکاسی کا انتظام بھی نہ تھا ہر مکان کے آگے گڑھے کھودے ہوئے تھے اکیمیں استعمال شدہ پانی جمع ہوتا لیکن اس جمع شدہ پانی کے نکالنے کا بھی کوئی خاص

انتظام نہ تھا جس کی وجہ سے وہ متعفن گڑھے چھروں کا مرکز تھے۔ اسی طرح میں کبھی کبھی مولوی غلام محمد کا معاون بن کر پانی بھرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا، ایک دن دل میں یہ بات آئی کہ پانی تو غلام محمد صاحب بھرتے ہیں اگر میں گڑھے روزانہ صاف کر دیا کروں تو کتنا ثواب ہوگا اور اساتذہ کی کتنی دعائیں نصیب ہوں گی۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا گھڑا خریدا اور یہ خدمت سرانجام دینا شروع کر دی، مومنوں سے کہہ رکھا تھا کہ آپ اذان سے پہلے مجھے جگا دیا کریں اللہ اس کا بھلا کرے وہ روزانہ مجھے جگا دیتا اور میں تقریباً پانچ چھ گڑھوں کا پانی نکال دیتا کئی دن گزر گئے اساتذہ کرام صبح دیکھتے کہ گڑھے صاف ہیں، لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ صاف کون کرتا ہے چنانچہ ایک روز جب میں گڑھے صاف کرنے والی اپنی خاص وردی پہن کر ڈیوٹی ادا کرتا ہوا حضرت حکیم العصر کے مکان پر پہنچا اور گڑھے سے پانی نکال ہی رہا تھا کہ اچانک اپنے سر پر ایک شفقت و محبت والا ہاتھ محسوس کیا، دیکھا تو وہ حضرت حکیم العصر کا مشفقانہ ہاتھ تھا۔ حضرت نے بہت پیار کیا، دعائیں دیں۔ حضرت نے یہ دست شفقت کیا رکھا بس ہمیشہ کیلئے مجھے اپنا گرویدہ یعنی غلام بنا لیا۔ اس کے بعد پھر مجھے یہ خدمت نصیب ہوئی کہ اسباق کے اختتام پر حضرت والا کی کتب اور تپائی گھر تک پہنچانے کیلئے حضرت کے ساتھ جاتا۔

2- میرے پھوپھا حضرت مولانا حکیم عبدالحق صاحب قاسمی جو قاسم العلوم ملتان میں حضرت والا کے ساتھ دو سال ہم سبق رہے ہیں اور دونوں حضرات کے درمیان بہت الفت و محبت کا تعلق تھا ایک دن حضرت نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کیونکہ ان دنوں میرے والدین کی رہائش بھی اسی کچا کھوہ کے علاقہ میں تھی اور مولانا عبدالحق بھی اسی علاقہ میں رہتے تھے جب میں نے بتایا کہ وہ میرے پھوپھا ہیں تو اس کے بعد حضرت والا کی مزید نظر شفقت ہوئی کچھ دنوں کے بعد گھر کے برتن دھونے کی خدمت بھی میرے سپرد ہوئی پھر چائے پکانے اور پلانے کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔

3- میرے والد صاحب مرحوم حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

کے مرید ہونے کی وجہ سے احراری مزاج تھے، تو کل واستغناء اور بہادری احرار کے مزاج میں ہے۔ والد صاحب بھی ایک غریب، غیرت مند اور بہادر انسان تھے موروثی طور پر اس کا کچھ حصہ مجھے بھی ملا، اس وجہ سے بھی شفقت نصیب ہوتی۔

4۔ اس وقت طلبہ کو آزادی ہوتی تھی کہ جو اسباق چاہیں جتنے چاہیں شروع کر لیں باقاعدہ جماعت وار نصاب طے نہ تھا۔ اس لئے حضرت حکیم العصر نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اگر تو قدوری کے ساتھ ساتھ اصول الشاشی بھی پڑھ لے تو اگلے سال کنز کے ساتھ نور الانوار پڑھ سکے گا۔ میں نے کہا حضرت ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے جماعت سے علیحدہ مجھے اصول الشاشی پڑھادی جس کی وجہ سے میرے لیے اگلے سال نور الانوار کا سبق تجویز ہو گیا۔

5۔ میں اپنے گھر کی مالی حالت سمجھتا تھا۔ اسی لیے میں اپنے والدین سے خرچہ کے مطالبہ کی بجائے اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ والدین نے مجھے پڑھنے کیلئے فارغ کر دیا ہے تاہم والدہ مرحومہ اپنی طرف سے جو کچھ ہو سکتا مدد دینے میں کمی نہ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ والدہ مرحومہ نے مجھے پلاسٹک والی چپل لے کر دی جس کو میں نے تین سال تک چلایا دو سال تو ٹھیک چلی اس کے بعد ٹوٹنا شروع ہو گئی تو میں جمعہ کو سوئی دھاگالے کر باہر چلا جاتا اور اس کو ٹانگے لگا کر مرمت کر کے واپس آ جاتا۔ ہفتہ گزر جاتا۔ جب دوسرا جمعہ آتا تو پھر اس کی دیکھ بھال کر لیتا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے دوسروں کے سامنے رونے دھونے کا یا قرض لے کر مانگ مانگ کر شو، شابانے کا مزاج نہیں بنایا۔ حضرت حکیم العصر بھی حالات پر نگاہ رکھتے تھے حضرت کو اندازہ ہو گیا تو حضرت نے مجھے پیسے دیئے اور فرمایا بازار جا کر اپنے پسند کی چپل لے لے۔

6۔ قدوری والے سال کی بات ہے یعنی ۱۹۶۱ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی وفات ہے حضرت الاستاذ زید مجدہ کی شفقت کہ وہ مجھے جنازہ کیلئے ساتھ لے گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کا آخری دیدار نصیب ہوا۔

7۔ کنز والے سال کی بات ہے یعنی حضرت کے ساتھ وابستگی کے دوسرے

سال کی بات ہے کہ مجھے سخت بخار ہو گیا۔ کئی دفعہ حضرت کمرہ میں پوچھنے کیلئے آتے رہے اور چار پانچ دن تک صبح و شام ولیہ پکوا کر بھیجتے رہے اور ایسے غریب و نادار طلبہ کے ساتھ اعانت کا یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تھا جو تاحال قائم ہے اور جب خالہ جی گھر نہ ہوتیں تو پھر حضرت کے پاس گھر میں ہی رہنا سہنا، کھانا پینا ہوتا۔ یہ تعلق الحمد للہ اتنا مضبوط ہو گیا اور حضرت کے پاس اس کثرت سے آتا جاتا رہتا کہ اکثر طلبہ سمجھتے کہ یہ حضرت کا اپنا کوئی عزیز ہے۔ میں نے بھی غلبہ محبت اور بے سمجھی سے اپنے آپ کو منیر احمد بن عبد المجید لکھنا شروع کر دیا جب آپ کو پتا چلا تو اس سے منع فرما دیا۔

بہر حال جوں جوں وقت گزرتا گیا توں توں یہ تعلق و قرب بڑھتا چلا گیا۔ اس تعلق کو تقریباً ۴۴ سال ہو چکے ہیں اس طویل عرصہ میں حضرت حکیم العصر زید مجدہ کے علم و عمل، تعلیم و تربیت، تقریر و تحریر، تدریس اور افراد سازی اکابر دیوبند کے ساتھ علمی و روحانی نسبت، ذکر و فکر۔ اخلاق و عادات، عبادات و معاملات، شجاعت و شرافت، تواضع و مسکنت، توکل و استغناء، جود و سخا، حق گوئی و بے باکی، استقامت و پختگی، شفقت و محبت، طنز و مزاح لطافت و ظرافت، معاملہ فہمی، غرضیکہ ہر پہلو سے میں نے حضرت موصوف کو قریب سے قریب تر ہو کر بغور دیکھا ہے اور ان میں سے ہر شعبہ سے متعلق حضرت والا کے اصول اور آپ کے کمالات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے لیکن سال کا اختتام ہے اسباق کی مصروفیت آڑے ہے اس لیے چند متفرق معروضات پیش خدمت ہیں۔

علم و حلم:

چھبیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی تو فرمایا و بشر وہ بغلام علیم، اور تیسویں پارے میں ہے فبشرناہ بغلام حلیم اشارہ ہے کہ اس بیٹے میں دو صفیں نمایاں ہونگی علم و حلم۔ ایک عالم کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم و حلم کی دونوں صفتوں کے ساتھ متصف ہو۔ علم ذخیرہ معلومات کا نام نہیں بلکہ علمی مشکلات اور پیچیدگیوں کے حل کرنے کی قوت و صلاحیت اور استعداد کا نام ہے۔ البتہ معلومات اس علمی قوت اور اس میں نکھار پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اور حلم ایک ایسی باطنی

قوت کا نام ہے جو آدمی کو بے موقع + بے محل جوش و جذبات کی رو میں بہنے اور مقصائے علم کے خلاف عمل کرنے سے باز رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم العصر زید مجدہ کو ان دونوں لازم و ملزوم نعمتوں سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ ہر صفت کے کھلنے اور نمایاں ہونے کا ایک میدان ہوتا ہے۔

حضرت حکیم العصر زید مجدہ کا دارالعلوم کبیر والا کا پندرہ سالہ دور تدریس بڑے عجیب حالات پر مشتمل ہے حضرت والا نے اپنی ذاتی محنت سے دارالعلوم کی مالی اعانت کیلئے کراچی میں ایک ماحول ساز گار کیا۔ آپ کے ذریعے کراچی سے وسیع امداد ہوتی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی خواہش تھی کہ دارالعلوم میں صبح کی نماز کے بعد سارا سال ترجمہ قرآن کا سبق ہو اور سال میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ و تفسیر پڑھائی جائے متعدد اساتذہ نے تجربہ کیا لیکن پارہ دو پارے سے آگے نہ جاسکے بالآخر حضرت حکیم العصر نے نماز صبح کے بعد ترجمہ و قرآن کا سبق شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا پھر جب تک آپ دارالعلوم میں رہے بڑی شان و شوکت اور کامیابی کے ساتھ یہ سبق چلتا رہا آپ نے معمول بنالیا تھا کہ صبح کی اذان ہوتے ہی طلبہ کو جگانا شروع کر دیتے ایک ایک کمرے میں جا کر جگاتے۔ اس میں دو فائدے مطلوب تھے طلبہ نماز باجماعت پڑھیں اور نماز کے بعد ترجمہ کے سبق میں شریک ہو جائیں۔ صدر صاحبؒ کی طرف سے تعاون یہ تھا آپ نے اساتذہ کو پابند کر دیا کہ سوائے دورہ حدیث کے اور کسی جماعت کا ترجمہ کے وقت میں سبق نہ ہو۔

حضرت حکیم العصر اسباق کے دوران خصوصاً ترجمہ قرآن کے سبق میں عقائد علماء دیوبند پر کھل کر گفتگو فرماتے اور بہت مدلل اور موثر طریقے سے مسلک دیوبند سمجھاتے۔ جس کے نتیجے میں دارالعلوم کبیر والا تعلیمی ماحول کے علاوہ مسلک دیوبند میں شعور اور پختگی پیدا کرنے کے اعتبار سے پورے ملک میں متعارف ہوا۔ اسی طرح اکابر دیوبند کا تعارف، ان پر اعتماد، ان کے ساتھ عقیدت و محبت پیدا کرنا یہ بھی آپ کے درس کا حصہ ہوتا تھا پورے مدرسہ میں کوئی استاذ بھی سیر وافی الارض کا ذوق

رکھنے والا نہ تھا لیکن حضرت حکیم العصر کا سال کے دوران بھی اسفار کا سلسلہ جاری رہتا اور سال کے اختتام پر آپ اپنے طلبہ کے قافلہ کے ساتھ اہم مقامات کی طرف سفر کرتے اور جہاں جاتے دارالعلوم کبیر والا کا تعارف اور اس کیلئے فضا بنانا آپ کی طبیعت کا لازمہ تھا۔ اس سے بھی دارالعلوم کی شہرت کو چار چاند لگے۔

آپ کبیر والا شہر کی نور مسجد میں 14 سال تک بلا معاوضہ خطبہ جمعہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے جس کی وجہ سے کبیر والا کے شہری حضرات کا تعلق آپ کے ساتھ جڑا اور آپ کے واسطے سے دارالعلوم کے ساتھ جڑے۔ آپ نے اپنی خطابت سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کا فائدہ بھی دارالعلوم کو پہنچایا۔

تدریسی اور علمی قابلیت کے علاوہ یہ تمام امور ایسے تھے جنکی وجہ سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے دن بدن منظور نظر بنتے چلے گئے جبکہ کچھ حضرات کی نگاہ میں کھٹکنے لگے بلکہ کانٹے کی طرح چھنے لگے۔ آپ کے خلاف طلبہ کو اکسایا جاتا۔ آپ کے ساتھ تعلق رکھنے والے طلبہ کو ستایا جاتا لیکن میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ہمارے نوجوان استاذ کتنے حلیم الطبع اور کتنے کوہ استقامت ہیں کہ نہ کبھی جواب دیتے ہیں نہ طلبہ کو اکساتے ہیں نہ کبھی طیش میں آتے ہیں نہ وقار و متانت میں فرق آتا ہے بلکہ اپنے متعلقین طلبہ کو ان حضرات کا ادب کرنے اور نظم مدرسہ میں تعاون کرنے کا درس دیتے ہیں اور اگر کوئی طالب ان حضرات کے بارے میں خلاف ادب کوئی لفظ بولتا تو حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے وہ زجر و توبیخ کرتے کہ وہ دوبارہ کبھی جسارت نہ کرتا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب آپ میں علمی و انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ لگا چکے تھے دارالعلوم کی ترقی کے بارے میں آپ کے جذبات بھی پڑھ چکے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی علمی کوششیں اور کاوشیں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لیے انہوں نے ایک موقع پر شوریٰ کا اجلاس بلایا اور حضرت حکیم العصر کو شوریٰ میں بلا کر حضرت والا کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ مولانا عبدالمجید ہیں ان میں انتظام سنبھالنے کی پوری پوری صلاحیت ہے آپ لوگ ان کے ساتھ بات کر لیں۔ جب شوریٰ والوں

نے آپ کو اہتمام کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا کہ میرا چھوٹا سا گھر ہے اس کا پورا نظم نہیں کر سکتا۔ ہم یہاں میاں بیوی دو ہیں ہر روز صبح کو ہانڈی کے پیچھے لڑتے ہیں جب اپنے گھر کی ہانڈی کا نظم بھی صحیح نہیں کر سکتا تو اتنے بڑے ادارے کا نظم کیسے سنبھالوں گا۔ بہر کیف امام اعظم ابو حنیفہؒ کی طرح اپنی کمزوری کا عذر کر کے اپنی علمی زندگی کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب حاجی طفیل کو ساتھ لے کر حضرت کے پاس مکان پر گئے اور فرمایا مولانا! آپ میں انتظام کی صلاحیت ہے آپ اسے سنبھال لیں ورنہ میں اہتمام منظور (مولانا منظور الحق) کو دے دوں گا پھر آپ ہی روکیں گے۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا حضرت مولانا منظور الحق کا اس علاقہ میں کافی وقت گزار چکے ہیں اس لئے وہ اہتمام کے لئے زیادہ موزوں ہیں یہ بھی فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں جب قاری محمد طیب صاحب کو مہتمم بنانے لگے تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ قاری محمد طیبؒ حضرت نانوتوی کے پوتے ہیں جتنی ان کو مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی ہو سکتی ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتی چنانچہ قاری محمد طیب کو مہتمم بنا دیا گیا۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ مولانا منظور الحق آپ کے بھتیجے ہیں اس لئے دارالعلوم کے ساتھ جتنی اُن کو ہمدردی ہو سکتی ہے کسی اور کو نہیں۔ رہی بات میرے رونے کی تو مجھے رونے کی عادت نہیں، جب تک نہجے گی نبھاؤں گا جب دیکھوں گا نبھا نہیں ہو سکتا تو چپکے سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ اگر آپ میں حب جاہ ہوئی یا انتقامی جذبہ ہوتا تو آج دارالعلوم کا اہتمام آپ کی مٹھی میں تھا۔ آپ اہتمام سنبھال کر حب جاہ کے جذبات کو تسکین پہنچا سکتے تھے اور اپنے ستانے والوں سے انتقام بھی لے سکتے تھے لیکن علم و حلم کے غلبہ نے آپ کو ان دونوں آفتوں سے محفوظ رکھا۔

علمی رسوخ و کمال کے اسباب:

آپ کے علمی رسوخ میں کئی چیزوں کا دخل ہے تقویٰ و طہارت، عمیق مطالعہ، نہایت اعلیٰ حافظہ، مطالعہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات اور علمی

تحقیقات کو حلقہ درس اور عمومی مجالس میں بیان کرنا۔ اکثر مدرسین حضرات کے پاس اپنے اساتذہ کی املائی تقریریں ہوتی ہیں وہ اکثر و بیشتر ان کی مدد سے تدریسی فرائض سرانجام دیتے ہیں اور ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں لیکن میں نے حضرت حکیم العصر کو دیکھا ان کے پاس ایسی املائی تقریریں نہ تھیں وہ اصل کتابوں کا مطالعہ کر کے بڑے اعتماد و وثوق کے ساتھ اسباق پڑھاتے آپ گرمیوں، سردیوں میں تہجد کے وقت جاگ جاتے پہلے تہجد ادا کرتے پھر صبح کی نماز تک تقریباً دو گھنٹے لگا تا مطالعہ کرتے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب وہ ۳۵، ۳۰ سال کے جواں سال عالم تھے۔ آپ شروع ہی سے اپنی ذاتی تحقیقات اور اپنی آراء بکھیرنے کی بجائے اکابرین کی کتب کا مطالعہ کر کے اکابرین کی تحقیقات کو پورے حوالے کے ساتھ عام فہم انداز میں بیان کرنے اور عام مثالوں کے ذریعے سمجھانے کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ میں سلامتی فہم اور اکابر کے ساتھ علم و فہم میں توافق اس میں آپ اپنی خاص دعاؤں کا اثر اور دخل ہے ذیل میں ایک دعا اور خواب ملاحظہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب مدینہ طیبہ جاتا تو مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے منبر کے سامنے بیٹھ کر عرض کرتا تھا کہ یا اللہ اس منبر سے جس علم کی اور دین کی اشاعت ہوئی ہے وہ دین صحیح صحیح مجھے عطا فرما میں کثرت سے یہی دعا کیا کرتا تھا نیز فرمایا کہ میرے پاس شامل کا ایک نسخہ بغیر ترجمے کے موجود ہے وہ میں ساتھ رکھتا تھا اور کثرت سے اس کی تلاوت کرتا تھا اس حج کے موقع پر مزدلفہ میں صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری قمیص پاؤں تک لمبی ہے اور میں اپنے دوستوں کو کہہ رہا ہوں کہ مجھے لمبی قمیص پہننے کی عادت ہے جب خواب سے بیدار ہوا تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری دعا کا جواب مجھے مل گیا ہے اور مجھے وہ حدیث یاد آ گئی جس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خواب دیکھا کہ کچھ صحابہ کرام کی قمیص گھٹنوں سے اوپر تک ہے اور کچھ کی گھٹنوں تک اور عمرؓ کی قمیص پاؤں تک لمبی ہے تو حضور ﷺ نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ عمرؓ کو سب سے زیادہ علم نصیب ہوگا تو اس وقت میرا یقین بالکل پختہ ہو گیا کہ میرے اکابر سے جو علم مجھے ملا ہے وہ بالکل صحیح ہے اب میں اس سے نہ ادھر

ہوں گا نہ ادھر۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں (اللہ کا شکر ہے) اپنے بزرگوں سے حاصل کردہ دین کے خلاف کسی عالم یا کسی پیر کی بات کو برداشت نہیں کرتا اور ایسے موقع پر میں چپ نہیں رہ سکتا فوراً بول پڑتا ہوں۔

علمی جواہر پارے:

- 1۔ ایک دن عصر کے بعد مجلس میں کسی طالب نے کہا آج کل گرمی بہت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت والا نے فرمایا حضرت انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی دنیا کو جہنم بنا دیں گے۔ پھر اس کی وضاحت میں فرمایا کہ دیکھو یہ مشینی دور ہے جتنی مشینیں زیادہ چل رہی ہیں اتنی آگ زیادہ جل رہی ہے اسی لئے دن بدن حرارت بھی بڑھتی جا رہی ہے اور جب یہ حرارت انتہاء کو پہنچے گی تو یہی دنیا جہنم بن جائے گی۔
- 2۔ ایک دن فرمانے لگے اب جتنی ٹیکنالوجی ترقی کر چکی ہے اور کفار جس قدر وسائل پر قابض ہو چکے ہیں وسائل کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ ان کا مقابلہ اگر ہو سکتا ہے تو روحانی طاقت کے ذریعے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو وہ بھی روحانی طاقت سے مقابلہ کریں گے وہ پھونک ماریں گے جہاں تک ان کی پھونک کا اثر جائے گا وہاں تک کافر مرجائیں گے اور پھونک کا اثر کہاں تک جائے گا؟ جہاں تک نظر جائے گی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کا مقابلہ مادی طاقت اور مادی وسائل کے ذریعے نہیں کریں گے بلکہ روحانی طاقت سے کریں گے حدیث میں ہے فَلَاحِلٌ لِّلْكَافِرِ يَجِدُ رِيحَ نَفْسِهِ الْآمَاتِ وَ نَفْسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرَفُهُ، جس کافر تک عیسیٰ کے سانس کا اثر پہنچے گا وہ مرجائے گا اور سانس کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے گی۔

- 3۔ وما امرنا الا واحداً قَلَمُحِ الْبَصَرِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اب موجودہ ٹیکنالوجی سائنسی ترقی نے قلم البصر کو سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے اس وقت پوری دنیا کی آمد و رفت کا ذریعہ پٹرول ہے اسی کے ذریعے موٹر سائیکل سے جہاز تک

چلتے ہیں، اگر پٹرول کے کنوؤں کو آگ لگ جائے تو پوری دنیا کی آمدورفت ختم ہو جائے گی موٹر سائیکل تک کھڑا ہو جائے گا باقی رہا گیس یہ تو پٹرول کی پیداوار ہے پٹرول سے ہی بخار اٹھتا ہے یہ گیس کہلاتا ہے جب پٹرول ختم ہوا تو گیس بھی ختم ہو جائے گی۔ اور پوری دنیا کے رابطے کا ذریعہ سٹیل اسٹ سیارہ ہے اس کو تباہ کر دیا جائے تو پوری دنیا کا رابطہ منقطع ہو جائے گا ایک سیکنڈ میں یہ دونوں کام مشکل نہیں ایک سیکنڈ کی بات ہے پوری دنیا میں قیامت برپا ہو جائے گی یہ ہے لمحہ البصر.....

4۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: میں مولوی عبید اللہ کے ساتھ مسجد نبوی میں افطار کے وقت بیٹھا تھا۔ مولوی عبید اللہ کا ایک عربی دوست بھی ساتھ آ گیا۔ مولوی عبید اللہ نے میرا تعارف کروایا کہ پاکستان کے ایک بڑے مدرسے کے شیخ الحدیث ہیں وغیرہ وغیرہ جب عربی نے تعارف میں سنا کہ یہ عالم ہیں تو کہنے لگا ”أنت تقرأ فاتحة الكتاب خلف الامام“ (کیا تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتا ہے) میں نے کہا ”لا“ (نہیں) وہ کہنے لگا ”لا وقد قال رسول الله ﷺ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“ (نہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ہی نہیں؟) میں نے کہا ”وانت تقرأ بها خلف الامام“ (اور آپ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں؟) اُس نے کہا ”نعم“ (جی ہاں) میں نے کہا ”نعم وقد قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقرأه الامام له قراءة“ (جی ہاں! حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے) اُس نے کہا ”نحن نقرأ بين سكتات الامام“ (ہم امام کے سکتوں کے درمیان قرأت کرتے ہیں، یعنی جب امام ایک آیت فاتحہ پڑھ کر سانس لیتا ہے ہم اس میں وہی آیت پڑھ لیتے ہیں) میں نے کہا ”اقال رسول الله ﷺ اقرء و افاتحة الكتاب خلف الامام بين سكتات الامام“ (کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے امام کے سکتوں کے درمیان پڑھا کرو) اُس نے کہا ”لا“ (نہیں) میں نے کہا ”هذا اجتہاد امامکم وهذا اجتہاد امامنا فنحن و انتم سواء“ (یہ

تمہارے امام کا اجتہاد ہے اور وہ ہمارے امام کا اجتہاد ہے پس ہم اور تم اس میں برابر ہیں) 5۔ حدیث شغار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا شغل الکلب کا لغوی معنی ہے کتے کا پیشاب کرنے کیلئے ٹانگ اٹھانا۔ اور شغار باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ میں مشارکت کا معنی پایا جاتا ہے اور اس کا معنی ہے ایک دوسرے کی ٹانگ اٹھانا اور اس نکاح شغار کی حقیقت یہ تھی کہ ایک آدمی دوسرے کو اپنی بیٹی دیتا ہے اس شرط پر کہ وہ بھی اس کو اپنی بیٹی دے (یعنی ہر ایک نے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کو مشروط کیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے چونکہ اس نکاح میں ”حق مہر“ فرج کے مقابلے میں فرج ہوتی ہے جو کہ مال مقوم نہیں اس لیے یہ ممنوع تھا اور اس کی قباحت و مذمت ظاہر کرنے کیلئے اس نکاح کو لفظ شغار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ لفظ شغار سے اس کی مذمت معلوم ہوتی ہے ذرا اس کے لغوی معنی پر غور کرو! مگر آج کا جو وہ سٹہ ہے وہ شرعاً درست ہے اس لیے کہ اس میں ہر بچی کا مہر علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں اور مفسد بہت سے ہیں جن کا شاہدہ ہے مثلاً ایک خاندان کے اجڑنے پر دوسرے کا اجڑنا ایک طرف کی غلطی کا انتقام دوسری طرف سے لیا جاتا ہے بہر حال ایسا نکاح درست ہے۔

6۔ آج سے چند سال قبل رائیونڈ کے اجتماع کے بعد متصل ہی جامعہ اشرفیہ لاہور میں مجاہدین کی کسی تنظیم کا اجلاس تھا انہوں نے بڑے علماء کو مدعو کیا ہوا تھا اور حضرت حکیم العصر فرماتے ہیں مجھے بھی مدعو کیا ہوا تھا اس اجلاس میں قاضی عبداللطیف کے بڑے بھائی قاضی عبدالکریم صاحب تقریر کر رہے تھے انہوں نے دوران تقریر افغانستان کے مجددی خاندان کے ایک بزرگ جن کا نام نور المشائخ تھا جو صغۃ اللہ مجددی کے دادا تھے ان کے متعلق فرمایا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو چکی ہوتی تو اس شخص میں نبیوں والی صفات تھیں یہ نبی ہوتا۔ حضرت والا فرماتے ہیں میں یہ لفظ سنتے ہی فوراً طیش میں آگیا اور اٹھ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اپنے الفاظ واپس لو یہ کیا کہہ رہے ہو۔

حضور ﷺ کے بعد یہ مرتبہ صرف فاروق اعظم کیلئے ہے اور کسی کیلئے نہیں ہم تو ابو بکر کیلئے بھی یہ بات سننے کیلئے تیار نہیں قاضی عبدالکریم نے کہا حضرت بنوریؒ فرماتے تھے حضرت والا نے فرمایا حضرت بنوریؒ کو کیا پتہ کہ نبوت کی استعداد کس میں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں اس مجلس میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی موجود تھے اور انڈیا سے مدرسہ مظاہر العلوم کے مفتی صاحب بھی موجود تھے ان حضرات نے مجھے بعد میں بڑی دعائیں دیں کہ تو نے بڑے موقع پر گرفت کی ہے یہی ہماری تقریری غلطیاں اور زبان و قلم کی بے احتیاطیاں آنے والے وقت میں ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہیں۔

7۔ حضرت حکیم العصر جب انڈیا کے سفر (جو ۱۴۲۷ھ میں ہوا) سے واپس تشریف لائے تو فرمانے لگے جب ہم بزرگوں (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ) کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر واپس آ کر بیٹھے تو سارے وفد کے علماء متفکر تھے کہ یہ ہم نے کونسی غلطی کر لی وہاں تو شرک ہو رہا تھا قبروں کی پوجا ہو رہی تھی ہم وہاں کیوں گئے تو مجھے وہاں ان کو ایک گھنٹہ سمجھانا پڑا جس کا خلاصہ یہ ہے میں نے کہا کہ کیا حضور ﷺ کعبہ کا طواف اور مسجد حرام میں کعبہ کے پاس عبادت نہیں کرتے تھے؟ حالانکہ وہاں تین سو ساٹھ بت تھے وہاں صبح شام شرک ہوتا تھا۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے اپنی عبادت نہیں چھوڑی مگر بتوں کو چھیڑا تک نہیں۔ پھر عمرہ القضاء کرنے گئے تو بت موجود تھے انہیں کچھ نہیں کہا صرف عمرہ کر کے واپس آ گئے۔ لیکن جب فتح مکہ کا موقع تھا تو اس وقت تک بیت اللہ میں داخل ہونا گوارا نہ کیا جب تک تمام بتوں کو ختم نہ کر دیا پہلے بتوں سے بیت اللہ و مسجد حرام کو پاک کیا پھر وہاں عبادت کی۔ طواف کیا۔ کیوں؟ وجہ فرق یہ ہے پہلے حضور ﷺ کو قدرت و طاقت حاصل نہ تھی کہ بتوں کو گراتے اس وقت اپنا کام کرتے رہے مگر ان کو چھیڑا تک نہیں۔ جب فتح مکہ والے سال فاتحانہ انداز میں گئے تو سب سے پہلے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اسی طرح ہمیں ابھی قدرت نہیں ہم مزاروں پر جائیں گے شرک کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑیں

گے اپنا کام کر کے واپس آجائیں گے ان کو نہیں چھیڑیں گے ہاں جب قدرت ہوگی تو سب سے پہلے ان مزاروں کو شرک سے پاک کریں گے پھر فاتحہ پڑھیں گے۔

ظرافت و ذہانت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت الشیخ وامت برکاتہم العالیہ کو جیسے نہایت مضبوط حافظہ عطاء کیا ہے اور عقلی دلائل پیش کرنے کی قوت و استعداد عطاء کی ہے ایسے ہی ظرافت و ذہانت بھی بلا کی عطاء کی ہے اس لیے آپ موقع محل کے لحاظ سے عقلی دلائل اور ظریفانہ جوابات دینے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ جب بھٹو صاحب نے قوم کو سوشلزم کی نوید سنائی تو اس وقت حضرت الشیخ دارالعلوم کبیر والا میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے کبیر والا میں ایک ہومیو پیتھی ڈاکٹر محمد صدیق صاحب تھے جو حضرت الشیخ کے مداحین میں سے تھے اور سیاسی طور پر پی پی پی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سوشلزم کے گن گاتے ایک دن ملاقات میں حضرت نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے بے نزدیک گدھے اور انسان میں کیا فرق ہے؟ گدھا بھی سارا دن کام کرتا ہے اور شام کو پیٹ بھرنے کیلئے اس کو چار اٹل جاتا ہے اسی طرح تمہارے نظریے کے مطابق انسان بھی محنت کرتا ہے اور محنت کے عوض اس کو بھی اپنی ضرورتیں مل جاتی ہیں۔ ضرورت سے زائد نہ گدھا کسی چیز کا مالک نہ انسان۔ محنت کر کے دونوں پیٹ پال رہے ہیں وہ بہت پریشان ہوا حضرت نے فرمایا اس بات پر ذرا غور کرنا۔

۲۔ ملتان میں حضرت کے رشتہ داروں میں ایک صاحب باطنی فرقہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے جو سارے دین پر اپنے باطن سے عمل کرتے ہیں۔ ظاہری نماز روزہ کے قائل ہی نہیں۔ ایک دن ان کے ہاں حضرت نے کھانا کھایا۔ کھانے میں سوئی کا حلوہ بھی پکا ہوا تھا اس نے حلوہ کھایا اور حضرت کو دکھا دکھا کر پلیٹ صاف کی اور

حضرت نے حلوہ کھایا مگر خلاف معمول پلیٹ صاف نہ کی۔ اس نے فوراً اعتراض کیا مولوی صاحب ویسے تو آپ شریعت کے پابند بنتے ہیں پلیٹ صاف ہی نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا میں نے اپنے باطن سے پلیٹ صاف کر دی ہے اس نے دوبارہ کہا مولوی صاحب پلیٹ صاف کرنی چاہیے حضرت نے فرمایا میں نے اپنے باطن سے پلیٹ صاف کر دی ہے اگر تمہارا باطن نماز پڑھ سکتا ہے نماز کی ساری حرکات کر سکتا ہے تو میرا باطن اتنا کمزور ہے کہ پلیٹ بھی صاف نہیں کر سکتا۔

۳۔ جب ایوب خاں اور مادر ملت قاطمہ جناح کا صدقاتی الیکشن ہوا تو ایوب خاں کا نشان پھول تھا اور مادر ملت کا لالٹین۔ کسی نے حضرت الشیخ سے پوچھا مولانا کس کو ووٹ دینے کا ارادہ ہے حضرت نے فرمایا بھائی کیا کریں ایوب خاں کا پھول ٹہنی سے کٹا ہوا ہے وہ جلد مرجھا جائے گا اور مادر ملت کے لالٹین میں تیل نہیں وہ بن تیل جلے گا نہیں۔

۴۔ ایک مولوی صاحب کو رانیونڈ کے اجتماع پر جانے کی دعوت دی گئی چونکہ اس وقت بیت الخلاؤں کا اتنا وسیع نظم نہ تھا اکثر لوگ نشیمنی جگہ یا کھیت وغیرہ کی آڑ تلاش کرتے۔ اس لئے نازک طبع مولوی صاحب نے بڑا کرخت جواب دیا پنجابی میں عضو مخصوص کا نام لے کر کہا وہاں جا کر یہ دیکھنے ہیں؟ حضرت الشیخ کے سامنے اس مولوی صاحب کا یہ جواب نقل کیا گیا تو برجستہ فرمایا لکل امری مانوی (ہر آدمی کیلئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی)

۵۔ کمالیہ میں ایک دکاندار تھا جس کو سوال و جواب سے بڑی دلچسپی تھی ایک دن حضرت الشیخ گئے تو وہ بڑا پریشان بیٹھا تھا حضرت والا نے جا کر پوچھا خیر تو ہے؟ پریشان نظر آرہے ہو؟ اس نے کہا آج ایک غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے جس کا جواب بڑا مشکل ہے حضرت والا نے پوچھا کیا اعتراض ہے اس نے کہا کہ ایک غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے کہ جتنے مزاروں پر شرک ہو رہا ہے وہ بزرگ سارے خفی تھے اہلحدیث کی قبر پر کبھی شرک نہیں دیکھا گیا معلوم ہوتا ہے کہ خفی حق پر نہیں ہیں اہلحدیث حق پر ہیں تو حضرت والا نے کہا یہ خفیوں کے حق ہونے کی دلیل ہے اس نے پوچھا وہ

کیسے؟ حضرت والا نے کہا حضور نے مرض الوفا میں فرمایا تھا میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا۔ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی قبروں پر بھی شرک ہوتا رہا ہے تو کیا وہ بھی حق پر نہیں تھے۔ یقیناً وہ حق پر تھے اس کے باوجود ان کی قبروں پر شرک ہوتا رہا تو انبیاء کے وارث خفی ہوئے نہ کہ غیر مقلد لہذا خفی حق پر ہیں۔

تصوف و سلوک:

حضرت والا کا طالب علمی میں نیکی و تقویٰ کی وجہ سے صوفیوں میں شمار ہوتا تھا ایک مرتبہ حضرت نے خود یہ واقعہ سنایا کہ دورہ حدیث والے سال حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے سبق میں محبت الہیہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صوفیاء کرام کے سینہ میں (محبت الہیہ) کی اتنی حرارت ہوتی ہے کہ اس پر گھی کا ٹین گرم ہو سکتا ہے استاذ محترم نے فرمایا کہ ضیاء القاسمی اور میں اکٹھے بیٹھتے تھے ضیاء القاسمی نے استاذ محترم کے سینہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا میں تو اپنا اسٹوپ بیچتا ہوں اور چائے اس کے سینہ پر پکایا کروں گا۔ اس کے باوجود حضرت والا نے اپنا روحانی تعلق حضرت اقدس حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری کے ساتھ قائم کیا حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز سرگودھوی جانشین حضرت رائے پوری کے ساتھ روحانی نسبت قائم ہوئی جو حضرت کی زندگی کے اخیر تک قائم رہی۔ آپ کو اپنے شیخ سرگودھوی کے ساتھ کتنی محبت و مناسبت تھی اور حضرت شیخ کو بھی کس قدر آپ پر توجہ شفقت اور اعتماد تھا اس کا کچھ اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن لوگوں نے حضرت الاستاذ کو حضرت الشیخ کی مجالس میں دیکھا ہے حضرت الاستاذ حضرت الشیخ کے ہاں اکثر تو خود تشریف لے جاتے اور اگر کبھی جانے میں دیر ہو جاتی تو حضرت پیغام بھیج کر بلا لیتے اور مجلس میں اکثر حضرت الشیخؒ حضرت الاستاذ کو بلا کر اپنے قریب بٹھاتے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ کبھی اپنے ہاتھ سے لقمہ کھلاتے۔ باہمی

اعتماد کا یہ عالم تھا کہ خانقاہی امور کے علاوہ بعض دفعہ اپنے ذاتی امور میں حضرت الاستاذ سے مشورہ لیتے۔ حضرت الشیخ کو حضرت الاستاذ کے علم و تقویٰ پر بہت زیادہ اعتماد تھا شیخ و مرید کی باہمی مناسبت الفت و محبت پورے حلقہ میں مشہور تھی اور بعض نے تو جانشینی کیلئے قیاس آرائیاں شروع کر دیں۔ حضرت بھی چاہتے تھے کہ حضرت الاستاذ علمی مشاغل کم کر کے سلوک کی لائن کو اختیار کر لیں لیکن حضرت الاستاذ پر علمی نسبت اتنی غالب تھی کہ وہ اپنے آپ کو تصوف و سلوک کے مشاغل کیلئے فارغ نہ کر سکے۔ اگرچہ حضرت الاستاذ کا بیعت کا تعلق تو حضرت سرگودھوی سے تھا لیکن ادب و محبت کا تعلق سب مشائخ کے ساتھ رہا ہے اس لیے وقت کے سب اکابرین کی دعائیں اور توجہات آپ کے ساتھ رہی ہیں اور اب تک یہ صورت حال قائم ہے اس لئے اگر آپ کو محبوب العارفین کہا جائے تو بجا ہے حضرت الشیخ سرگودھوی کی وفات کے بعد آپ کا روحانی تعلق سید السادات حضرت مولانا السید نفیس الحسینی خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے ساتھ قائم ہوا جو تاحال قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت شاہ صاحب زید مجدہ کو بھی آپ کے علم و تقویٰ علمی و روحانی نسبت کی پختگی پر پورا پورا اعتماد ہے اسی روحانی نسبت کی پختگی کا ثمرہ ہے کہ ۱۴۰۳ھ میں حضرت مولانا جمیل احمد میواتی خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری کی طرف سے مسجد نبوی میں اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کی طرف سے مسجد حرام میں خلافت کی نعمت نصیب ہوئی۔

خلافت کیا ہے؟ بزرگوں کی طرف سے روحانی نسبت کے کامل و پختہ ہونے پر شہادت ہے اور اس پر اعتماد کا اظہار دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تصوف و سلوک کے راستہ میں فیضیاب ہونے کے بعد اب اس میں فیض رسانی کی قوت پیدا ہو چکی ہے اب یہ کامل بھی ہے اور مکمل بھی۔ حضرت الاستاذ کی کتنی اعلیٰ قسمت، کتنی خوش نصیبی اور اعلیٰ روحانیت اور کمال نسبت کی کتنی واضح دلیل ہے کہ علوم ظاہرہ و باطنہ کے اولین مراکز، تجلیات و انوارات الہیہ کے مراجع یعنی مسجد نبوی اور مسجد حرام میں یہ نعمت نصیب ہو رہی ہے۔

میں حضرت الاستاذ کے کمال علم و تقویٰ اور کمال روحانیت کا تو پہلے سے ہی معترف تھا لیکن حضرت الاستاذ کے بارے میں شیطان نے میرے دل میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے باوجود کوشش کے وہ دور نہ ہو سکے اپنے دل کو بہت سمجھایا۔ شکوک و شبہات کو تو جیہات و تاویلات کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش بھی کی مگر ناکام آپ کے کمالات و احسانات پر دل و دماغ کو لگا تا مگر بے سود۔ کبھی دل میں خیال آتا کہ میں اپنی اس بے یقینی بلکہ پریشانی اور بے چینی کا حضرت الاستاذ کے سامنے کھل کر اظہار کروں لیکن اس سوچ کے راستے میں بھی دوسرے وساوس اور شبہات حائل ہو جاتے اور چونکہ میرے علمی، روحانی دونوں تعلق حضرت سے وابستہ ہیں یہ سوچ کر میں اور بھی پریشان ہوتا۔ رور و کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتا رہا۔ آخر ایک دن دل میں یہ بات آئی کہ میں کچھ دن حضرت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا التزام کروں الحمد للہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ بس دو چار نمازیں حضرت کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھیں تو از خود سارے وساوس اور شبہات دور ہو گئے اور نماز میں ایک خاص لذت محسوس ہونے لگی اور دل بھی الحمد للہ ذکر و فکر کی طرف مائل ہو گیا۔

روحانی ترقی کے اسباب:

میں سوچتا ہوں کہ جب ہم حضرت بھگودھوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت الاستاذ باقی ذاکرین کی طرح ذکر و شغل کی کوئی خاص محنت نہ کرتے۔ نہ ہی میں نے دارالعلوم اور باب العلوم میں حضرت الاستاذ کو صوفیاء کرام کے مروجہ ذکر و شغل کے طریقہ کے مطابق محنت کرتے دیکھا اور ذکر و شغل ہی روحانیت کے اوج کمال تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ پھر آپ کو شہادت الحرمین کی مصدقہ روحانی نسبت کیسے حاصل ہوئی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ

داد اور محنت شرط نیست

بلکہ محنت را دادا شرط است

تاہم اسباب کے درجہ میں چوالیس سال کے عرصہ میں جو کچھ میں نے دیکھا اس کا مختصر تذکرہ یہ ہے

- ۱۔ تہجد و نوافل کی پابندی
- ۲۔ سفر و حضر میں ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ پر دوام اور بے توجہی کے ساتھ صرف زبان سے تلفظ کرنا نہیں بلکہ ادعیہ ماثورہ کے ایک ایک لفظ کو صحیح طور پر محبت کے ساتھ زبان سے ادا کرنا اور اس کے معنی پر تدبر کرنا ایک دن میں مسجد میں مغرب کی نماز کیلئے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا آپ بھی مسجد میں تشریف لا رہے ہیں اور کچھ پڑھتے ہوئے آرہے ہیں میں مسجد کے دروازہ میں کھڑا ہو گیا جب آپ دروازہ میں پہنچے تو اندازہ ہوا کہ آپ سید الاستغفار پڑھ رہے ہیں۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا مولوی منیر! اور تو مجھ سے کچھ ہوتا نہیں بس صبح و شام اللہ کے سامنے تجدید عہد کر لیتا ہوں پھر آپ نے سید الاستغفار اس انداز سے پڑھا کہ ایک ایک جملہ کو جما جما کر پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ صرف الفاظ ہی زبان سے ادا نہیں کرتے بلکہ ان کے معانی کو بھی دل میں اتارتے اور راسخ کرتے ہیں آپ نے سید الاستغفار کے الفاظ اتنے ٹھہراؤ، جماؤ اور توجہ کے ساتھ پڑھے کہ میرے اوپر بھی رقت طاری ہو گئی اور قلبی کیفیت بھی کچھ سے کچھ بن گئی اگر آدمی ان ادعیہ ماثورہ کو پورے غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھے اور ان پر دوام اختیار کرے تو روحانی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

- ۳۔ خاص خاص قرآنی آیات، سورتوں کا ورد اور ان پر دوام
- ۴۔ الحزب الاعظم اور دلائل الخیرات پر دوام
- ۵۔ مجھے یاد پڑتا ہے دارالعلوم کبیر والا کے دور کی بات ہے حضرت استاذ محترم نے فرمایا کہ ہمارے حضرت سرگودھویؒ نے کچھ وظائف بتائے تھے جن کو میں پابندی کے ساتھ عید قربانی تک پڑھتا رہا ہوں اگر صحت مند آدمی ہو تو صحت کے مزید استحکام کیلئے چند خوراکیں بھی کفایت کر جاتی ہیں غالباً یہاں یہی صورت ہے۔

- ۶۔ اکابرین دیوبند کا کثرت کے ساتھ مطالعہ اور کثرت کے ساتھ ان کے

احوال کا تذکرہ اور ان کے ساتھ بے حد عقیدت و محبت کا اظہار کرتے خاص طور پر حضرت نانوتویؒ سے۔ اور فرماتے ہیں کہ اصل میں دیوبندی نسبت گنگوہی نسبت کا دوسرا نام ہے کیونکہ حضرت نانوتویؒ کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہے اور حضرت گنگوہی کی ۱۳۲۳ھ میں ہے حضرت نانوتوی کے بعد چھبیس سال حیات رہے اور مسلک دیوبند کا مدار بن گئے۔ حضرت تھانوی، حضرت شیخ الہند حضرت مولانا حسین مدنی، حضرت سید انور شاہ وغیرہ تقریباً سب بڑے بڑے حضرات، حضرت گنگوہیؒ سے متعلق ہو گئے۔

مسئلہ وحدت الوجود:

دارالعلوم کبیر والہ کے زمانہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب بھی آپ سے کسی نے کوئی علمی سوال کیا ہے تو آپ اس کو سچے تلے لفظوں میں اس طرح باحوالہ مدلل جواب دیتے ہیں کہ جیسے اس پر تازہ مطالعہ کر کے آئے ہیں۔ پھر اس مسئلہ کی مناسبت سے اکابر کے واقعات اس بات کو اور بھی آسان کر دیتے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ کا اتنا استخراج ہے کہ جب میرے پاس وقت کم ہوتا ہے اور کسی حدیث کی تلاش ضروری ہوتی ہے تو میں حضرت سے رابطہ کرتا ہوں آپ انہی قدموں پر فرماتے ہیں کہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں دیکھ لو۔ آپ حافظ نہیں لیکن قرآنی آیات اور مفردات قرآن کا حافظوں سے زیادہ استخراج ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے حضرت کے کثرت مطالعہ اور بے مثال حافظہ کا۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ میرے پاس اتحاد اہلسنت کے کئی علماء کے فون آئے کہ آج کل غیر مقلدین نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو اٹھایا ہوا ہے لہذا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔ میں نے اپنے علمی مرکز یعنی حکیم العصر کے ساتھ رابطہ کیا تو حضرت نے اسی وقت وحدت الوجود کے مسئلہ پر بوستان کے باب عشق سے تین مثالیں سنا کر پیچیدہ مسئلہ کو چند منٹوں میں حل کر دیا وہ تین مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ
بتابد بشب کر کے چوں چراغ

۲۔ یکے گفتش اے کرک شب فروز
چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز

۳۔ بین کانشیں کرک خاک زاد
جواب از سراوشائی چہ داد

۴۔ کہ من روز و شب جز بھرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

ترجمہ:

۱۔ شاید تو نے نہیں دیکھا کہ باغ اور سبزہ زار میں
رات کو ایک چھوٹا سا کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے (جگنو)
۲۔ ایک آدمی نے اس سے کہا اے رات کو چمکنے والے کیڑے
تجھے کیا ہے کہ دن کو باہر نہیں آتا
۳۔ تو دیکھ مٹی سے بنے ہوئے اس چمکیلے کیڑے نے
روشن خیالی سے کیا ہی خوب جواب دیا
۴۔ کہ میں تو رات دن جنگل کے سوا نہیں ہوتا
لیکن سورج کے سامنے نظر نہیں آتا



۱۔ پسر گفت آخر بزرگ دی
بسر داری از سر بزرگاں مہی

۲۔ چہ بودت کہ بہریدی از جان امید
بلرزیدی از بادشاہ چوں بید

۳۔ بلے گفت سالار و فرماندہم
ولے عزتم ہست تادر دہم

۴۔ بزرگان ازل دشت آمودہ اند

کہ دربار گاہ ملک بودہ اند

۵۔ تو اے بے خبر بچیاں دردی

کہ برخوشتن منہ می وی

ترجمہ:

۱۔ لڑکے نے کہا آخر آپ بھی گاؤں کے سردار ہیں

سرداری میں دوسرے سرداروں سے بڑھ کر ہیں

۲۔ تجھے کیا ہوا کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے

اور ایک بادشاہ سے بید کی طرح لرز رہا ہے

۳۔ اس نے کہا ہاں میں سردار اور حکمران تو ہوں

لیکن میری عزت اس وقت تک ہے جب تک دیہات میں ہوں

۴۔ بڑے لوگ اسی وجہ سے خوف زدہ رہتے ہیں

کہ شاہی دربار میں رسائی حاصل کر چکے ہوتے ہیں

۵۔ اے بے خبر چونکہ تو ابھی گاؤں میں ہی ہے

اس لئے اپنا ایک مرتبہ سمجھتا ہے



کسی نے مجنوں سے کہا آپ آج کل لیلیٰ کے کوچہ میں نہیں آتے کیا وجہ ہے؟ شاید

تیرے دل سے لیلیٰ کی محبت نکل چکی ہے اور لیلیٰ کے عشق کی آگ بجھ چکی ہے مجنوں یہ

سن کر زار و قطار رویا اور کہا ”تو نیز منک بر جراحت مرین“ (تو بھی میرے زخم پر نمک

نہ چھڑک) یہ وقتی صبر کی دلیل نہیں کیونکہ بہت سی دوریاں ضروری ہوتی ہیں، اس

نے کہا لیلیٰ کے نام کوئی پیغام ہو تو کہہ دے۔ مجنوں کا جواب یہ تھا

بگفتا مبرنام من پیش دوست

کہ حیفست ذکر من آنجا کہ اوست

اس نے کہا میرا نام دوست کے سامنے نہ لینا

کیونکہ جہاں وہ ہے وہاں میرا ذکر بھی بے ادبی ہے

حضرت نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے جگنو سورج کے سامنے کا عدم ہے۔ بادشاہ کے سامنے نمبردار کی نمبرداری ختم ہے۔ بقول مجنوں جس مقام پر لیلیٰ ہے وہاں میرا ذکر بے ادبی ہے اسی طرح اہل اللہ اللہ تعالیٰ کے بحر محبت میں اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں اور ان پر عظمت و محبت الہیہ اتنی غالب آ جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے ہیں بلکہ ساری کائنات ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے صرف اکیلی ذات الہ اور اس کی عظمت و محبت ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے پس یہ ہے وحدت الوجود۔

اسی کو شیخ سعدی نے یوں کہا:

۱۔ بصدقش چناں سر نہی بر قدم

کہ بنی جہاں باوجودش عدم

۲۔ عجب داری از سالکان طریق

کہ باشند در بحر معنی غریق

۳۔ بسودائے جاناں ز جاں مشغول

بذکر حبیب از جہاں مشغول

۱۔ تو نے اس کے قدموں میں اتنے خلوص سے سر رکھا ہے

کہ اس کے وجود کے سامنے تجھے جہاں معدوم نظر آتا ہے

۲۔ سالکان طریقت پر تجھے کیوں تعجب ہے

وہ تو حقیقت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں

۳۔ معشوق کے خیال میں جہاں سے فارغ ہیں

محبوب کی یاد میں سارے جہاں سے غافل ہیں

شیخ نے وحدت الوجود کے مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے ایک فقیر زادے اور شاہزادے کے عشق کا قصہ بھی لکھا ہے خلاصہ یہ ہے کہ فقیر زادے نے شاہزادے کے راہ گزر پر ڈیرہ ڈال دیا۔ آتے جاتے شاہزادے کا چہرہ دیکھتا رہتا ایک دن اس فقیر زادہ نوجوان نے شاہزادہ کی رکاب چومی تو اس نے ناراض ہو کر اس سے باگ موڑ لی، فقیر زادہ نے ہنس کر کہا باگ نہ پھیر کیونکہ بادشاہ کسی سے باگ نہیں پھیرا کرتے پھر رکاب پر ہاتھ رکھنے اور چومنے کا عذر کرتے ہوئے کہا

۱۔ مرا باوجود تو ہستی نماںد

بیاد تو ام خود پرستی نماںد

۲۔ گرم جرم بنی مکن عیب من

توئی سر بر آوردہ از جیب من

۳۔ بدایاں زہرہ و ستم زوم

در رکاب

کہ خود را نیاوردم اندر حساب

۴۔ نہادم قدم بر سر کام خویش

کشیدم قلم در سر نام خویش

۵۔ مرا خود ز سر نیست چنداں خبر

کہ تا جست بر تار کم یا تبر

ترجمہ:

۱۔ تیرے وجود کے سامنے میری ہستی نہیں رہی

تیری یاد میں ہوں اپنی خبر نہیں رہی

۲۔ اگر تو میرا جرم دیکھے تو میرے اوپر طعن نہ کر

کیونکہ (میرے دل و دماغ پر آپ اس طرح چھائے ہوئے ہیں)

۳۔ کہ میرے گریبان سے تو نے ہی سر نکالا ہے

ان حوصلہ پر میں نے رکاب پر ہاتھ مارا ہے
 کہ اپنے آپ کو گنتی میں نہیں لایا
 ۴۔ میں نے اپنے مقصود کو پامال کر دیا ہے
 میں نے اپنے سر نامے پر قلم پھیر دیا ہے
 ۵۔ مجھے تو اپنے سر کی اتنی بھی خبر نہیں
 کہ میری مانگ پر تاج ہے یا کلہاڑا

انہی سوچا تک نہیں تھا کہ گلستان بوستان سے بھی تصوف کا اتنا پیچیدہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے
 حضرت والا کے فیضان علم کی برکت ہے کہ بوستان کے باب عشق سے تصوف کا کتنا پیچیدہ
 مسئلہ کتنی آسانی کے ساتھ حل ہو گیا اللہ تعالیٰ حضرت والا کو تادیر سلامت رکھے۔ آمین بجاہ
 رب العالمین۔

ذات تصوف:

ایک دن نواب صدیق حسن خاں کی کتاب بدورالاہلہ لے کر عصر کے بعد
 مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت آج کل غیر مقلدین تصوف اور صوفیاء کے
 بارے میں بہت بدزبانی کرتے ہیں اہل اللہ کی کرامتیں سنا کر کفر و شرک کے فتوے
 لگاتے ہیں آئے دن اس قسم کے مضامین ان کے رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں متعدد
 رسالے بھی مارکیٹ میں آچکے ہیں ایسے واقعات کی وجہ سے علماء دیوبند کی بھی تکفیر
 کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین کی اپنی کتابوں میں تصوف کو علم شریعت کا حصہ بتایا گیا
 ہے۔ کتاب میں نواب صدیق حسن خان نے بھی تصوف اور صوفیاء کی بڑی تعریف
 کی ہے تصوف کو علم شریعت کا حصہ قرار دیا ہے اور صوفیائے کرام کو اہل السنۃ و
 الجملت میں شمار کیا ہے۔ میں نے کتاب کے شروع سے ایک صفحہ کھولا اور اس کی
 فارغ عبارت پڑھنا شروع کر دی جس میں تصوف پر تحقیق تھی حضرت والا نے ایک
 صفحہ سننے کے بعد فرمایا اتنی مشکل کتابوں کے مطالعے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے اکابر

کی کتابیں دیکھ لیا کرو۔ میں نے کہا حضرت غیر مقلدین سے واسطہ ہے اس لیے ان کی کتابیں بھی دیکھنی پڑتی ہیں اس پر حضرت والا نے تصوف اور اولیاء اللہ کی کرامات کے متعلق جو کچھ مجلس میں ارشاد فرمایا وہ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت نے فرمایا تصوف کا موضوع مشکل ہے ان (غیر مقلدین) کو سمجھانا ایسے ہے جیسے اندھے کو چاند دکھانا۔ میں نے عرض کیا غیر مقلدین کو سمجھانا مقصود نہیں اپنے لوگوں کو سمجھانا اور مطمئن کرنا مقصود ہے فرمایا ان کو سمجھانا بھی مشکل ہے میں نے عرض کیا ایک دفعہ آپ مجھے سمجھا دیں پھر آگے سمجھانا میرا کام ہے

۲۔ فرمایا: مولانا اللہ یار خاں مفتی کفایت اللہ صاحب کے شاگرد تھے شیعوں کے مقابلے میں بہت بڑے مناظر رہے ہیں بعد میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے میں نے ان کی تمام کتابیں دیکھی ہیں زبردست عالم معلوم ہوتے ہیں کتابوں سے انکا علم چھلکتا ہے۔ سماع موتی پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک شجر و حجر اذان کا جواب دیتے ہیں اور حاجی تلبیہ کہتا ہے تو چاروں طرف سے زمین اخیر تک تلبیہ کہتی ہے۔

جب زمین اور دوسری تمام چیزیں بغیر حیات کے اذان اور تلبیہ سن لیتی ہیں تو معلوم ہوا کہ سماع کیلئے حیات شرط ہی نہیں۔ جب سماع کیلئے حیات شرط نہیں تو مردے کیوں نہیں سن سکتے۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ شجرہ موسیٰ سے بقدرت الہیہ کلام الہی ”انسی انا اللہ انی انار بک“ کی آواز آسکتی ہے اور شجرہ موسیٰ کلام الہی کے ظہور کا مظہر بن سکتا ہے تو منصور شجرہ موسیٰ سے بھی گیا گزرا ہے اگر منصور کی زبان بھی کلام الہی انا الحق کا مظہر بن جائے اور اس سے انا الحق کلام الہی کا ظہور ہو تو کیا بعید ہے؟

۳۔ نیز فرمایا حضرت نانوتویؒ سے کسی نے پوچھا آپ عالم ہیں حاجی امداد اللہ مہاجر کی غیر عالم ہیں تو آپ ان سے کیسے بیعت ہو گئے۔ حضرت نانوتویؒ نے جواب دیا الفاظ ہمارے پاس ہیں معافی ان کے پاس ہیں مبصرات ہمارے پاس ہیں بصیرت ان کے پاس ہے۔

۴۔ حضرت حاجی امداد صاحبؒ نے مکہ مکرمہ سے حضرت گنگوہیؒ کے پاس خط لکھا کہ ایک عرصہ ہوا آپ نے احوال نہیں لکھ بھیجے۔ حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں تین چیزیں لکھیں ۱۔ امور شرعیہ اور امور طبیعہ بن چکے ہیں ۲۔ ادلہ شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہیں آتا ۳۔ مادی و ذام یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فلسفہ نماز میں اس کی تشریح کی ہے فرماتے ہیں پہلی چیز میں کمال عمل ہے دوسری میں کمال علم ہے اور تیسری میں کمال اخلاق ہے۔

۵۔ ایک اور امی بزرگ عبدالعزیز دباغ کا ایک واقعہ درس بخاری علامہ شبیر احمد عثمانی کے حوالہ سے سنایا جو بعد میں کتاب میں دکھایا بھی وہ واقعہ درس بخاری سے بلفظ ملاحظہ فرمائیں درس بخاری علامہ شبیر احمد عثمانی کے صفحہ نمبر ۲۱۵ پر لکھا ہے پچھلی صدی میں شیخ عبدالعزیز دباغؒ ایک بزرگ گزرے ہیں وہ قطب وقت اور امی محض تھے۔ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لیکن بڑے بڑے علماء ان سے علم حاصل کرتے تھے ان کے ایک خادم جو خود بھی بہت بڑے عالم تھے اور چالیس سال تک علم کی خدمت میں مشغول رہ چکے تھے انہوں نے شیخ کے ملفوظات میں ایک کتاب الا بریز لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جس قدر میں علم حاصل کر چکا تھا وہ سب یہاں آنے پر ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ شیخ کے علوم کا یہ حال تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی حضور ﷺ سے سن کر چلے آ رہے ہیں ایک دفعہ بعض متوسلین نے خواہش ظاہر کی کہ حضور ﷺ کی چال چل کر ہمیں دکھائیں تو شیخ نے فرمایا کہ کل آنا اگلے دن ان لوگوں کو جنگل میں لے گئے اور فرمایا کل میں نے اس لئے نہیں دکھلایا کہ اس وقت مجھے بھی معلوم نہ تھا تمہارے سوال کے بعد شب میں میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے سے آپ کے چلنے کی ہیئت دریافت کرتے ہیں اس لیے آپ چل کر دکھلا دیجئے تو میں ان کو دکھلا دوں۔ تو حضور ﷺ نے میری درخواست کو شرف پذیرائی بخشے ہوئے دکھلا دیا لہذا اب میں تم کو دکھلاتا ہوں۔ پھر انہوں نے چل کر دکھلا دیا مگر وہ لوگ اس کی تاب نہ لا سکے اور سب کے سب گر گئے اس پر شیخ نے فرمایا کہ وہ تو صحابہ کرام تھے جو برداشت کر لیتے تھے ورنہ

دوسرا کوئی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

شیخ عبدالعزیزؒ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی شخص کچھ پڑھتا تو سن کر بتا دیا کرتے تھے کہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث نبوی ہے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ آیت ہے یا حدیث شیخ نے فرمایا یہ میرے لیے بالکل بدیہی ہے خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ جب کوئی قرآن پڑھتا ہے تو اس کے منہ سے مثل سورج کے روشنی نکلتی ہے اور جب حدیث پڑھتا ہے تو چاند کی طرح روشنی محسوس ہوتی ہے اور جب کسی اور کا کلام ہوتا ہے تو کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ تاریکی رہتی ہے چنانچہ ایک بار لوگوں نے یہ آیت امتحاناً اس طرح پیش کی ”حافظو علی الصلوات و الصلوة الوسطی (وصلوة العصر) وقومو اللہ قانتین“۔ فوراً بولے وصلوة العصر حدیث ہے اس میں حدیث کا نور ہے بقیہ قرآن ہے۔

۶۔ اسی کے ساتھ حضرت لاہوریؒ اور ایک مجذوب کا واقعہ بھی سنایا کہ ایک مجذوب سڑک کے کنارے برہنہ بدن پڑا رہتا۔ عورتیں، مرد اس کے پاس اپنی اپنی حاجت کیلئے جاتے وہ سب کو اپنے زیر ناف بال اکھیڑ کر دے دیتا۔ حضرت لاہوریؒ کی کار وہاں سے گزری تو وہ دوڑ کر کار کے سامنے آگیا حضرت نے اس کو ڈانٹا کہ تو یہ کیا بری حرکت کرتا ہے اس نے جواب دیا حضرت جب لوگ اللہ کے در کو چھوڑ کر میرے پاس آئیں گے تو میں یہی دوں گا۔

۷۔ فرمایا: جو لوگ صوفیاء کرام پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں وہ بے وقوف اور جاہل ہیں ورنہ اصل توحید تو ہوتی ہی صوفیاء کے پاس ہے اس پر تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ”وما یومن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون“ کے تحت اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ”النظر الی الاسباب مع الغفلة عن المسبب ینا فی التوحید فالموحدون ہم الصوفیة“ اسباب پر نظر اور مسبب الاسباب سے غفلت توحید کے منافی ہے پس کامل موحد صوفیاء ہی

ہیں۔ رہے وہ لوگ جو صوفیاء کے بارے میں بے باک ہیں ان کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کاں زند

جب اللہ تعالیٰ کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان یا کبابز لوگوں پر طعنہ بازی کی طرف کر دیتا ہے۔

۸۔ عشاء کے بعد سلسلہ گفتگو میں فرمایا حضرت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بڑے خوبصورت اور صحت مند انسان تھے لیکن اخیر میں فالج کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ تشریف لائے تو فرمایا

اے انقلاب دھرتی اشکریہ
ہم نے دنیا کو ہر پہلو سے دیکھ لیا

بڑے جری اور بہادر انسان تھے عدالت میں جج نے پوچھا شاہ جی! آپ نے قادیانیوں کو کافر کہا ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہا ہے کیا ہوتا ہے، کہا ہے کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کے دلوں سے انگریز کی ہیبت ختم کی ورنہ انگریز کا اتنا رعب اور خوف تھا کہ ایک سپاہی آکر سارے گاؤں کو آگے لگا لیتا۔ نیز فرمایا سنا ہے کہ حضرت مدنی کے ساتھ جو شخص مصافحہ کر لیتا اس کے دل سے انگریز کی ہیبت دور ہو جاتی۔

اخیر میں فرمایا لیکن عجیب بات ہے کہ ان سب کو طبعی موت آئی ہے ان میں سے کوئی بھی قتل نہیں ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ بہادری موت کو لانا نہیں سکتی۔ بزدلی موت سے بچا نہیں سکتی۔

دارالعلوم سے باب العلوم تک:

حضرت استاذ محترم نے دارالعلوم کبیر والہ میں انتھک محنت کر کے جو ایک

ماحول بنایا تھا آپ کی انتہائی کوشش تھی کہ اسی ماحول میں رہتے ہوئے تدریس کا سلسلہ جاری رکھیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے حضرت الاستاذ کو اہتمام کی پیشکش کرتے وقت جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے حضرت موصوف کی وفات کے بعد نئے اہتمام میں اس کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اولاً اپنے مراعات یافتہ طلبہ کے ذریعے حضرت کو تدریس میں ناکام ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی مختلف طلبہ کو بلا کر آپ کا سبق ان سے سن کر کمزوریاں پکڑنے کی کوشش بھی کی گئی مگر یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔ مولانا ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہوری حضرت کے قریبی طلبہ میں سے تھے حضرت کے پاس نور الانوار پڑھتے تھے ایک روز مہتمم صاحب نے محمود صاحب کو بلا کر پوچھا کتاب سمجھ آ رہی ہے کہ نہیں؟ محمود صاحب نے کہا جی خوب سمجھ آ رہی ہے مہتمم صاحب نے محمود صاحب سے کتاب سننا شروع کر دی وہ برجستہ سناتے چلے گئے مہتمم صاحب خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ مہتمم صاحب سمجھ گئے کہ تفسیر حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ اور عربی ادب کے اسباق میں تو ان کو ناکام کرنا مشکل ہے۔ البتہ منطق معقول کے اسباق کا تجربہ کرنا چاہیے اور یہ بات واضح رہے کہ حضرت مہتمم صاحب منطق، معقول کے مشہور و معروف نامور استاذ مانے جاتے تھے ان کا منطق کا محبوب ترین اور مشہور ترین سبق سلم العلوم تھا بلاشبہ جب وہ سلم العلوم کا سبق پڑھاتے تو وہ بھی جھوم جھوم کر بڑے تسلسل کے ساتھ پڑھاتے اور طلبہ بھی بڑی مستی کے عالم میں پڑھتے۔ ایک سال انہوں نے یہ سبق حضرت استاذ محترم کے پاس منتقل کر دیا ان کا خیال تھا کہ اس سبق پر تو ضرور شور مچے گا طلبہ احتجاج کریں گے درخواستیں لکھیں گے لیکن حضرت الاستاذ نے جب یہ سبق شروع کرایا تو طلبہ بڑے مطمئن ہوئے اور سارا سال بڑے آرام سے یہ سبق چلتا رہا کسی نے تبدیلی کا نام تک نہ لیا۔ سب کو معلوم ہے کہ مقابلہ اور ٹکراؤ کے ماحول میں صلاحیتیں مزید ابھرتی ہیں اور خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں چنانچہ حضرت استاذ محترم کے مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ بیان میں اور بھی

نکھار آگیا اور منطق معقول کی کتب پڑھانے کی صلاحیت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ تجربات میں مزید اضافہ ہوا سب سے بڑی بات یہ کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود آپ کی ہمت، قوت برداشت اور حلم کا یہ عالم کہ نہ کبھی گلہ شکوہ کیا، نہ کبھی جوابی کارروائی کیلئے سوچا بلکہ ہر ممکن تعاون کرتے رہے جب یہ ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو آخری حربہ کے طور پر اپنی حاکمانہ قوت استعمال کر کے ”بیک جنبش قلم“ دارالعلوم کبیر والا سے حضرت کا تعلق منقطع کرنے کی کوشش کی گئی استعفا لکھا گیا جس پر شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا مہتمم صاحب شوریٰ کے ایک ایک رکن کو مل کر استعفا قبول کرنے کیلئے ذہن سازی کر رہے تھے۔ میں اس وقت دارالعلوم میں موجود تھا دوسری طرف حضرت محترم دنیا سے بے نیاز اپنی درس گاہ میں اکیلے اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف اور مست بیٹھے ہیں۔ میں نے جا کر عرض کیا حضرت! باہر آپ کے خلاف کتنی محنت اور ذہن سازی ہو رہی ہے اور آپ اندر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا۔ حضرت استاذ محترم کا عجیب جواب تھا جس کو سن کر میں آب دیدہ ہو گیا فرمایا: بیٹا! مجھے ظالم بننے سے مظلوم بننا پسند ہے۔ آخر کار شوریٰ نے وہ استعفا منظور نہ کیا اور دارالعلوم میں حضرت استاذ محترم کی تدریس جاری رکھنے پر زور دیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے دوبارہ پھر وہی اقدام کیا۔ اس پر دوبارہ شوریٰ کا اجلاس ہوا اور مہتمم صاحب نے بھی منظور کرنے پر بہت زور دیا۔ آخر شوریٰ نے آپ کی دارالعلوم سے علیحدگی کا فیصلہ کر دیا اس فیصلہ کے ساتھ ہی آپ کا دارالعلوم کبیر والا سے تدریسی تعلق منقطع ہو گیا آپ کے دارالعلوم سے علیحدہ ہو جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت مہتمم صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا چنانچہ انہوں نے اس کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی کہ مولانا عبد المجید صاحب کو اپنا مخالف سمجھتا رہا۔

باب العلوم کی قسمت جاگ اٹھی:

باب العلوم ایک قدیم مدرسہ ہے لیکن حضرت کی تشریف آوری سے قبل اس

خطہ کے زرخیز ہونے کے باوجود اس علمی باغیچہ کے غنچے کھل سکے نہ اس پر بہار آسکی..... نہ پھل، پھول لاسکا نہ ثمر آور ہوسکا۔ بلکہ روز بروز اس پر خزاں چھاتی گئی تا آنکہ باب العلوم کا باب علم مسدود ہو گیا اور اس کا دروازہ مقفل ہو گیا۔ اب کہروڑپکا کے بعض علم دوست احباب فکر مند ہوئے اور باب العلوم کے تنزل و انحطاط اس کی پستی اور زیوں حالی کا سابقہ حالات کی روشنی میں جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ باب العلوم کی آبادی اور ترقی کیلئے ضروری ہے کہ کوئی معروف، ماہر، تجربہ کار صاحب نسبت علمی شخصیت تلاش کی جائے جو باب العلوم کے تعلیمی نظام کو ایک مضبوط اور صحیح نظم کے تحت چلا سکے۔ ۲۔ باب العلوم کے مالی اور دفتری نظام کو مضبوط کرنے اور باب العلوم کے اندرونی ماحول میں بیرونی مداخلت کو روکنے کیلئے کسی ذی وجاہت، موثر مقامی شخصیت کی خدمات حاصل کی جائیں۔ ادھر حضرت الاستاذ بھی اس سوچ میں تھے کہ دارالعلوم کے بعد اب کسی ایسے ادارہ میں تدریسی کام شروع کیا جائے جہاں اپنی علمی صلاحیتوں کو حسب منشا بغیر کسی رکاوٹ کے بروئے کار لاسکیں اور اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اس ادارے کو پروان چڑھا کر علم و ہدایت کا مرکز بناسکیں۔ چنانچہ باب العلوم کی قسمت جاگ اٹھی۔ علاقہ کہروڑپکا کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا کہ کہروڑپکا کے ان مخلص اور فکر مند حضرات نے حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز مجاہد اسلام پیر طریقت حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب کے ساتھ رابطہ کیا، حضرت شاہ صاحب کی وساطت سے حضرت الاستاذ کے ساتھ رابطہ ہوا۔ ادھر استاذ محترم کے ایک پیارے اور لاڈلے شاگرد حضرت مولانا امان اللہ خالیدی صاحب بھی واسطہ بن گئے ان ہر دو حضرات کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ چنانچہ نتیجہ باب العلوم کے تعلیمی نظام کے استحکام و ترقی کیلئے وہ علمی، روحانی، صاحب دل، تجربہ کار شخصیت حضرت الاستاذ کے روپ میں اور باب العلوم کے مالی اور دفتری نظام کی مضبوطی کیلئے اور بیرونی مداخلت کے سد باب کیلئے حضرت رائے پوریؒ کی شفقت و محبت کے مرکز حضرت رائے پوریؒ کی دعاؤں کے ثمر اور حضرت سرگودھویؒ کے منظور نظر شیخ خورشید

احمد کے فرزند الشیخ غلام محمد عباسی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے باب العلوم کو عطا فرمادئے حضرت الاستاذ کی شفقت کہ حضرت والا نے مجھے کمالیہ طلب کیا باب العلوم میں اپنی تقرری کا ذکر کیا اور مجھے فرمایا کہ تیری تقرری بھی میرے ساتھ ہے۔ پڑھائی تو شوال سے شروع ہوگی۔ لیکن شعبان و رمضان بھی ہم نے باب العلوم میں گزارنا ہے چنانچہ حضرت والا کے بھانجے حافظ مقبول احمد اور حضرت کا دیرینہ خادم راقم الحروف حضرت الاستاذ کے ہمراہ ماہ شعبان ۱۳۹۳ھ کو باب العلوم میں حاضر ہوئے اس وقت باب العلوم کا صرف ایک چوکیدار تھا حافظ قائم دین اس کے علاوہ نہ کوئی استاذ نہ طالب علم۔ مدرسہ میں صرف ایک پختہ کمرہ تھا۔ باقی دفتر سمیت آٹھ دس کچے کمرے تھے۔ مدرسہ کے دوران ہونے کی وجہ سے کمروں کی حالت یہ تھی کہ اکثر کمروں کی دیواروں اور چھتوں میں بھڑوں کے چھتے اور نیچے گدھوں کی لید۔ ہمارا شعبان کا مہینہ تقریباً صفائی میں گزرا۔ باقی صفائی تو حافظ مقبول احمد اور راقم الحروف کر لیتے تھے مگر جب بھڑوں کے چھتے اتارنے کا نمبر آیا تو حضرت الاستاذ نے فرمایا مجھے بھڑ نہیں کاٹنے اس لیے یہ میں اتارتا ہوں چنانچہ بھڑوں سے بھڑنے اور چھتے اتارنے کا مرحلہ خود حضرت نے سر کیا۔ رمضان المبارک میں حضرت والا کے حکم پر باب العلوم کی مسجد میں تراویح میں قرآن مجید راقم الحروف نے سنایا۔ استاذ محترم نے شعبان و رمضان کے دوران باقی اساتذہ اور باقی عملہ کی تقرری کا کام مکمل کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح استاذ محترم علمی کتب اور سوانحی کتب کے حوالہ سے کثیر المطالعہ ہیں اس سے کہیں زیادہ زندہ شخصیتوں اور خود اپنے حالات کے مطالعہ و استحضار کے عادی ہیں جس کی وجہ سے آپ میں حیران کن حد تک مردم شناسی کی قوت ہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا میں کسی کے متعلق اپنے ادراک کا اظہار نہ کروں تو الگ بات ہے ورنہ مجھے آدمی کے سمجھنے اور پہچاننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ چنانچہ آپ نے باب العلوم میں اساتذہ اور دفتر کا عملہ متعین کرتے وقت سابقہ تجربات کے علاوہ مردم شناسی سے بھی کام لیا۔ چنانچہ آپ نے باب العلوم کے ہر شعبہ کیلئے ایسے باصلاحیت مخلص

مختی افراد کا انتخاب کیا کہ باب العلوم دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے بڑے اداروں کی صف میں شمار ہونے لگا چنانچہ پہلے سال ہی فارسی سے لے کر موقوف علیہ تک مکمل درجات میں تعلیم شروع ہو گئی اور ہر درجہ میں معقول تعداد تھی اس وقت کی موجودہ عمارت کے ناکافی ہونے کی وجہ سے فوری ضرورت پوری کرنے کیلئے ۳۳ کچے کمرے تعمیر کیے گئے جن میں چار چار فٹ بھرائی خود طلبہ نے کی۔ باب العلوم میں پہلے سال بجلی نہ تھی لالینوں پر گزارا تھا آمد و رفت کی سہولت بھی زیادہ نہ تھی اس کے باوجود پہلے سال ہی باب العلوم کی طرف طلباء کا جوق در جوق متوجہ ہونا اور موقوف علیہ تک درجات کا مکمل ہونا یہ استاذ محترم کی دعائے سحر کا نقد ثمر تھا ۱۳۹۵ھ میں دورہ حدیث شریف کا آغاز بھی ہو گیا جو بغیر نقطاع کے اب تک اپنی پوری عظمت اور شان و شوکت کے ساتھ جاری ہے اس وقت اندرون ملک اور بیرون ملک کھروڑ پکا کا تعارف باب العلوم ہے اور باب العلوم کا تعارف حکیم العصر حضرت الاستاذ مولانا عبد المجید کی ذات گرامی ہے۔ اس وقت پاکستان کے سینکڑوں مدارس ہیں جن میں اللہ تعالیٰ باب العلوم کے فضلاء سے اشاعت علم کا کام لے رہے ہیں نیز اس کے علاوہ دین کے دوسرے شعبہ جات میں بھی اللہ تعالیٰ فضلاء باب العلوم سے کسی نہ کسی رنگ میں دین کا کام لے رہے ہیں یہ بھی استاذ محترم کی ایک خاص دعا کا ثمرہ ہے آپ فرماتے ہیں جب بھی اللہ تعالیٰ مجھے حرمین شریفین کی زیارت کا موقع نصیب فرماتے ہیں تو میں قبولیت دعاء کے ہر مقام پر خصوصاً مقام ملتزم میں یہ دعا کیا کرتا ہوں اے اللہ باب العلوم کی طرف ان قلوب کو متوجہ فرما جن سے تو نے دین کا کام لینا ہے اللہ باب العلوم کی طرف ان طلباء کو متوجہ فرما جن کی تیرے ہاں قبولیت ہے۔

باب العلوم کا تجدیدی کارنامہ:

شرح معانی الآثار جو طحاوی شریف کے نام سے مشہور و متعارف ہے عظیم محدث و فقیہ حضرت امام طحاوی حنفی کی تصنیف شدہ حدیث کی کتاب ہے جو احادیث

احکام کا بہترین مجموعہ ہے اور احناف کیلئے نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ احادیث مبارکہ سے فقہ حنفی کے مسائل کو عقلی اور نقلی طور پر مدلل کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور یہ مسائل کسی حدیث کے بھی خلاف نہیں۔ اس طرز کی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ لیکن حنفی مدارس میں بھی اس کا تھوڑا حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ باقی کتاب ویسے ہی پڑی رہ جاتی ہے اسی کتاب کے بارے میں محدث العصر حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنے دور میں خواہش ظاہر کی تھی کہ یہ کتاب مکمل پڑھائی جائے۔ مگر ان کی یہ تمنا ان کی زندگی میں پوری ہو سکی نہ ان کے بعد۔ تاہم سب اہل مدارس اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ راقم الحروف کے دل میں کئی دفعہ خیال آیا کہ اگر طحاوی شریف مکمل پڑھائی جائے تو اکابرین دیوبند اور دیگر اہل مدارس کی خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے گی ان کے سامنے ایک نمونہ بھی آجائے گا اور فقہ حنفی کے خلاف فتنہ غیر مقلدیت کے حوالہ سے ایک بہت بڑی ضرورت بھی پوری ہوگی۔ نیز طلبہ میں فہم حدیث بھی خوب پیدا ہوگا اور فہم حدیث کے اصول بھی سامنے آئیں گے۔ لیکن کتاب کی لفظی اغلاط اور شروع و حواشی کا فقدان مانع بنتا رہا آخر ایک دن میں نے سوچا کہ جب استاذ محترم سرپر ہیں ان کی سرپرستی حاصل ہے تو پھر کیا خوف۔ چنانچہ میں نے یہ سوچتے ہی اللہ کا نام لے کر طحاوی شریف مکمل پڑھانے کا پختہ عزم کر لیا اور اسی ارادہ سے طحاوی شریف شروع کر دی اور جہاں کہیں کوئی الجھن پیش آتی استاذ محترم سے رابطہ کر کے ان سے رہنمائی لے لیتا آپ اس پر خوشی کا اظہار فرماتے اور بڑی خوشدلی کے ساتھ وقت عنایت فرماتے اس سے اور بھی حوصلہ بڑھ جاتا۔ بس آپ میرے سہارا بنے اور میں آپ کے سہارے اس مشکل ترین راستے پر چلتا رہا آخر اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمادیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور استاذ محترم کی سرپرستی اور دعاؤں کی برکت سے اب پانچویں مرتبہ ختم بخاری کے ساتھ ختم طحاوی ہو رہا ہے اور یہ باب العلوم کا ایک تجدیدی کارنامہ ہے اس کے بعد اب بعض دوسرے مدارس میں بھی طحاوی شریف مکمل

پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

حکیم العصر بحیثیت خطیب:

ایک کامیاب خطیب کیلئے بنیادی طور پر جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں ۱۔ وسعت مطالعہ ۲۔ ازاول تا آخر ایک موضوع پر سیر حاصل گفتگو ۳۔ تقریر میں تنوع یعنی موضوع ایک ہو لیکن اس پر تقریری مواد آیات، احادیث، اقوال، اشعار، واقعات، لطائف پر مشتمل ہو ۴۔ پھر یہ سارا مواد مرتب ہو ۵۔ عام فہم اور سہل انداز ہو ۶۔ زبان صاف ہو، بیان میں تسلسلہ اور روانگی ہو اور اس میں ادب کا رنگ بھی جھلکتا ہو ۷۔ کامیاب خطیب وہ ہے کہ جب وہ خطاب ختم کرے تو سامعین اس کو اپنے ہم خیال نظر آئیں۔ استاذ محترم کے متعلق ہماری ایک بزرگ شخصیت نے کہا تھا کہ غیر شعوری طور پر حق بات دل میں اتار دینا ان کا کمال ہے اور یہ ہی ان کا تعارف ہے دارالعلوم کبیر والا میں کمشنر ملتان کو مدعو کیا گیا جب کمشنر صاحب کی صدارت میں دارالعلوم کی مسجد میں اجتماع منعقد ہوا تو خطاب کیلئے حضرت استاذ محترم کا انتخاب ہوا آپ نے دینی تعلیم کی اہمیت اور عظمت قرآن کے عنون پر بہت ہی عمدہ خطاب کیا جس سے کمشنر صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ وہ بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ الحمد للہ ہم جب حضرت حکیم العصر کو بحیثیت خطیب دیکھتے ہیں تو وہ ان سب اوصاف سے متصف نظر آتے ہیں جو ایک خطیب کیلئے ضروری ہیں۔ ایک موقع پر حضرت نے فرمایا میں تقریر کے حوالہ سے اپنی ایک خوبی اور ایک خامی جانتا ہوں۔ میرے اندر قوت بیان ہے قوت گویائی نہیں یعنی میرے اندر یہ تو قوت ہے کہ صاف ستھرے واضح انداز میں بات سمجھا سکوں لیکن دیر تک بولتے رہنے اور کئی کئی گھنٹے طویل تقریر کرنے کی قوت نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے دارالعلوم کبیر والا کے زمانہ میں حضرت استاذ محترم نور مسجد میں خطیب تھے تو آپ نے نماز کے موضوع پر کئی جمعے پڑھائے ایک جمعہ میں آپ نے ”لا صلوة الا بحضور القلب“ کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ نماز میں حضور قلب پر

احادیث واقعات حضور قلب پیدا کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا نماز میں جو چیز حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب بنے وہ قبیح ہے جیسے صف کے آگے گدھا گزرے وہ حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب نہیں سامنے سے کتا گزرے وہ حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب نہیں کیونکہ ان میں کوئی کشش نہیں اور اگر نمازی کے آگے اس کا محبوب گزرے تو وہ نمازی کے دل کو اپنی طرف متوجہ کر لے گا اور حضور قلب میں فرق ڈالنے کا سبب بن جائے گا۔ کیونکہ اس میں نمازی کیلئے کشش ہے۔ درجہ محبوب کا زیادہ محبت اس سے زیادہ محبوب کے مقابلے میں کتے گدھے کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن نماز کا جو مقام حضور قلب ہے اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نمازی کے آگے کتے گدھے کا گزرنا اتنا قبیح نہیں جتنا کہ محبوب کا نمازی کے آگے گزرنا قبیح ہے کیونکہ کتے گدھے کے گزرنے سے حضور قلب میں فرق نہیں آتا محبوب کے گزرنے سے حضور قلب میں فرق آتا ہے کیا اس میں میں نے محبوب کی توہین کی ہے؟ نہیں کیا میں نے محبوب سے کتے گدھے کی شان بڑھائی ہے اور محبوب کی شان کم کی ہے؟ نہیں بلکہ اس سے محبوب کی شان نمایاں ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہے اس کے اندر کشش ہے وہ دلوں کو کھینچ لیتا ہے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے کتے گدھے میں ایسا کوئی کمال نہیں کیا کبھی کتے گدھے کو دیکھ کر آپ کے دل میں محبت کے جذبات ابھرے ہیں؟ نہیں۔ اور محبوب کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتے ہیں اس لیے حضور قلب میں فرق ڈالنے کے اعتبار سے محبوب کا گزرنا زیادہ قبیح ہے کتے گدھے کے گزرنے سے۔ اسی طرح نماز کی حالت میں اگر دل میں محبوب کا خیال آجائے تو وہ زیادہ قبیح ہے کتے گدھے کے خیال سے۔ کیونکہ دل میں محبوب کے خیال آنے سے حضور قلب میں فرق آتا ہے کتے گدھے کے خیال آنے سے حضور قلب میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح نماز میں ابو جہل یا ابولہب وغیرہ کا دل میں خیال آجائے تو حضور قلب میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ ابو جہل میں ایک مسلمان کیلئے کوئی محبت اور کوئی کشش نہیں اور اگر کسی ولی کا دل میں خیال آجائے تو دل اسی میں گم ہو کر رہ جائے گا اور حضور قلب جو

نماز کا ایک اعلیٰ مقام ہے ختم ہو جائے گا۔

میں حیران تھا اتنا پیچیدہ موضوع لیکن حضرت حکیم العصر نے اس کو اس انداز
اس ترتیب سے ادا کیا کہ سب سامعین اچھی طرح سمجھ گئے باب العلوم کے ناظم اعلیٰ
حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں خطبات حکیم العصر کی
اشاعت کا سلسلہ

شروع ہے خطبات کی پہلی جلد چھپ کر عوام و خواص میں یکساں قبولیت حاصل کر چکی
ہے اور خطبات حکیم العصر جلد دوم حضرت کے متعدد اہم خطبات پر مشتمل ہے جو علمی
ضروریات بھی پوری کرتے ہیں اور خطبات کا کام بھی دیتے ہیں اس میں خطابت بھی
ہے اور علمی مواد بھی ہے دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سلسلہ خطبات کو قبولیت عامہ اور نافعیت
تامہ کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ رحمة للعالمین.

حضرت حکیم العصر کا ادنیٰ شاگرد و خادم

منیر احمد منور

استاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کھروڑ پکا

۱۵-۷-۲۰۰۶ء

اکابر کا تذکرہ

بہ موقع ۸ تقریب ختم بخاری شریف

بہ مقام ۸ جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ رجب: ۱۴۲۵ھ

اکابر کا تذکرہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔
أَمَّا بَعْدُ!

فبإسناد المتصل منا إلى أمير المؤمنين في الحديث
محمد بن اسماعيل البخاري

قال باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيامة
وان اعمال بني آدم وقولهم يوزن

وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال القسط مصدر
المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر
بهقال حدثنا احمد بن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضيل
عن عمارة بن القعقاع عن ابي زرعة عن ابي هريرة
قال قال النبي صلى الله عليه وسلم
(صحیح بخاری ص ۱۱۲۸ ج ۲)

كلمتان حبيبتان الى الرحمن خفيفتان على اللسان
ثقيلتان في الميزان
سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔۔



صحیح بخاری کی فضیلت

اس کتاب کی فضیلت میں ہمارے بزرگوں سے ایک تجربہ نقل ہوتا آ رہا ہے کہ اس کی تلاوت کے بعد اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں اور یہ دعا کی قبولیت کا موقع ہوتا ہے لیکن یہ صرف تجربہ ہے کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ بزرگوں میں معمول چلا آ رہا ہے اور اُن کا مجرب ہے کہ اس موقع پر جو دعا کی جاتی ہے اللہ کی رحمت سے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس کا تعلق صرف صحیح بخاری کے الفاظ کی تلاوت سے ہے۔ جب شروع سے آخر تک آپ نے اس کی تلاوت کر لی تو کتاب ختم ہو گئی اور اب یہ قبولیت دعا کا موقع ہے۔

باقی عبارت کی تلاوت کے بعد اساتذہ جو تقریر کرتے ہیں، ترجمہ کرتے ہیں وہ ایک زائد چیز ہے تلاوت کا تعلق الفاظ کے ساتھ ہے جب یہ الفاظ ہم نے پڑھ لئے اور سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم تک پہنچ گئے تو یوں سمجھئے کہ صحیح بخاری ختم ہو گئی ہے لیکن چونکہ اساتذہ کا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ اس بابرکت موقع پر اپنے دوست احباب و متعلقین کو جمع کر لیا جاتا ہے تاکہ سب برکت حاصل کر لیں۔

اب جمع ہونے والے احباب میں اہل علم اور غیر اہل علم دونوں قسم کے افراد ہوتے ہیں اس لئے اس موقع پر اگر طالب علمانہ بحث کی جائے کہ الفاظ کا معنی کیا ہے ترکیب کیا ہے؟ صیغہ کیا ہے؟ باب سے حدیث کا ربط کیا ہے اور روایات باب سے ترجمۃ الباب کیسے ثابت ہو گیا؟ تو مجمع میں بہت سے افراد ایسے ہیں جن کے پلے کچھ بھی نہیں پڑے گا کیونکہ ان باتوں کو صرف طالب علم ہی سمجھ سکتے ہیں اور عوام محض ثواب کی نیت سے بیٹھے رہتے ہیں باقی انہیں اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

اس کے لئے اپنے اساتذہ کے طریقہ کے مطابق عوام کے فائدے کے لئے کچھ عام فہم گفتگو ہوگی کہ مجمع میں موجود تمام احباب کچھ حاصل کر کے جائیں۔

جہاں تک دینی مسائل کا تعلق ہے وہ ہم سب کے محترم مولانا منظور احمد زید مجدہم (خیر المدارس ملتان) بڑی وضاحت اور تفصیل سے آپ کے سامنے بیان فرما چکے ہیں۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محدثین کا اصول

ہمارے اس سلسلہ تعلیم و تعلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تمام اساتذہ اس کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ انہیں یہ علم براہ راست نہیں پہنچا بلکہ اپنے اساتذہ کے واسطے سے پہنچا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کے واسطے کا ذکر کرنا محدثین کا اصول ہے نیز اساتذہ کی شکرگزاری کا ایک انداز بھی ہے کہ دین کے ذکر کے ساتھ اپنے اساتذہ کرام کا بھی ذکر کیا جائے کہ ہمیں یہ دین ہمارے اُن بزرگوں کے واسطے سے ملا ہے۔ اس لئے ہم پہلے اپنے آباء کا ذکر کرتے ہیں، اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اُن کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے اللہ تک پہنچتے ہیں۔

نسبت اکابر کا انکار جہالت ہے:

بعض کم ظرف ایسے بھی ہیں کہ اپنے اساتذہ کا تذکرہ کرنا عیب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ظاہری طور پر لازماً کسی استاد کے شاگرد ہوتے ہیں اور اُس سے علم حاصل کیا ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی دینی بات کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے براہ راست قرآن کریم سے یہ بات سمجھی ہے۔ اور بلا واسطہ حدیث رسول سے یہ بات سمجھی ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور کی بات کو سنیں، اس پر عمل کریں اور اسے آگے نقل کریں۔۔۔ اُس وقت ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تمہارے اساتذہ کا طریقہ کیا ہے؟ مسلک کیا ہے؟ اُن کے اساتذہ کا طریقہ کیا تھا؟ ہم نے علم جس نسبت سے حاصل کیا ہے عمل بھی اُسی نسبت سے حاصل کرتے ہیں۔ جس عمل کی نسبت اکابر سے ثابت نہیں وہ عمل ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں اور نہ ہی ہم بے نسبت علم کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اس لئے جو شخص یہ کہے کہ قرآن و حدیث کو براہ راست پڑھ کر اُس سے ہدایت حاصل کرو۔۔۔ اور اساتذہ و اکابر کے درمیانی واسطے کو چھوڑ دو ہم اس کے علم و عمل کو قبول نہیں کرتے۔ ہم دین اپنے اکابر اور اساتذہ

سے حاصل کرتے ہیں اور اکابر و اساتذہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہونے والے علم و عمل کو بیکار سمجھتے ہیں، ہمیں اس پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔

اسی لئے ہمارے ہاں اپنے اکابر و اساتذہ کی طرف نسبت بہت ہی قابل فخر بات سمجھی جاتی ہے اور اسی نسبت کا نام سَنَد ہے اور اس نسبت کو ماننے کے بعد ہی پھر ہم کہتے ہیں بالسند المتصل مناس میں اپنے اساتذہ کی شکرگزاری بھی ہے کہ ایسے موقع پر شاگردان کا نام لے۔

مختصر سی بات آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم اور اللہ کی عنایت سے مجھے نسبت حاصل ہے حضرت مولانا عبدالحقؒ سے اور آج سے انتالیس سال پہلے قاسم العلوم میں یہ کتاب اُن سے پڑھی تھی۔ اصل سَنَد اُس اُستاد کی ہوتی ہے جس کے سامنے بیٹھ کر پڑھا جائے اس لئے میں نے اُستادہ کو بلا کر اپنے برابر بٹھالیا کہ اصل محنت تو ان حضرات کی ہے جنہوں نے سارا سال ان بچوں کے اوپر محنت کی اصل سَنَد ان کی ہے لیکن یہ بھی ہمارے اکابر کا ایک طریقہ ہے کہ سارا سال محنت کرو اس کے بعد آخر وقت میں اپنے کسی بزرگ، کسی بڑے کو بلا کر آخری سبق اُس سے پڑھ لو تو یہ بھی ایک قسم کی سَنَد ہوتی ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ پر اعتماد:

مسلک کے بارے میں عرض کردوں کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ اس بارے میں حجت ہیں۔ میں اُن پر حرف بحرف اعتماد کرتا ہوں اور اُن کی رائے مسلک کے بارے میں حد درجہ صائب اور درست سمجھتا ہوں۔ اپنے اکابر کے مسلک کے خلاف ایک بات بھی سننے کو یہ لوگ تیار نہیں ہیں اس لئے میں اُن پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر آپ بھی اپنے لئے صحیح راہِ عمل حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان حضرات کی کتابوں کا لازماً مطالعہ کریں جس سے اکابر کا صحیح اور واضح مسلک نکھر کر آپ کے سامنے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مولانا سرفراز خان سے اجازت حدیث:

مولانا سرفراز احمد خان صاحب مدظلہ نے مجھے اجازت حدیث دی ہے اور وہ شاگرد ہیں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے اور اُن کو اجازت ہے مولانا حسین علی واں پچراں والوں سے اور مولانا حسین علی شاگرد تھے حضرت گنگوہیؒ کے یہ حضرت کی سند عالی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تک وہ ایک واسطے سے پہنچ گئے اور میں اس سند کے اعتبار سے حضرت گنگوہیؒ کی طرف دو واسطوں سے منسوب ہو گیا۔ کیونکہ ایک طرف مجھے مولانا سرفراز خان کی وساطت سے حضرت مدنیؒ سے بھی نسبت حاصل ہو گئی ہے اور انہی کی وساطت سے بواسطہ مولانا حسین علی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ سے بھی نسبت حاصل ہو گئی ہے۔

مفتی فاروق صاحب سے اجازت حدیث:

بہاولپور میں مفتی فاروق احمد صاحب تھے (یہ تبلیغی جماعت والے مولانا محمد احمد کے والد ہیں) اُن کے والد مولانا محمد صدیقؒ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے لیکن اُن کے پاس سند حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے واسطے سے ہے۔ میں اُن کے پاس حاضر ہوا اور خصوصیت کے ساتھ اُن سے اجازت حدیث حاصل کی..... اس طرح حضرت مفتی فاروق احمد کی وساطت سے مجھے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی نسبت حاصل ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی سند

جب کہ حضرت حکیم الامتؒ کی سند بہت عالی ہے اُن کو اجازت تھی حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے جو حضرت مولانا کے والد کے پیر تھے اور بہت معمر تھے اور براہ راست شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے تو اس طرح سے اُن کی یہ سند بہت عالی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا سے اجازت حدیث:

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مدینہ منورہ حاضری ہوئی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے بھی مجھے اجازت دی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے اور وہ مولانا نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے تو مجھے یہ نسبت بھی حاصل ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے اجازت:

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے بھی میں نے اجازت حاصل کی اور وہ بھی مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے شاگرد ہیں البتہ انہوں نے دوسری مرتبہ بخاری حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی تھی اُن کی وساطت سے بھی مجھے اپنے ان دو بزرگوں سے نسبت حاصل ہو گئی۔

مولانا عبداللہ بہلویؒ سے اجازت:

حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ قدس اللہ سرہ اور مولانا غلام رسول خانؒ یہ دونوں حضرات براہ راست شاگرد تھے حضرت شیخ الہندؒ کے انہوں نے بھی مجھے اجازت دی ہے اور اُن کی وساطت سے حضرت شیخ الہندؒ تک ایک واسطے سے میری سند پہنچ گئی ہے۔

حضرت مولانا بنوریؒ سے اجازت حدیث:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ یہ اصل شاگرد حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے ہیں لیکن انہوں نے مدینہ منورہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ محدث دہلوی مہاجر مدنی کی بیٹی امۃ اللہ جو کہ محدثہ تھیں اُن سے اجازت لی اور وہ تحریری اجازت انہوں نے مجھے بھی دی۔ اس طرح حضرت بنوریؒ ایک واسطے کے ساتھ شاہ عبدالغنیؒ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور شاہ عبدالغنیؒ سے مجھے دو واسطوں سے نسبت حاصل ہو گئی۔

سند عالی کی اہمیت:

طلباء اور علماء جانتے ہیں کہ عالی سند جس میں رجال کا واسطہ کم ہو جائے اس کے لئے لوگ میلوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ اس لئے ہمارے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ جن واسطوں کے ساتھ ہمیں یہ اجازت حاصل ہو رہی ہے وہ واسطے کم ہیں یا زیادہ ہیں۔ بہر حال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے زمانے میں جتنے بڑے بڑے محدث موجود تھے۔ میں اُن سب کی خدمت میں حاضر ہوا اور نیاز مندی کے ساتھ اُن سے اجازت حدیث حاصل کی۔ اور یہ نسبتیں میرے لئے بہت بڑی سعادت ہیں۔ آج میں ان طالب علموں کی اس سلسلے کے ساتھ نسبت قائم کرنے کے لئے اپنے سے روایت حدیث کی اجازت دیتا ہوں۔

بزرگوں کے تذکرے سے رحمت الہی نازل ہوتی ہے:

ہمارے ہاں اولیاء اللہ کی اتنی قدر ہے کہ اُن کے تذکرے سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے جب ہم اُن حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دل کے اندر سکون آرہا ہے..... اور اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دل کے اندر جاگزیں ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بزرگوں کا تذکرہ ہمارے لئے باعث برکت ہے۔ اس لئے میں نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ جو کہ ہمارے اکابر بھی ہیں بہت وضاحت کے ساتھ کر دیا ہے تاکہ ان کی برکت سے اللہ کی رحمت کا نزول ہو۔

اکابر پر کامل اعتماد:

مجھے اپنے دیوبند کے ساتھ نسبت والے اور مزید اوپر تک سلسلہ کے اُن اساتذہ کرام پر کس قدر اعتماد اور فخر ہے اس کے اظہار سے عاجز ہوں۔ آپ طالب علم، ساتھیوں کو کس طرح بتاؤں کہ مجھے اس نسبت پر الحمد للہ اس قدر قلبی طور پر یقین ہے کہ میں اس سے باہر کسی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں۔۔۔ اُن کی طرف سے جو مسئلہ آتا

ہے میں اس پر جم جاتا ہوں اور اس پر اعتماد کر لیتا ہوں اور کسی دوسرے کی طرف طبیعت متوجہ ہی نہیں ہوتی۔

علامہ عینی کا قول:

جیسے کہ علامہ عینیؒ نے ذکر کیا ہے ہذا ما اعتقد میرا عقیدہ یہ ہے ومن قال بغيره فاذنی عنه صما..... میرا عقیدہ یہ ہے اس سے ہٹ کر اگر کوئی شخص بات کرتا ہے تو میرے کان بہرے ہیں ان نسبتوں کے اوپر مجھے اتنا اطمینان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسی میں ہماری زندگی گزرے۔

☆ اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔

☆ اور آخرت میں اسی پر اللہ ہمیں اٹھائے۔

اور اسی راستے پر چلائے جس راستے پر یہ لوگ ہمیں چلتے نظر آتے ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی راستہ نکالتا ہے تو ہم اس کو قابل عمل نہیں سمجھتے ہیں اور ہم اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ہماری نسبت ہے ہم با نصیب بھی ہیں اور با نسبت بھی ہیں۔ اس لئے جب بھی آپ کے سامنے کوئی مسئلہ آئے تو اس کے بیان کرنے والے سے پوچھو کہ ہمارے سامنے اپنی نسبت بیان کرو کہ آپ کی نسبت کن سے ہے اسی سے فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ بات جو یہاں تک عرض کی ہے اس میں خالصتاً اپنے آباء کا تذکرہ کرنا مقصود تھا۔

اولئک آبائی فجتنی بمثلهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

شاعر اپنے آباء کا ذکر کر کے کہتا ہے یہ ہیں میرے آباء جن کا میں ذکر کر رہا ہوں میرے سامنے تم اس قسم کے آباء لاؤ تو سہی جو ان کے مقابلے میں دکھانے کے قابل ہوں جب تک مجمع ہو تم اپنے آباء کا ذکر تو کرو۔

ہمارے آباء علم و عمل کے جامع ہیں:

ہمارے آباء اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علم و عمل کے جامع ہیں ہمیں ساری دنیا میں

اُن جیسے نظر نہیں آتے۔ جو ربہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آباء کو دیا ہے اُس کی مثال نہیں ہے اُنہوں نے جو:-

✽ صحیح دین.....

✽ صحیح سنت.....

✽ قرآن و حدیث کی محبت و تحفظ.....

✽ شریعت سے عشق و شغف.....

✽ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت.....

ہم میں بھری ہے اُس کی مثال نہیں ملتی.....

علماء کے پاس بیٹھنے والوں کی فضیلت:

آباء و اساتذہ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ موجود احباب اور اس مجمع میں تشریف لانے والے جملہ حضرات کو ایک انتہائی خوش کن بشارت سناتا ہوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔۔۔ قیامت کے دن کچھ لوگ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ یعنی نورانی ممبر ہوں گے اور وہ اُن پر مسند نشین ہوں گے۔ آگے والے الفاظ دھیان سے سنیں۔ فرمایا: یغبطون بها الانبیاء والشہداء اس پر انبیاء اور شہداء غبطہ (رشک) کریں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مقام انبیاء و شہداء کو حاصل نہیں ہوگا کیونکہ:-

✽ نبی کے پاس نبوت والی فضیلت ہے.....

✽ شہید کے پاس شہادت والی فضیلت ہے.....

لیکن اُن کا غبطہ اس بات پر ہوگا کہ شہادت اور نبوت کے بغیر عمل کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کس قدر ان لوگوں کو نوازا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے کہ جن کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی غبطہ کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

❖ الْمُتَجَالِسُونَ فِي اللَّهِ — جو اللہ کے تعلق کی بناء پر آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔

❖ المتزاورین — جو ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

❖ المتبازلین — ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کی رضا کے لئے نہ اُن کی آپس میں کوئی رشتہ داری ہے نہ ہی قرابت داری ہے صرف اللہ کے لئے آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور تعلق الہی کی بناء پر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نور کے منبروں پر بٹھائے گا۔

میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ آپ کا اہل علم کے پاس بیٹھنا، علماء کی گفتگو اور حدیث سننے کے لئے ان مجالس میں آنا کیا اللہ کیلئے نہیں ہے؟ کیا آپ یہاں پر نوٹ کمانے یا کاروبار کرنے آئے ہیں؟۔ یہ صرف دینی تعلق ہے یا نہیں؟۔ جب یہ صرف دینی تعلق ہے اور آپ صرف اللہ کی رضا کے لئے آئے، اللہ کے دین کی بات سننے کے لئے آئے، ان کی محبت کی وجہ سے آپ اس مدرسہ میں آئے اور اسی محبت کی بناء پر آپ ان اہل علم پر خرچ کرتے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کی رحمت پر اعتماد کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

المتجالسون، المتزاورین المتبازلین

میں ہم بھی شامل ہیں آپ حضرات کے لئے بھی حدیث میں یہ بشارت موجود ہے۔ آباء کا تذکرہ بھی آگیا انبیاء کا تذکرہ بھی آگیا احباب کا تذکرہ بھی آگیا اب رہ گیا مدرسہ؟

مختصر سی بات عرض کرتا ہوں کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کی اصل یہی مدارس دینیہ ہیں۔ باقی سکول اور کالج کیا ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ سکول اور کالج بھی ٹھیک ہیں اور اُن کی تعلیم بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دشمنی نہیں لیکن یہ سکول و کالج اور

اُن کی تعلیم مسلمان کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ یہی سکول و کالج:

✽ یہودیوں کے بھی ہیں۔

✽ عیسائیوں کے بھی ہیں۔

✽ دھریوں کے بھی ہیں۔

✽ کیمونسٹوں کے بھی ہیں۔

✽ قادیانیوں کے بھی ہیں۔

✽ مجوسیوں کے بھی ہیں۔

✽ بت پرستوں کے بھی ہیں۔

✽ اللہ اور رسول کے منکروں کے بھی ہیں۔

دنیا کا ہر انسان چاہے وہ کتنا ہی غلط عقیدہ رکھتا ہو یا سرے سے ایمان و اسلام کا منکر ہو سکول و کالج کی تعلیم اُن میں بھی ہے۔ کیونکہ اُس تعلیم سے انسان کی دنیاوی ضروریات پوری ہوتی ہیں لیکن یہ ایمان و اسلام کی ضروریات پوری نہیں کرتی جبکہ ایمان اور اسلام کی ضروریات ان مدرسوں سے پوری ہوتی ہیں۔ اسلئے مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور مومن کو مومن ہونے کی حیثیت سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے لئے دینی مدارس کا وجود انتہائی ضروری ہے۔

رہے سکول و کالج تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں تمام مذاہب کے سکول و کالج موجود ہیں جن میں وہی تعلیم دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے سکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ سب کا نصاب تعلیم اور انداز تربیت یکساں ہے جس میں کافر و مسلمان کی کوئی تفریق اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس کے باوجود ہم سکول و کالج کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے کیونکہ زندگی گزارنے کے لئے

✽ مکان بنانے ضروری ہیں۔

✽ پل بنانے ضروری ہیں۔

✽ سڑکیں بنانی ضروری ہیں۔

مشینری اور ہتھیار بنانے ضروری ہیں۔

آج اگر کوئی سکول اور کالج کی مخالفت کرے تو آپ کہیں گے یہ احمق ہے اس کو دنیا کی ضرورت معلوم نہیں اس لئے کہتا ہے کہ سکول نہ بناؤ کالج نہ بناؤ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسانوں کی دنیاوی ضروریات کی تکمیل اور ان کی خدمت کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اللہ اور آخرت کو فراموش کر کے صرف عارضی اور ناپائیدار زندگی کو ہی مقصود بنا لینا دانشمندی نہیں۔ جس طرح ہمارا قیام یہاں عارضی ہے اسی طرح یہاں کا انتظام بھی عارضی ہونا چاہیے۔

لیکن غور فرمائیں: میں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سکول و کالج کی تعلیم مرنے کے بعد کچھ کام نہیں آئے گی کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو صنعت کی ضرورت ہوگی نہ کار کی ضرورت، نہ اُسے ریل چاہیے ہوگی نہ ہوائی جہاز۔ گویا یہ سب ایسی ضرورتیں ہیں جو مرنے سے پہلے پہلے انسان کو پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ مدارس نہ صرف دنیا کی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ قبر اور حشر کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ اس لئے مدرسوں کی خدمات انتہائی لائق تحسین ہیں۔

میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جو مدرسے کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مدرسے بیکار ہیں اس کو ایمان کی قدر ہے نہ اسلام کی۔ اگر اُس کو ایمان اور اسلام کی قدر ہوتی تو وہ کہتا کہ زیادہ سے زیادہ مدرسے بناؤ تا کہ لوگوں کا ایمان مضبوط ہو۔ اور لوگوں کو اسلام کا پتہ چلے۔ جہاں صبح و شام ایمان و اسلام کی تعلیم ہو اور عام آدمی کو دین و اسلام کے بارے میں رہنمائی ملے۔ اگر مدرسے نہ ہوئے تو ہم صحیح مسلمان نہیں رہ سکتے۔

ان مدارس کی اہمیت کا انکار کوئی عقل کا اندھا ہی کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مدارس مسلمانوں کے دین اور ایمان کے محافظ ہیں اور ان کی مخالفت ایمان اور اسلام کی مخالفت ہے۔

صحیح بخاری کی آخری حدیث کی تشریح:

اب آئیں کتاب کی طرف۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جب ہم نے آخری حدیث کی تلاوت کی تھی کتاب اُسی پر ختم ہو گئی تھی مختصراً چند باتیں عرض کر دیتا ہوں۔

امام بخاریؒ کی یہ کتاب اپنے انداز کی نرالی اور عام اسلوب سے کافی مختلف ہے۔ آپؒ نے اس کتاب میں سب سے پہلے انما الاعمال بالنیات..... والی روایت ذکر کی۔ اس سے امام بخاریؒ نے اخلاصِ نیت کی تلقین کی ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر کام میں اللہ کی رضا کی نیت ہونی چاہئے اس کی رضا کی نیت ہوگی تو نیکی قبول ہوگی اور اگر رضاءِ الہی کی نیت نہ ہو تو بظاہر کام کتنا ہی خوبصورت ہو وہ قبول نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ اس روایت کو ایمان سے بھی پہلے ذکر کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی قبول ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہو ورنہ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے منافقانہ ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور ایسے ہی اگر جان بچانے کے لئے کلمہ بھی پڑھا جائے تو وہ قبول نہیں ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور آپ کے سامنے آ کر کہتے ہیں۔

نشہد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشہد ان المنافقین لکذبون۔

آپ ﷺ کی مجلس میں آپ سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ رسول ہیں لیکن میں گواہ ہوں یہ جھوٹے ہیں یہ جھوٹ بولتے ہیں اُن کے دل میں کچھ اور ہے اس لئے کہ اللہ کی رضاءِ اخلاصِ نیت سے ملتی ہے۔

آگے مسائل کی باتیں آرہی ہیں ایمان آئے گا، پھر علم آئے گا جہاد آئے گا آخر میں امام بخاری نے کتاب التوحید ذکر کی ہے گویا امام بخاریؒ نے خاتمہ توحید پر کیا ہے کہ توحید ہی ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس کی بناء پر آخرت میں نجات ملے گی لیکن اس

کتاب التوحید کے اختتام پر سب سے آخر میں تقریباً سات ہزار ابواب میں سے یہ باب وزن اعمال کے متعلق امام بخاریؒ نے قائم کیا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم کی آیت ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ترازو قائم کریں گے اور اعمال اس ترازو میں ٹلیں گے اور بنی آدم کا ہر قول و عمل لایا جائے گا اور اس کو تولایا جائے گا۔

کن کے اعمال کا وزن ہوگا:

اب یہ بحث کہ کن کے اعمال تو لے جائیں گے کن کو بغیر تولے اللہ تعالیٰ جنت میں بھیج دے گا؟ یہ بہت وسیع بحث ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی اللہ تعالیٰ بلا حساب جنت میں بھیجیں گے اُن کا حساب نہیں ہوگا۔ وہ کون ہیں اُن کی صفات بھی حدیث میں ذکر کی گئی ہیں۔ اُس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ صرف ایک بات ذکر کرتا ہوں کہ مشکوٰۃ باب المحشر میں ایک روایت آتی ہے کہ جب اہل ایمان حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے تو کافروں کو علیحدہ کر دیا جائے گا کیونکہ کافروں کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اُن کا کوئی عمل تولایا جائے گا۔

کون سے اعمال تو لے جائیں گے:

تولے اُن کے اعمال جائیں گے جن کے پاس نیکی بھی ہو بدی بھی ہو اگر کسی کے پاس صرف نیکیاں ہی ہیں بدی کوئی نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لگے گا اور ایسے ہی جس کے پاس صرف بدیاں ہی ہیں نیکی کوئی نہیں اُس کے لئے بھی ترازو نہیں لگے گا یہ حضرات بغیر تول کے جنت اور جہنم کی طرف جائیں گے اور اعمال کا ترازو اُن لوگوں کے لئے قائم کیا جائے گا جن کے پاس نیکیاں بھی ہوں گی اور بدیاں بھی ہوں گی۔

شب بیداری کی فضیلت:

قیامت کے دن جب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اعلان ہوگا۔

این الذین تتجافی جنوبهم عن المضاجع ویدعون ربهم خوفاً وطمعاً؟
 کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو عملاً بستروں سے علیحدہ رہا کرتے تھے وہ
 بستروں پر لیٹتے نہیں تھے اور رب کو پکارتے تھے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے۔؟
 مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو تہجد گزار ہیں۔ جب سب لوگ بستروں کے اوپر لیٹے
 ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے پہلوؤں کو بستروں سے علیحدہ کیا ہوا تھا اور وہ ایسے وقت
 میں نماز پڑھتے تھے جس وقت کہ لوگ سوئے ہوئے تھے تو کہاں ہیں وہ لوگ؟

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ تھوڑے سے لوگ
 ہوں گے جب وہ کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم بغیر حساب جنت میں
 داخل ہو جاؤ۔ اس فضیلت کو حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جلدی
 سو جائیں اور اگر ٹی وی اور فلمیں وغیرہ دیکھتے ہوئے سوئیں آپ تین بجے کے بعد پھر تو
 فجر کی نماز ہی رہ جائے گی تہجد کیا پڑھیں گے؟ کیونکہ جو ہمارا سونے کا وقت ہوتا ہے اُس
 میں ہم جاگتے ہیں اور جو جاگنے کا وقت ہوتا ہے اُس میں ہم سوتے ہیں۔ بہر حال یہ
 وزن اعمال کی بات آئے گی۔

اعمال کا وزن کیسے ہوگا:

باقی یہ بحث کہ قول اور عمل کا وزن کیسے ہوگا؟ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا وزن
 نہیں ہے تو اُس کو کیسے تولایا جائے گا؟ جیسے کہ پرانے زمانے میں معتزلہ کہتے تھے تو اس پر
 علماء نے معتزلہ کو اس بات کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جس کی تفصیلات آپ اپنے
 اساتذہ کرام سے سنتے رہیں گے بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین



مسلمانوں کے زوال کا سبب

بہ موقع ۸ تقریب ختم بخاری شریف

بہ مقام ۸ جامعہ دارالقرآن مسلم ٹاؤن فیصل آباد

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ رجب: ۱۴۲۵ھ

مسلمانوں کے زوال کا سبب

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔
أَمَّا بَعْدُ!

فبا لسند المتصل منا الى امير المؤمنين في الحديث
محمد بن اسماعيل البخاري

قال باب قول الله ونضع الموازين القسط ليوم
القيامة وان اعمال بنى آدم وقولهم يوزن

وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية ويقال القسط مصدر المقسط
وهو العادل واما القاسط فهو الجائر

به قال حدثنا احمد بن اشكاب قال حدثنا محمد بن فضيل عن عمارة
بن القعقاع عن ابي زرعة عن ابي هريرة
قال قال النبي صلى الله عليه وسلم
(صحیح بخاری ص ۱۱۲۸ ج ۲)

كلمتان حبيبتان الى الرحمن خفيفتان على
اللسان ثقيلتان في الميزان

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔۔

سب حضرات محبت و شوق سے پڑھ لیں:

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

استغفر الله ربى من كل ذنب واتوب اليه!

تمہید:

حضرات! میرے علم کے مطابق دارالقرآن میں طالبات کیلئے دورہ حدیث شریف چھ سال سے ہو رہا ہے اور اب یہ چھٹی جماعت فارغ ہو رہی ہے اور جس طرح محترم قاری صاحب نے بتایا ہے کہ اگلے سال سے طلباء کے درجہ میں بھی دورہ حدیث شریف کا افتتاح ہو رہا ہے۔ اس طرح آئندہ سال سے طلباء و طالبات کی مکمل تعلیم یہاں دارالقرآن میں شروع ہو جائے گی۔ یہ حضرت قاری صاحب کی محبت اور مہربانی ہے کہ وہ مجھے مسلسل چھ سال سے اس موقع پر حاضری اور ثواب و برکات میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ الحمد للہ ہر سال اس ماحول کو زو بہ ترقی دیکھتا ہوں اور یقین جانتے کہ اس منظر کو دیکھ کر جو اس وقت اسٹیج پر آپ مرد حضرات کے سامنے ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی منظر زمانہ درجہ میں مستورات میں بھی ہو ایمان تازہ ہو گیا ہے۔ اللہم زد فزود

اہل دل کیلئے بہار:

اور وہی بات جسے فارسی شاعر کہتا ہے

بہار عالم حسنش دل ما تازہ میدادر

برائگہ ساز و صورت را ہوار باب معنی را

کہ اپنے ظاہر کے ساتھ یہ ظاہر بینوں کے لئے ایک بہار ہے۔ اور اُس کے اندر جو برکات ہیں وہ اہل دل کے لئے ایک بہار سے کم نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان برکات میں شریک فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سب برکات نصیب فرمائے۔

یہاں تعلیم تو اعلیٰ انداز کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے اس اسٹیج کی ایک خوش کن بات یہ دیکھی کہ جب بھی آنا ہوا، حق کی آواز کو بہت زوردار انداز میں اس اسٹیج سے اُٹھتے اور بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی ایک بہت ہی روح افزا، ایمان افزا

اور دلوں کو قوت دینے والی بات ہے کہ یہاں سے آوازِ حق عین موقع محل کے مطابق پوری قوت کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔ اور ہم سب کے لئے رہنمائی کا باعث بنتی ہے میرے بھائی قاری منصور احمد نے بہت ایمان افروز بیان فرمایا ہے، ان کی انتہائی قیمتی باتوں کو دہرانے کی ہمت ہے اور نہ ہی وقت۔ البتہ اتنا عرض کرتا چلوں کہ میں اُن کی بھرپور تائید کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اُنہوں نے کہا یہی آپ میرے دل کی آواز سمجھیں۔ میرے جذبات قاری صاحب کے جذبات کے بالکل مطابق ہیں اور میں اُن کے بیان میں اُن کے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔

آوازِ حق دبانے سے ابھرتی ہے:

بات زبان پر آ ہی گئی تو کہہ دوں کہ عام طور پر ایک فقرہ آپ حضرات بولتے اور سنتے ہیں اور وہ ہے بھی اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح کہ:

مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ جب تک یہ مدارس باقی ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں چند سالوں کے اندر جو مدارس کی تعداد بڑھی ہے آپ کے علم میں نہیں ہمیں پتہ ہے۔ ان پانچ چھ سالوں کے اندر وفاق المدارس کے ساتھ ملحق مدارس دس گنا بڑھ گئے ہیں۔ جب سے ان کے مٹانے اور ان کی مخالفت کا زور آیا تو دن بدن نئے مدارس کھل رہے ہیں اور اور طلباء کی تعداد بھی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اتنی تعداد مدارس میں پہلے نہیں ہوتی تھی جتنی کہ اب ہے۔ اور پھر خاص طور پر ان چھ سات سالوں میں طالبات کے اتنے مدارس کھلے ہیں کہ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ شاید ہی اب پاکستان کا کوئی شہر ایسا ہوگا کہ جس میں کئی کئی مدرسے طالبات کے نہ کھلے ہوں اور آپ اس بات کو سن کر حیران ہوں گے کہ وفاق المدارس جو پاکستان میں مسلک دیوبند کی نمائندہ تنظیم ہے جو مدارس کے امتحانات کا انتظام کرتی ہے۔ اُس کے مطابق اب امتحانات کے ہر

درجے میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلے میں بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سال دورہ حدیث شریف کے امتحان میں طالبات کی تعداد طلباء کے مقابلے میں ایک ہزار زیادہ ہے اور یہی حال باقی سب درجات کا ہے۔ تو مستورات میں اور گھروں میں بھی یہ تعلیم چلی گئی جتنی مخالفت ہوئی اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے اُس کو پھیلایا ہے۔

میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ یہ عنوان بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ مدارس اسلام کا قلعہ ہیں۔ اس عنوان سے میں اختلاف نہیں کر رہا لیکن اگر تھوڑا سا نیچے اتر کر سوچا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کا قلعہ ہے اور یہ مدارس اسلام کے نمائندہ ہیں۔ یہ تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ اگر تم نے بچنا ہے تو اسلام میں داخل ہو جاؤ کیونکہ جو چیز قلعے میں آ جاتی ہے وہ محفوظ ہو جاتی ہے اسلام مسلمانوں کا قلعہ ہے اگر مسلمان صحیح طور پر مسلمان ہو جائیں تو یہ محفوظ ہو جائیں گے اور ہم جو ذلیل و رسوا ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا قاری منصور صاحب کی تقریر کا سارا انچوڑ یہی تھا ہمارے ذلیل و خوار ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو چھوڑا اور اسلام سے دُوری اختیار کی۔ اور ہم عیسائیوں اور یہودیوں کے پیچھے لگے، اُن کی تہذیب اپنائی، اُن کا تمدن اپنایا اور اُن کی شکل و صورت کو اپنایا تو جس طرح سے ذلت اور مسکنت اُن پر مسلط کی گئی تھی ویسے ہی ہم پر طاری ہو گئی۔

بہر حال سرور کائنات ﷺ نے جس وقت مدینہ طیبہ میں باہر کے ممالک کو دعوت دینی شروع کی تو بڑے بڑے بادشاہوں کو یہ لکھا تھا اسلم تسلم..... صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اھر قل کے نام خط چھپا ہوا ہے۔ اس میں حضور ﷺ اُس کو خطاب کر کے کہتے ہیں اسلم تسلم..... تو مسلمان ہو جانے کا..... یہ بادشاہ کو

خطاب ہے..... یہ کہیں نہیں آیا کہ آؤ لوگو اسلام کو بچالو۔

❖ لوگو اسلام کو بچاؤ اسلام کو خطرہ ہے۔

❖ قرآن کو بچاؤ قرآن کو خطرہ ہے۔

یہ کہیں بھی نہیں آیا۔ یہ آیا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ بچ جاؤ گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قلعہ ہے مسلمانوں کا اگر ہم اس قلعے سے باہر نکلیں گے تو دشمن کا شکار ہو جائیں گے۔

نقلی یہودی نقلی عیسائی:

پھر ایک یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ایک اصلی چیز ہوتی ہے اور ایک نقلی چیز ہوتی ہے۔ نقلی چیز ظاہری طور پر کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو آپ جانتے ہیں کہ اُس کی حیثیت نمبر دو کی ہوتی ہے۔ نمبر دو کا لفظ تو آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں جیسے کہ ہر چیز کا نمبر دو ہے۔ بناوٹی چیزیں چلتی ہیں ادویات ہوں دوسری چیزیں ہوں اصلی اور نقلی کا فرق آپ خوب جانتے ہیں۔ اب ایک تو اصلی یہودی ہے اور ایک اصلی عیسائی ہے اور ایک نقلی یہودی اور نقلی عیسائی ہے کہ اندر سے تو ہے مسلمان اور اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور شکل و صورت بنائے عیسائیوں اور یہودیوں کی۔

❖ تمدن اختیار کرے عیسائیوں اور یہودیوں کا۔

❖ تہذیب اختیار کرے عیسائیوں اور یہودیوں کی۔

تو یہ لوگ نقلی عیسائی اور نقلی یہودی ہوئے نمبر دو عیسائی اور نمبر دو یہودی..... تو اُن پر ذلت اصلی یہودیوں اور اصلی عیسائیوں سے بھی زیادہ آئے گی..... اب اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے معاملات میں نقلی عیسائی اور نقلی یہودی بنے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی دعوت فکر:

یہ میں نہیں کہہ رہا آپ کے مسلمہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال جنہوں نے اُمت کیلئے بہت اچھی اچھی نصیحتیں کی ہیں۔ اور قاری صاحب بھی فرما رہے تھے کہ تم نے قرآن تو کیا سمجھنا تھا ڈاکٹر اقبال کو بھی نہیں سمجھا۔ اگر ڈاکٹر اقبال کو سمجھ لیتے تو بھی مسلمانوں کا مزاج سیدھا ہو جاتا ڈاکٹر محمد اقبال کا شعر آپ سنتے رہتے ہوں گے۔

شکل میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم مسلمان ہو کہ جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تمہاری شکل عیسائیوں جیسی ہے اور تمہارا رہنا سہنا ہندوؤں جیسا۔ تم مسلمان ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ یہ کسی مولوی کا فتویٰ نہیں ہے یہ ڈاکٹر محمد اقبال کا فتویٰ ہے۔ تمہارا رہنا سہنا، شادی بیاہ وغیرہ سب ہندوؤں جیسا ہو گیا۔ شکل و صورت عیسائیوں جیسی ہو گئی۔ اب صبح صبح دیکھا کرو جس وقت سکول کھلتے ہیں۔۔۔ بچپن سے ہم نے یہ نقلی کام کیا ہے تو آخر تک نقل ہوتی چلی گئی۔ اب جس طرح سے وہ پھٹکارے ہوئے ہیں ہم بھی پھٹکارے ہوئے ہیں۔ شکلیں ہم نے عیسائیوں جیسی بنالیں۔ تمدن ہم نے ہندوؤں جیسا اختیار کر لیا۔ اسی لئے ڈاکٹر اقبال کہتا ہے کہ تمہاری اس دورخی کو دیکھ کر یہودی بھی شرماتے ہیں۔۔۔ اسی ایک شعر کے مفہوم کو ہی اگر سمجھ لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ شکل اور یہ تمدن اختیار کرنے کے ساتھ ہم نقلی ہندو، نقلی عیسائی اور نقلی یہودی بن گئے ہیں اس لئے جتنی پھٹکاراُن پر پڑنی تھی آپ جانتے ہیں کہ نقلی چیز پر اُس سے زیادہ پڑتی ہے۔ ہماری بربادی کا یہ سبب بن گیا۔

مومن کے چہرے پہ رعب ہوتا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اسلام میں مکمل داخل ہو جائیں اور ہم سب کے سب مجاہدین اسلام کی شکلیں بنالیں تو یہ کافر اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہماری شکلوں کا

تصور کر کے ڈر جائیں۔ لیکن جب آپ نے شکلیں ہی اُن جیسی بنالیں تو اُنہیں آپ سے کوئی خوف کوئی خطرہ کیوں محسوس ہونے لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں داخل ہونا مسلمان کے لئے تحفظ ہے اور یہ نہیں کہ مسلمان اسلام کو بچاتا ہے۔ اسلام تو نہ صرف خود بچتا ہے بلکہ اپنے اپنانے والے کو بھی بچاتا ہے۔

✿ اللہ کا دین ہے.....

✿ اللہ اس کا محافظ ہے.....

ہم اسلام اختیار کریں گے تو بچ جائیں گے وہ فقرہ بھی ظاہری طور پر ٹھیک کہ مدارس دین کا قلعہ ہیں لیکن یہ فقرہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام مسلمانوں کے لئے قلعہ ہے اور مدارس اس کے نمائندہ ہیں جو تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ آ جاؤ اسلام میں داخل ہو جاؤ تم بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اس عذاب سے تمہیں نجات دے گا جو عذاب تم پر اس وقت مسلط ہے۔

کفر کا غلبہ عذاب الہی ہے:

دنیاوی طور پر کفر کا غلبہ عذاب سے کم نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰ کی اُمت بنی اسرائیل کے بارے میں آیا ہے یسومونکم سوء العذاب..... فرعون تمہیں بہت بدتر عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے..... تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے.....

اس کو سوء العذاب کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس سوء العذاب سے بچنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان کیا۔۔۔ ایمان باللہ۔۔۔ ایمان بالرسول۔۔۔ جہاد فی سبیل اللہ۔۔۔ یہ سبق پڑھو گے تو سوء العذاب سے بچو گے اور اگر یہ سبق بھول جاؤ گے تو پھر سوء العذاب کا شکار ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ دوسرے نمبر پر میں ان بچوں اور ان کے والدین کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت دی اور صحیح راستے پر چلایا۔

عقیدہ معاد:

معاد کا مطلب ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا آنا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب و کتاب کے لئے پیش ہونا جنت اور دوزخ کا عقیدہ۔ یہ ایسا ہے جیسے اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا عقیدہ، اب جیسے اللہ کی توحید کا انکار کفر ہے اور سرور کائنات ﷺ کی رسالت کا انکار کفر ہے تو اسی طرح سے قیامت کا انکار، جنت دوزخ کا انکار، مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار بھی اسی طرح کا کفر ہے۔ یہ تینوں عقیدے برابر کے ہیں۔ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں ہمارا آخرت کے متعلق عقیدہ ہے اور اللہ کی توفیق کے ساتھ توحید کے متعلق عقیدہ ہے سرور کائنات ﷺ کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے اور قیامت کے دن پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ اب جب قیامت کے دن پر ہمارا ایمان ہے تو اپنی اولاد کے بارے میں ہماری سوچ میں تھوڑی سی تبدیلی ضرور ہونی چاہئے۔

اولاد کیلئے آخرت کی فکر کیجئے:

اللہ تعالیٰ اولاد دیتا ہے تو والدین اُسی وقت سے فکر شروع کر دیتے ہیں کہ اس کی تعلیم اچھی ہونی چاہئے تاکہ بڑا ہو کر اچھا ملازم ہو جائے اس کی تنخواہ اچھی ہو اس کے لئے آمدنی کے ذرائع بنائیں۔ اس کے لئے جائیداد بنائیں۔ اس کے لئے مکان چھوڑیں اور اس کیلئے ذخیرہ کریں۔ ہر ماں باپ اولاد کے لئے یہ سوچتا ہے اور اس سوچ کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے بعد بچوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور ہمارے بعد بچے راحت اور آرام کے ساتھ وقت گزاریں۔ یہ ہماری سوچ جو ہے وہ صرف اس دنیا کے اعتبار سے ہے۔ اور اس سوچ میں کافر اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کافر بھی یہی سوچتا ہے، مسلمان بھی یہی سوچتا ہے کہ اولاد کے لئے دنیا میں راحت کے اسباب ہونے چاہئیں کوئی جائیداد بنا کے چھوڑیں۔

کوئی مکان چھوڑیں..... ❁

کوئی دوکان چھوڑیں..... ❁

❖ کوئی مال و دولت چھوڑیں.....

❖ کوئی سواری چھوڑیں.....

❖ کچھ سرمایہ چھوڑیں.....

ان کو اچھی تعلیم دلائیں تاکہ ان کا مستقبل اچھا ہو جائے۔ یاد رکھیں کافروں کا مستقبل تو صرف موت تک ہے لیکن ہمارا مستقبل تو بہت آگے ہے۔ سو جس طرح ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچے خوشحال زندگی گزاریں اسی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کر دیں کہ یہ بچے اپنے مرنے کے بعد بھی خوشحال زندگی گزاریں۔ یعنی ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں کا کیا ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ سوچ بھی رکھیں کہ ان بچوں کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوگا؟۔ اپنی اولاد کے لئے جیسے دنیا کو آباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح اس اولاد کی آخرت کو بھی آباد کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ سب کچھ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ماں بچیوں کو دین کی تعلیم دے۔ باپ تعلیم کی سرپرستی کرے اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی تعلیم، ایمان کی حفاظت اور اچھے اخلاق کا سکھانا جس طرح مردوں کا فرض ہے اسی طرح عورتوں کا بھی فرض ہے۔

بچے کی بہترین تربیت گاہ ماں کی گود ہے:

بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ مستورات کے اوپر یہ فرض زیادہ عائد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بچہ ابتدائی عمر ماں کی گود میں گزارتا ہے۔ اگر ماں اُس کو اللہ کے لفظ سے مانوس کرے اور ماں اُس کے سامنے قرآن کریم پڑھے تو بچے کا ذہن اُس کے ساتھ ساتھ مانوس ہوتا چلا جائے گا۔ بچوں کی فطرت ہے کہ وہ نقل ہوتے ہیں۔ عام طور پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے اپنی ماؤں کی نقل اتارتے ہیں۔ مائیں جب مصلے پر نماز پڑھتی ہیں تو وہ بھی مصلے پر آ کر اُلٹے سیدھے ہونا شروع کر دیتے ہیں وہ بھی کپڑا لے کر سر ڈھانپنا شروع کر دیتے ہیں۔ رکوع سجدے کی نقل اتارتے ہیں۔

بچہ بولنا ماں کی گود میں شروع کرتا ہے اگر آپ اللہ اللہ کریں گے تو بچے کی زبان پر بھی اللہ آئے گا آپ بسم اللہ پڑھیں گے تو بچے کی زبان پر بھی بسم اللہ آئے گا، آپ لا الہ الا اللہ پڑھیں گے تو بچہ بھی لا الہ الا اللہ پڑھے گا۔ اصل تربیت کی ابتداء ماں کی گود سے ہوتی ہے۔ بچے کا ذہن ماں کی گود میں بنتا ہے وہی ذہن آگے کام آتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اُس کو نماز پڑھنے کا حکم دو دس سال کا ہو جائے تو اُس کو مار کے نماز پڑھاؤ اور بچے کو نمازی بناؤ۔ سات سال والے کو ترغیب دے کر نماز پڑھاؤ لیکن آپ جانتے ہیں کہ سات سال کا بچہ نماز تب ہی پڑھے گا۔

✽ جب اس کو طہارت حاصل کرنا آئے.....

✽ جب اس کو استنجاء کرنا آئے.....

✽ جب اس کو وضوء کرنا آئے.....

✽ جب اس کو نماز کے کلمات یاد ہوں.....

✽ جب وہ سبحانک اللہ یاد کر لے.....

✽ جب وہ سورہ فاتحہ یاد کر لے.....

✽ جب وہ سبحان ربی العظیم کہہ سکے.....

✽ جب وہ تشہد یاد کر لے.....

وہ تب ہی تو نماز پڑھے گا تو سات سال کی عمر تک اس کو یہ ساری باتیں یاد ہونی چاہئیں تاکہ آپ اس کو کہیں کہ وہ نماز پڑھے۔ اور بچے کی یہ تمام عمر ماں کی نگرانی میں گزرتی ہے۔ معلوم ہوا ماں آہستہ آہستہ اگر سکھائے تو سب کچھ سکھا سکتی ہے۔ اور اگر ماں نہیں سکھائے گی تو بچہ نہیں سیکھے گا۔ گویا بچے کی ابتدائی تربیت تمام کی تمام ماں کی گود سے ہوتی ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل اعمال میں یہ لکھا ہے کہ میرے والد نے جب ماں کا دودھ چھوڑا تھا تو تقریباً ایک پاؤ قرآن اُن کو یاد

ہو چکا تھا۔ ماؤں کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ابتداء سے دین دار ہوتا ہے۔ اس لئے ماؤں پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے۔

XXXXXXXXXXXX

اشاعت دین میں عورتوں کی ذمہ داری:

اب چند گزارشات میں اپنی بہنوں، بیٹیوں سے کرنا چاہوں گا کہ آپ پر دین پڑھنے کے بعد بہت بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی ہے۔ یہ قرآن و حدیث جو آپ نے پڑھا ہے آگے اس کی اشاعت، گھروں کے اندر اس کو پھیلانا اور اس کی روشنی میں خود اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیوں کو بدلنا یہ آپ خواتین کا اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں کا فرض ہے۔ اس کی تعلیم و اشاعت کی ذمہ دار آپ بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ کیونکہ دین ہماری مشترکہ متاع ہے۔ آپ نے اسلام کی اشاعت میں خواتین کی کوششوں اور قربانیوں کی داستانیں ضرور پڑھی ہوں گی ذرا توجہ فرمائیں:

سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت:

آپ کو معلوم ہے کہ سرور کائنات ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تھی تو اس وحی پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہماری ماں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں گویا یہ شرف مستورات کو حاصل ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے جس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک عورت ہے۔ اسی طرح اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ بھی ایک عورت ہے۔

پہلی شہیدہ

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام آنے اور اسے قبول کرنے کے بعد کفر سے ٹکراؤ شروع ہوا تو جہاں اور بہت سے صحابہ کفار کے مظالم کا شکار بنے وہاں خاص طور پر ایک گھرانے نے اپنی قربانیوں کی لازوال داستان رقم کی۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس گھرانے کی

ملکہ تھیں۔ یہ حضرت عمارؓ کی والدہ اور حضرت یاسرؓ کی بیوی تھیں۔ اُن کو بد بخت زمانہ ابو جہل نے شہید کیا اور اتنی بے دردی سے شہید کیا کہ آج بھی اُس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سنا ہی ہوگا آپ نے کہ اُس ظالم نے اسلام سے روکا۔ یہ نہیں رکیں۔ ہر قسم کا تشدد کیا لیکن یہ باز نہیں آئیں۔ تو ابو جہل نے دو اُونٹ لئے۔۔۔ ایک اُونٹ کے ساتھ حضرت سمیہؓ کی ایک ٹانگ اور دوسرے اُونٹ کے ساتھ دوسری ٹانگ باندھ دی اور اُونٹ مخالف سمت چلا کر بدن کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح حضرت سمیہؓ نے دو بخت ہو کر اسلام کی آبرو بچائی اور اسلام کی پہلی شہیدہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اسلام کی تاریخ خواتین کی دینی خدمات اور قربانیوں کے بے مثال واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ابتداء اسلام سے عورتیں اس دین کی خدمت اور دین کے لئے تشدد اور مشقت برداشت کرنے میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ اور اب بھی اُن کو دین کے ہر معاملے میں مردوں کے ساتھ برابر شریک رہنا چاہئے۔

✽ دین کی اشاعت میں.....

✽ دین کی تبلیغ میں.....

✽ دین کو پھیلانے میں.....

مردوں سے بڑھ کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اس الحاد اور بے دینی کے سیلاب کو روکنے میں ان کی خدمات زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں۔

آپ علم کی ترویج و اشاعت میں اپنی تاریخ کے تابناک دور پر ضرور نظر ڈالیں دیگر امور کے علاوہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی عورتوں میں انتہائی قابل رشک رہا۔۔۔ مردوں نے عورتوں سے پڑھا، عورتوں نے مردوں سے پڑھا اور یہ سلسلہ اول سے چلا آ رہا ہے کہ ازواج مطہرات نے حضور ﷺ کی باتیں نقل کیں۔۔۔ مردوں نے سنی آگے نقل کیں تو مرد عورتوں کے شاگرد بنے۔ اور مردوں سے عورتوں نے سنا۔ حدیث شریف کی اسناد دیکھنے والے جانتے ہیں کہ سند کے اندر عورت سے مرد روایت کرتا ہے مرد سے عورت روایت کرتی ہے۔ یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے چلتا رہتا ہے۔

حضرت بنوری سے اجازت حدیث:

حتیٰ کہ مجھے خود ایک خاتون کا بالواسطہ شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے وہ اس طرح کہ مجھے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ سے بھی روایت حدیث کی اجازت ہے۔ (یاد رہے کہ مولانا بنوریؒ کے حدیث میں اصل اُستاد مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ ہیں جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس تھے)

مولانا عبدالغنی مہاجر مدنی جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بھی استاد ہیں یعنی اگر سلسلہ درس کو دیکھیں تو مولانا بنوریؒ کے اوپر سید انور شاہ کشمیری اور اُن کے اوپر حضرت شیخ الہندؒ اور اُن کے اوپر مولانا قاسم نانوتویؒ اور اُن کے اوپر ہیں شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر مدنی گویا کہ چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں بزرگوں سے اجازت لینے کا ایک طریقہ ہے۔ اس طریقے سے بعض اوقات واسطے کم ہو کر سند عالی ہو جاتی ہے۔

حضرت بنوریؒ نے اپنی سند جو مجھے لکھ کر دی، اُس میں لکھا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں مولانا عبدالغنی کی بیٹی امۃ اللہ سے بھی اجازت لی ہے اور وہ میری شیخ اجازت ہیں۔ امۃ اللہ مدینہ منورہ میں اس وقت حیات تھیں انہوں نے حدیث اپنے والد گرامی سے پڑھی تھی اور وہ محدث تھیں اور دوسروں کو اجازت دیتی تھیں۔ جب حضرت مولانا بنوریؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اُن سے بھی اجازت لی۔ اور اس لمتۃ اللہ کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ سند میں کیا جس کی وجہ سے دو واسطے کم ہو کر سند عالی ہو گئی۔ گویا سیدہ امۃ اللہ برواۃ اللہ مزجعہا میری دادا استاد ہیں۔

یاد رکھیں علم دین جس طرح مردوں کی وراثت ہے اسی طرح عورتوں کی بھی وراثت ہے۔ بے شمار مرد عورتوں سے پڑھے ہیں اور بے شمار عورتیں مردوں سے پڑھی ہیں۔ عورتیں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے پڑھنا کوئی نئی بات نہیں۔ یہ سلسلہ پرانے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

احناف رحمہم اللہ کی خدمت حدیث:

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مدارس کھل گئے ہیں حدیث کا تذکرہ بھی عام ہو گیا اور اتنا عام ہو گیا کہ اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ احناف حدیث نہیں جانتے یا حنفی حدیث کا خیال نہیں کرتے۔ اب جس طرف آپ چلے جائیں، جس شہر میں چلے جائیں ختم بخاری کے اشتہارات آپ کو نظر آئیں گے یوں لگتا ہے کہ صحیح البخاری پر تو احناف کا ہی قبضہ ہے۔ اس لئے اب اس الزام کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا چرچا جتنا احناف نے کیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا۔

احناف میں تعصب نہیں ہے:

اب درمیان میں ایک بات اور بھی کہہ دوں کہ حضرت امام بخاریؒ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بعد آئے ہیں۔ ابو حنیفہؒ کی ولادت پہلی صدی ہجری میں ہوئی اور وفات 150ھ میں ہوئی۔ جبکہ امام بخاریؒ کی ولادت 194ھ میں ہوئی اور 256ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ گویا امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے 44 سال بعد امام بخاریؒ پیدا ہوئے۔ اور یہ تیسری صدی کے شخص ہیں۔

امام بخاریؒ کو بعض مسائل میں ابو حنیفہؒ کے ساتھ اختلاف تھا اور اس اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہیں کہیں امام بخاریؒ نے بہت شدت اختیار کی اور بہت سخت زبان استعمال کی ہے، ابو حنیفہؒ سے اختلاف کرتے ہوئے قال بعض الناس..... کا جملہ استعمال کیا۔ کوئی چوبیس پچیس مقامات ایسے ہیں جہاں امام بخاریؒ نے اعتراضات کئے ہیں۔ نام تو حضرت ابو حنیفہؒ کا نہیں لیا لیکن مراد وہی ہیں۔ اور بسا اوقات تلخی کے انداز میں ذکر کیا۔

ابو حنیفہؒ کے ساتھ امام بخاریؒ کے اختلافات کے باوجود ہم نے امام بخاریؒ کی اس کتاب کو سینے سے لگایا۔ پڑھا، اور پڑھایا اور ہم نے نہیں ہمارے تمام اکابر نے اور جہاں پر حضرت امام بخاریؒ ابو حنیفہؒ پر اعتراض کرتے ہیں تو ہم امام بخاریؒ کا اعتراض

بھی نقل کرتے ہیں اعتراض نقل کرتے ہوئے کوئی بے ادبی کا لفظ زبان سے نہیں نکالتے۔ امام بخاریؒ کا یہ قول، امام بخاریؒ نے یہ کہا۔ امام بخاریؒ نے یہ کہا، امام بخاریؒ کا یہ اعتراض ہے اور پھر ہم اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ علماء احناف نے ہر جگہ پورے جواب اُن کے دیئے لیکن مجال ہے کہ کہیں ادنیٰ بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہو۔ اس اختلاف کو رحمۃ اللہ۔۔ رحمۃ اللہ کے الفاظ کے ساتھ بڑے پیارے انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

اختلافات کا حل:

اور اسی طرح سے فقہ پڑھاتے ہوئے بھی صبح سے شام تک ہم امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ سے فقہی اختلافات کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اختلاف و اعتراض میں حد درجہ ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دعائیہ جملوں کا استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح سے میں نے یہاں امام بخاریؒ کا نام لیا تو رحمۃ اللہ کہا اسی طرح صبح و شام اختلافات کا تذکرہ ہوتا ہے جس میں کوئی تلخی نہیں ہوتی۔ کوئی لڑائی نہیں ہوتی۔ کسی قسم کا فساد نہیں ہوتا۔۔۔ یہ احنافؒ کی وسعت ظرفی ہے کہ امام بخاریؒ کے ابوحنیفہؒ سے اختلاف کے باوجود بھی بخاریؒ کو اپنے سینے سے لگایا، پڑھا اور پڑھایا۔

دوسری طرف ہمارے بعض بھائی اس قسم کے بھی ہیں (اللہ ان کو ہدایت دے) کہ ان اختلافات کو انہوں نے اتنا تلخ بنا دیا ہے کہ آئمہ کرام کے نام بھی سیدھے طریقہ سے نہیں لیتے رحمۃ اللہ کہنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ یہ لوگ اُمت میں خواہ مخواہ فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔۔۔ اختلاف کرنا کوئی برا نہیں ہے لیکن انداز عالمانہ ہونا چاہئے۔۔۔ سوال کیا جائے ادب کے ساتھ۔۔۔ جواب لیا جائے ادب کے ساتھ۔۔۔ اس سلسلہ میں تلخی پیدا کر کے لڑائی اور فساد کا ماحول بنا لینا اور امام ابوحنیفہؒ کے خلاف بدزبانی کرنا انتہائی بدتہذیبی ہے۔ اور اختلاف و مخالفت کے فرق کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔

احنافؒ سے یہ سبق تو سیکھ لو کہ احناف نے کتنی وسعت کے ساتھ کشادگی دل کا ثبوت دیا ہوا ہے۔ اختلافات کے باوجود ہم ان سب کتابوں کو سینے سے لگائے بیٹھے

ہیں اور ان اختلافات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور نہایت ادب کے ساتھ ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کسی قسم کی تلخی درمیان میں نہیں آتی۔

میرا مشورہ ہے کہ اگر ہمارے دوسرے بھائی بھی یہی انداز اختیار کر لیں تو آئے دن کی لڑائی بھڑائی کی باتیں سب کی سب ختم ہو جائیں۔ بہر حال مستورات کے لئے بھی مبارکباد ہے اور بچیوں کے لئے بھی اور ان کے والدین کے لئے بھی۔ اب ان بچیوں پر یہ ذمہ داری آگئی ہے کہ وہ اس علم کی اشاعت میں برابر کی شریک ہوں۔ اور اپنے گھروں کا تمدن بدلیں۔ رسم و رواج کو ختم کریں۔ علم کو پھیلانیں، گھروں کا سنوارنا مستورات کے ہاتھ میں ہے۔ جاندار تصویریں گھروں سے نکالیں۔ ٹی وی اور فلمیں اور سینے گھروں سے ختم کر۔

یہ باتیں زیادہ تر مستورات کے اختیار میں ہوا کرتی ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر نہیں گئے کہ انہوں نے گھر میں ایک جگہ کپڑے کی تصویر لٹکالی تھی۔ جب تک وہ نکلوا نہیں دی آپ اُن کے گھر نہیں گئے۔ جس گھر میں کتا ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ اب ان ساری کی ساری چیزوں سے آپ گورک جانا چاہئے اور اپنے گھروں کے ماحول کو صاف کر لینا چاہئے۔

دینی مدارس کی طالبات کی ذمہ داریاں:

وہ لڑکیاں جنہوں نے سکولوں اور کالجوں میں پڑھا ہے۔ اُن میں اور تم میں جنہوں نے بخاری پڑھی ہے۔ حدیث پڑھی ہے۔ فقہ پڑھی ہے۔ نمایاں فرق نظر آنا چاہئے۔ آپ اگر اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں تو ماں باپ کی فرمانبرداری رہیں۔ شادی ہو جائے تو خاوند کی فرمانبرداری رہیں اور خاوند سے غلط مطالبے کرنے کی بجائے صحیح مطالبے کر کے ان کو راہ راست پر لائیں۔ عورتوں میں یہ اثر ہے کہ غلط بات بھی منوالیتی ہیں تو صحیح بات کیوں نہیں منوائیں۔ اس لئے اس پڑھنے کے ساتھ تم پر بھی ذمہ داری آگئی ہے کہ تم باقی لڑکیوں سے ممتاز ثابت ہوں تاکہ تمہیں دیکھ کر دوسروں کو بھی

شوق ہو کہ ہم بھی بچیوں کو دین پڑھائیں کہ دیکھو بچیاں دین پڑھنے کے بعد کتنی تہذیب والی ہو گئیں۔ کتنی اچھی ہو گئیں۔ ماں باپ کا ادب کرتی ہیں۔ بہن بھائیوں سے محبت کرتی ہیں۔ خاوند کی فرمانبرداری ہے۔ شادی ہونے کے بعد گھروں کا ماحول بدل گیا۔ آپ کا یہ عمل تبلیغ کا ذریعہ بنے گا۔ اس لئے آپ نے اپنے عمل اور کردار سے ثابت کرنا ہے کہ دین پڑھنے والی بچیاں سکولوں اور کالجوں میں دنیاوی تعلیم پڑھنے والی بچیوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ اور تمہارا عمل اور کردار ایک مستقل تبلیغ ہوگا۔

امام بخاریؒ کا انوکھا انداز:

اب آئیے سبق کی طرف۔۔۔ امام بخاریؒ نے کتاب شروع کی بسبب بدء الوحی سے اور یہ اُن کا اپنا ایک انوکھا انداز ہے کہ سب کتابوں سے ہٹ کر انہوں نے یہ انداز اختیار کیا۔۔۔ اختصاراً عرض کرتا ہوں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بندوں تک وحی کے ذریعہ سے آئی ہے اور اللہ کی مرضیات معلوم کرنے کا طریقہ صرف اور صرف وحی الہی ہے۔ وحی کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا نہیں ہے۔

دیکھئے ہم انسان ہیں۔ آپس میں بہن بھائی ہیں۔ دوست ہیں۔ ایک دوست ہمارا مہمان آجاتا ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ ٹھنڈا پسند کرتے ہیں یا گرم؟ چائے پیس گے یا آپ کیلئے بوتل منگوائیں؟ بوتل منگوائیں تو کون سی منگوائیں؟۔۔۔ ہمارے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اُس کے دل میں خواہش کیا ہے۔ تو جب ہم انسان سے پوچھے بغیر اس کے دل کی خواہش معلوم نہیں کر سکتے۔ اگر ہم عقل کے ساتھ سوچ کر ایک آدمی کے سامنے چائے رکھ دیں اور وہ کہے کہ میں چائے نہیں پیتا، میں تولسی پیتا ہوں۔ اس لئے پوچھنا پڑتا ہے۔

جب ہم اپنے بھائیوں کی خواہش معلوم نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات جووری الوری ہے۔ ہم کیسے پہچان سکتے ہیں کہ اس کو کون سی چیز پسند ہے اور کون سی نہیں۔ یہ اس

کی مہربانی ہے کہ اپنی مخلوق کو اپنی مرضیات بتانے کے لئے اس نے وحی کا سلسلہ رکھا اور مخصوص بندوں پر وحی اتاری۔ اس لئے اللہ کا دین وہی ہے جو وحی سے معلوم ہو۔ عقل اور اگر کوئی آدمی اپنی فہم اور سمجھ کے ساتھ کوئی بات بنالے چاہے وہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اس کی نسبت وحی کی طرف نہیں ہے تو اس کو دین نہیں کہیں گے۔ دین وہی ہے جو وحی سے ثابت ہو۔ وحی سے ایمان پیدا ہوگا۔ آگے کتاب الایمان لے آئے اور ایمان کا مطلب ہے کہ اللہ کے احکام ماننے کا وعدہ کر لیا۔ تو تربیت دے دی علم حاصل کرنے کی۔ آگے پھر احکام کا سلسلہ شروع ہو گیا عملی زندگی کو نقل کرتے کرتے آخر میں پھر انہوں نے توحید کو رکھا تا کہ خاتمہ کتاب التوحید پر ہو اور یہ بھی حسن انجام کی طرف اشارہ ہے۔ سب سے آخری کتاب امام بخاریؒ نے کتاب التوحید لکھی ہے۔ اور کتاب التوحید کا خاتمہ وزن اعمال کی حدیث پر کیا ہے۔

اعمال کو وزن کرنے کے بارے میں باطل نظریہ کی تردید:

وزن اعمال میں یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب نے پیش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ترازو قائم کریں گے انصاف کا۔ جس میں انسان کے اقوال بھی تولے جائیں گے اور اعمال بھی تولے جائیں گے۔ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں کچھ ایسے فرقوں کا ذکر کیا ہے جن کے نظریات غلط تھے۔ ان میں ایک فرقہ معتزلہ بھی ہے۔ جو انکار کرتا تھا کہ ترازو نہیں ہے۔ عمل نہیں تولا جائے گا، قول نہیں تولا جائے گا۔ وہ کہتے تھے کہ جو عمل انسان کرتا ہے فوراً فنا ہو جاتا ہے، اس کا وجود ہی کوئی نہیں۔ تو امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ عقلی ڈھنگو سلوں سے کام نہیں چلے گا اللہ کے قول سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن میزان ہوگی اور اللہ تعالیٰ عمل کو بھی تولیں گے اور قول کو بھی تولیں گے۔

جدید تحقیقات اور وزن اعمال:

عمل کو کیسے تولیں گے قول کو کیسے تولیں گے۔ علم غیب کو ہم نہیں جانتے لیکن سرور

کائنات ﷻ کے بیان کرنے پر ہم ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ دیکھے بغیر ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ واقعتاً ترازو ہوگی اور اس میں اعمال بھی تولے جائیں گے اور اقوال بھی تولے جائیں گے۔ پرانے زمانے میں اس کی کئی توجیہات کی جاتی تھیں کہ کیا وہ نامہ اعمال تولایا جائے گا یا عامل کو خود کو تولایا جائے گا؟ اس کی کیا صورت ہوگی؟

علماء نے کئی احتمالات بیان کئے ہیں لیکن آج اس دور میں نئی تحقیقات نے سارے الزامات خود بخود مسترد کر دیئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ نہ تو قول فنا ہوتا ہے نہ عمل فنا ہوتا ہے۔ دونوں ہی باقی رہنے والی چیزیں ہیں۔ قرآن کریم نے تو کہا تھا کہ

جو تم ہاتھ سے کرتے ہو وہ سارے کا سارا ہاتھ میں محفوظ ہو جاتا ہے.....

زبان سے بولتے ہو وہ سارے کا سارا زبان میں محفوظ ہو جاتا ہے.....

کان سے سنتے ہو وہ سارے کا سارا کان میں محفوظ ہو جاتا ہے.....

آنکھ سے دیکھتے ہو وہ سب کا سب آنکھ میں محفوظ ہو جاتا ہے.....

حتیٰ کہ تمہارا چہرہ تمہارے اقوال، افعال اور اعمال کو ریکارڈ کر رہا ہے اور وہ زمین جس پر تم عمل کرتے ہو تمہارے اعمال کو محفوظ کرتی ہے۔ اور یہ میں نہیں کہتا قرآن کہتا ہے..... يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا..... زمین اس دن اپنی خبریں بیان کرے گی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور صحابہؓ سے پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے یہ خبریں کیا ہوں گی جو زمین دے گی وہ خبریں یہی ہیں کہ زمین بتائے گی کہ

میرے اوپر رہتے ہوئے اس نے نماز پڑھی تھی.....

میرے اوپر رہتے ہوئے اس نے چوری کی تھی.....

میرے اوپر بیٹھے ہوئے اس نے یہ بات کی تھی.....

میرے اوپر بیٹھے ہوئے اس نے یہ گناہ کیا تھا.....

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمین میں بھی سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ جو کچھ

آپ کرتے ہیں اور کاتب اعمال علیحدہ انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان کا کوئی عمل کوئی قول ضائع نہیں ہوتا۔ آج ان ایجادات سے معلوم ہو گیا کہ سب

کچھ محفوظ ہے۔ اس وقت اگر ہماری اس موجودہ حالت کو کسی مشین کے ذریعہ سے ریکارڈ کیا جائے۔ دس سال کے بعد بھی آپ دیکھیں گے تو ایسے ہی معلوم ہوگا۔ یہی حرکتیں معلوم ہوں گی۔ یہی الفاظ آپ سنیں گے۔ یہی مجمع آپ کو نظر آئے گا۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ الفاظ بھی محفوظ ہیں۔ حرکات بھی محفوظ ہیں۔ افعال بھی محفوظ ہیں۔ کوئی چیز ضائع نہیں گئی۔

گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ:

یہ تصور ایسا ہے جو قرآن وحدیث نے ہمارے سامنے دیا۔ اگر ہم اس کو اپنالیں تو انسان گناہ سے بچ جائے گا۔ گناہ کا دار و مدار اخفا پر ہے۔۔۔ یاد رکھئے بہت سارے گناہ کرتے ہوئے انسان یہ سوچتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ چوری کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ بدمعاشی کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ خیانت کرتا ہے تو اس خیال سے کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ اور کیمرہ لگائے ہوئے ہماری تصویر لے رہا ہے تو اس تصور کے ساتھ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی بھی کوئی حرکت غلط کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ آپ ایک کمرے میں ہوں، دروازے بند کر لیں اور یہ خیال ہو کہ کیمرہ روشن دان میں لگا ہوا ہے اور ہماری سب نقل و حرکت کی فلم بن رہی ہے تو آپ بہت محتاط ہو کر رہیں گے اور کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں کریں گے۔

فکر آخرت کا سبب:

تو اعمال کا محفوظ ہونا، اقوال کا محفوظ ہونا فکر آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کو بولتے وقت بھی سوچنا چاہئے کہ میری زبان سے جو نکل رہا ہے کل کو وہ میرے سامنے آئے گا۔ اور کام کرتے ہوئے بھی سوچنا چاہئے کہ مجھ سے جو فعل سرزد ہو رہا ہے وہ کل کو میرے سامنے آئے گا۔ چھپ نہیں سکتا۔ میرا بدن بھی گواہ ہے۔ فرشتے بھی گواہ ہیں زمین بھی گواہ ہے۔ کائنات گواہ ہے۔ کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ جب یہ تصور ہوگا تو پھر انسان برائی نہیں کرے گا اور برائی سے بچے گا۔ تو وزن اعمال کے تصور سے فکر آخرت پیدا

ہو سکتا ہے۔۔ تو گویا امام بخاریؒ نے آخر میں اس کا ذکر کر کے آپ کے اندر فکر آخرت پیدا کی ہے۔ کہ اپنے قول اپنے فعل کا جائزہ لیا کرو یہ نہ ہو کہ کل کو آپ کا قول آپ کے لئے وبال بن جائے۔ آپ کا فعل آپ کے لئے وبال بن جائے۔ یہ تصور کیا کرو کہ کل کو سب کچھ میرے سامنے آتا ہے۔ جیسے میں نے عرض کیا کہ گناہ کا دار و مدار ہی اخفاء پر ہے۔

گناہ کی علامت:

سرور کائنات ﷺ سے ایک دفعہ صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ہم کیسے پہچانیں کہ ہم جو کام کرنے لگے ہیں وہ غلط ہے تو آپ ﷺ نے کتنا سادہ سا معیار بتایا کہ..... كَرِهْتُ اَنْ يُّطْلَعَ عَلَيِّهِ النَّاسُ (ص) گناہ کی علامت یہ ہے کہ کسی کو پتہ چلنا ناپسند ہو۔ تیرا دل یہ چاہے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ گناہ آدمی چھپ کے کرتا ہے اس کا اظہار نہیں کرتا۔ لیکن قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ بات چھپی نہیں رہتی چاہے تم کہیں چھپ کر کرو۔ زمین کے اندر جا کے کرو، باہر کرو۔ پہاڑوں میں چٹانوں میں کرو، ہر چیز محفوظ ہے۔ اس کے ساتھ انسان میں احتیاط پیدا ہوگی اور فکر آخرت پیدا ہوگی۔

تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کریں گے اور امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ بنی آدم کے اعمال بھی اور ان کے اقوال بھی تو لے جائیں گے۔ اور آگے حضرت امام بخاریؒ اپنی عادت کے مطابق قرآن و حدیث کے حل کے لئے دوسرے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور دوسرے علماء کے اقوال کے ساتھ سمجھاتے ہیں۔ ورنہ ایسی کون سی بات ہے کہ وہ اپنی طرف سے کہہ دیں لیکن نام لے کر کہتے ہیں کہ مجاہد کہتے ہیں کہ قسطاس عدل کے معنی میں ہے۔ اور تابعین کے اقوال نقل کرنا۔ تذکرہ مسائل کے وقت۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ امام بخاریؒ قرآن و حدیث کو اقوال تابعین سے سمجھتے تھے۔ تابعین کے بعد والے جو ہوں گے وہ ان کے اقوال کے ساتھ سمجھیں گے۔ اسی طریقہ سے بالترتیب ہم سمجھتے آرہے ہیں۔ اصل طریقہ یہی ہے جو حضرت امام بخاریؒ نے اختیار کیا۔

امام بخاریؒ مقلد تھے:

امام بخاریؒ یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے علاوہ کسی کی بات حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کا صحیح مطلب علماء سے پتہ چلتا ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ بھی مسئلہ بیان کرتے ہوئے اپنے زمانے سے پہلے لوگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ حسن بصریؒ نے یہ کہا۔ سعید ابن المسیبؒ نے یہ کہا۔ مجاہدؒ نے یہ کہا۔ اور اُن کے اقوال نقل کر کے بات کی وضاحت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث پر عمل اُس کے ماہرین سے پوچھ کر کرنا چاہئے۔ اسلاف کو چھوڑ کر براہ راست اپنی عقل پر مدار رکھنا، یہ امام بخاریؒ کا طریقہ نہیں ہے۔ مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ رومی زبان میں قسطاس عدل کو کہتے ہیں تو عربی میں بھی اسی معنی میں ہوگا۔

آگے ایک حریف بحث کہ المقسطیہ قسط کا ماخذ ہے۔ قسط حصے کو کہتے ہیں۔ اس میں دو پہلو ہوتے ہیں۔ اپنا حصہ لینا انصاف ہے دوسرے کا حصہ لینا ظلم ہے۔ یہ لفظ دونوں معنی ادا کرتا ہے۔ باب افعال سے آئے تو یہ انصاف والا معنی ادا کرتا ہے۔ اور مجرد سے آئے تو ظلم والا معنی ادا کرتا ہے۔ اس لئے إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الآیہ) کا معنی ہے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اما القاسطون فكانوا لجهنم حطباً۔ قاسط وہاں پر ظالم کے معنی میں ہے۔ یہ امام بخاریؒ نے لفظ کی تحقیق کر دی یہ لفظ چونکہ قرآن کریم کی آیت میں آیا تھا ونضع الموازين القسط تو اس مناسبت سے اس لفظ کی وضاحت کر دی۔

اور آگے وہ روایت مذکور ہے جس میں امام بخاریؒ نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمن کو بڑے پسند ہیں۔ کلمے سے کلام مراد ہے۔ یعنی دو باتیں ایسی ہیں جو رحمن کو بہت محبوب ہیں۔ اور وہ ہیں:

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم..

وَأَخْرَجُوا نَا أَن الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

روشن خیالی کی حقیقت

بہ موقع ۸ ختم مشکوٰۃ المصابیح

بہ مقام ۸ مدرسہ عائشہ للبنات بہاولپور

وقت ۸ صبح 10 بجے

تاریخ ۸ رجب: ۱۴۲۶ھ

روشن خیالی کی حقیقت؟

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ أَنْفُسَنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

أَمَّا بَعْدُ!

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارَثَةِ قَطَعَ اللّٰهُ مِيرَاثَهُ
مَنْ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهَ وَرَوَاهُ بَيْهَقِي فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔



ہدیہ تبریک:

سب سے پہلے میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں اُس محترمہ کو جس نے اس کارِ خیر کو شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ اُس بدر سے کو قیامت تک جاری رکھے۔ یہ کارِ خیر جب تک جاری رہے گا پڑھنے پڑھانے والوں کے برابر ثواب اس محترمہ کو بھی ملتا رہے گا۔ اور اس کے معاونین جن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی حضرت ڈاکٹر صاحب، اُن کے رفقاء اور اساتذہ کرام سب لائق تحسین ہیں۔ یہ حضرات قوم کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں جو مخلوق کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں آگے پہنچاتے رہتے ہیں۔ بچیوں کو بھی بہت بہت مبارک ہو!

چہل حدیث کی فضیلت:

کتاب العلم میں آپ نے ایک روایت پڑھی تھی کہ سرور کائنات ﷺ سے پوچھا گیا تھا کہ اُس علم کی حد کیا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس صاحبِ علم کو فقیہ بنا کر اُٹھائے گا؟۔ یعنی اس کا شمار فقہاء اور علماء میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے لئے دین کے بارے میں میری چالیس باتیں محفوظ کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کو فقیہ بنا کر اُٹھائے گا اور اس کا شمار اُن چالیس روایتوں کی وجہ سے فقہاء علماء میں ہوگا۔ اور یہ کتاب جو اس وقت سامنے رکھی ہوئی ہے یہ اس کتاب کا پہلا حصہ ہے۔ اور طالبات کے نصاب میں اس کا پہلا حصہ ہی شامل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ تقریباً اس سے دس پندرہ ورق زائد ہے اور یہ مکمل کتاب تقریباً چھ ہزار چوبیس روایات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا پہلا آدھا حصہ تین ہزار کے قریب روایات پر مشتمل ہے۔ گویا اس ایک جلد میں سرور کائنات ﷺ کی تین ہزار باتیں نقل کی گئی ہیں۔

اگر چالیس احادیث کو محفوظ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فقہاء کا درجہ دیتا ہے تو جو تین ہزار روایات پڑھیں۔ اور تین ہزار روایات پڑھائیں۔ اور پڑھنے والے بھی اس کو یاد کر کے آگے پہنچانے کا ارادہ کریں۔ آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

ایسے شخص کا کیا مقام ہوگا؟ اور جب مکمل کتاب پڑھی جائے گی تو چھ ہزار روایات ہو جائیں گی۔ صرف اس کتاب کے پڑھنے سے چھ ہزار روایات یعنی سرور کائنات ﷺ کے اقوال و افعال اور آپ ﷺ کے سامنے ہونے والے کاموں اور آپ ﷺ کے سامنے ہونے والی باتوں کا تذکرہ چھ ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ مکمل کتاب پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا فضیلت نصیب ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

میرے سامنے یہاں پر کچھ ایسے دوست بھی بیٹھے ہیں جن کا ان مدرسوں میں زیادہ آنا جانا نہیں ہوتا یا جلسوں میں شرکت نہیں ہوتی یا واقف نہیں ہوتے۔ ایسا ہی خیال ہے کہ شہر سے مستورات بھی آئی ہوئی ہوں گی ان کی معلومات کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ اس کتاب کا نام مشکوٰۃ المصابیح ہے۔ عوام کے لئے جو دینی تعلیم سے تعلق نہ رکھتے ہوں ان کتابوں کے نام بھی عجیب سے ہیں۔ اور نام سے سمجھ نہیں آتا کہ یہ کتاب کیا ہے اور اس میں کیا باتیں ہیں؟

مشکوٰۃ المصابیح کا تعارف:

اصل بات یہ ہے کہ ”مصابیح“ ایک بزرگ کی لکھی ہوئی کتاب تھی جس میں انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع کئے تھے جبکہ ان جمع شدہ اقوال کی سند بیان نہیں کی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی اس میں کمیاں تھیں جیسے کسی ابتدائی کام ہوتی ہیں اور کئی ساری چیزیں چھوٹ جاتی ہیں جسے کوئی دوسرا آکر درست کرتا ہے اور اس کی تکمیل کرتا ہے۔ کتاب کا نام انہوں نے مصابیح رکھا تھا۔

مصابیح جمع ہے مصباح کی اور مصباح کہتے ہیں چراغ کو۔ جو روشنی کا آلہ ہے۔ جامع نے اپنی جمع کردہ ہر ہر روایت کو گویا ایک چراغ قرار دیا اور چراغ کا تصور تو آپ کے ذہن میں ہے ہی کہ یہ اندھیرے میں روشنی حاصل کرنے کے لئے جلایا جاتا ہے اور جو چیزیں اندھیرے میں نظر نہیں آتیں اُس کے جلنے کے بعد نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ نور اور روشنی کا یہی معنی ہوتا ہے۔ گویا کہ اس نام سے تصور دیا تھا کہ سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک روایت چراغ ہے۔ روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کے ساتھ اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ ظلمتیں چھٹی ہیں اور دنیا روشن ہوتی ہے۔ اس نام سے تاثر ہے کہ جو شخص ان روایات کو پڑھ لے گا گویا اس کے سامنے نور کی کرنیں ہی کرنیں ہوں گی اور:

❁ کوئی جہالت کی ظلمت.....

❁ کوئی کفر کی ظلمت.....

❁ کوئی شرک کی ظلمت.....

❁ کوئی بدعت کی ظلمت.....

اُس کے سامنے ٹھہرے گی نہیں۔ نور ہی نور روشنی ہی روشنی ہو جائے گی۔ مصباح کا یہ معنی ہے۔ لیکن اُس کوشش میں بعض کمیاں رہ گئیں جس سے استفادے میں کچھ وقت تھی۔ تو اس کتاب کے مؤلف نے اس کے اوپر اصلاحی نظر ڈالی اور اس میں جو کمیاں تھیں اُن کی تلافی کی اور اس کے بعد اس کا نام رکھا ”مشکوٰۃ المصابیح“ مشکوٰۃ کا لفظ قرآن کریم میں موجود ہے۔ مشکوٰۃ کہتے ہیں دیوار کے اندر بنے ہوئے طاقے کو۔ جس کے اندر پرانے زمانے میں لوگ چراغ رکھا کرتے تھے۔

اب ہم دیواروں پر لگا دیتے ہیں۔ چھتوں سے لٹکا دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ دیواروں کے اندر آ لے (طاقے) بنا کر اُن میں چراغ جلا کر رکھ دیتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایک تو ہوا سے جلدی بجھتا نہیں تھا اور دوسرا یہ فائدہ تھا کہ جب کھلے میدان میں چراغ رکھا ہو تو اس کی روشنی میں پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے چمک کم ہوتی ہے اور جتنا اُس کی روشنی کو محدود کر دیا جائے اُس میں چمک زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔

اب چونکہ اُن کی اس اصلاح کے ساتھ ان روایات سے افادہ عام ہو گیا اور پہلے کی نسبت زیادہ فائدہ ہونا شروع ہو گیا اور جو کچھ کمی کوتاہی تھی دور ہو گئی۔ گویا انہوں نے حدیث کے ان چراغوں کو اٹھا کر طاقے میں رکھ دیا جس کے ساتھ وہ محفوظ بھی ہو گئے اور ان کی روشنی بھی تیز ہو گئی۔

مشکوٰۃ المصابیح کا معنی:

تو مشکوٰۃ المصابیح کا معنی یہ ہوا کہ جس طرح دیوار میں طاقچہ ہوتا ہے اور اُس میں چراغ روشن ہوتا ہے۔ اُسی طرح اس کتاب میں جمع شدہ ساری باتیں چراغ ہیں۔ اس میں حضور ﷺ کا یا تو قول ہے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ اور یا اس میں فعل ہے کہ آپ نے کیا کیا؟ یا آپ ﷺ کے سامنے کوئی واقعہ پیش آتا تھا یا کوئی شخص بات کرتا تھا اگر وہ صحیح ہوتی تو حضور اس کو صحیح قرار دے دیتے۔ غلط ہوتی تو حضور ﷺ اُس کو غلط قرار دے دیتے۔

چنانچہ اگر آپ ﷺ نے کسی بات کو سن لیا اور اس پر خاموشی اختیار کر لی یا کسی کو کام ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور اُس پر خاموشی اختیار کر لی۔ یہ خود دلیل ہے کہ یہ کام صحیح ہے اور اُس کو بھی حدیث کے برابر شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اُس کے سامنے کوئی غلط بات آئے اور وہ انکار نہ کرے یا نبی کے سامنے کوئی غلط کام آئے تو وہ اُسے روکے نہیں۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ جب ممکن نہیں ہے اور آپ ﷺ کے سامنے کام کیا گیا اور آپ ﷺ نے روکا نہیں۔ وہ کام صحیح ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے کان میں بات پڑی اور آپ نے اس کا انکار نہیں کیا وہ بات صحیح ہے۔ اس کو ہم تقریری احادیث کہتے ہیں کہ ان باتوں کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت قرار دیا ہے۔

حدیث کی تعریف:

آپ ﷺ کی زبان سے بولی ہوئی بات اور آپ ﷺ کے اعضاء بدن سے کیا ہوا کام اور آپ ﷺ کا برداشت کیا ہوا قول و فعل جس پر آپ ﷺ نے انکار نہ کیا ہو۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ اور یہ وہ ہیں کہ ان کو علماء اُمت مصابیح قرار دیتے ہیں ان میں سے ایک ایک روایت اللہ کی طرف سے روشنی اور نور ہے۔ اور یہ کتاب اس قسم کے چھ ہزار چراغوں پر مشتمل ہے، اور اس مشکوٰۃ میں آ کر اس کی نورانیت کو بڑھا دیا۔ اس سے یہ اثر ہوا کہ جو شخص اول سے لے کر آخر اس کتاب کو پڑھ

لے وہ اتنے سارے چراغوں کا مالک ہو گیا کہ اب اُس کے سامنے اندھیرا نہیں ٹھہرے گا۔

✽ اندھیرا جہالت کا بھی ہوتا ہے.....

✽ اندھیرا کفر کا بھی ہوتا ہے.....

✽ اندھیرا بدعت کا بھی ہوتا ہے.....

ہر وہ کام جو اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے خلاف ہو وہ ظلمت کا مصداق ہے اور جو کام اللہ اور اللہ کے رسول کی مرضی کے مطابق ہو وہ نورانیت کا مصداق ہے۔ یہ ہے جو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو روشنی کی کرنیں سمجھتے ہیں اور اُن سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ایک روشن راستے کے اوپر چلتے ہیں۔

اُلٹی اصطلاح:

بچیاں بھی سمجھیں اس بات کو اور دوسرے حضرات بھی سمجھیں۔ آج کل بعض اصطلاحات اس قسم کی چل پڑیں ہیں جن کا مفہوم بالکل برعکس لے لیا گیا۔ مثلاً ظلمت کیا ہے؟ اندھیرا جس کو ہم تاریکی کہتے ہیں۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ تاریک رات ہے۔ اندھیری رات ہے۔ اور روشنی نور کو کہتے ہیں۔ اُس میں ہر چیز واضح ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی جبکہ ظلمت میں چیزیں مخفی ہوتی ہیں۔

روشن خیالی کیا ہے:

قرآن کی اصطلاح میں اُن اشخاص کے دل دماغ میں روشنی ہے اور وہ روشن خیال ہیں جن کے دل میں اللہ اور رسول کی باتیں ہوتی ہیں۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ کتاب کا نام اس بات کو واضح کرتا ہے۔ کہ اصل کے اعتبار سے نور اور روشنی اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں ہیں۔ تو جس کے دل اور دماغ میں یہ باتیں بیٹھی ہوئی ہیں اور اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کی باتوں کو سمجھا ہوا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے

نزدیک روشنی میں ہے۔ اور جو یہ بات نہیں سمجھتا کہ کن باتوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے وہ اندھیرے میں ہے۔

روشن خیال قرآن کی نظر میں:

اور قرآن کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ روشن خیال وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو سمجھتا ہے اور جو نہیں سمجھتا اور ان کو دل و دماغ میں جگہ نہیں دیتا وہ تاریک خیال ہے۔

فمن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور

جس کے لئے اللہ نور نہ بنائے اور اُس کو نور عطا نہ کرے اُس کے سامنے کوئی روشنی نہیں ہوتی وہ..... ظلمات بعضہا فوق بعض..... وہ اوپر تلے اندھیروں کے اندر بھٹکتا پھرتا ہے اُس کو کچھ پتہ نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا؟ اُس کو کچھ پتہ نہیں کہ جس سڑک پر میں دوڑا جا رہا ہوں:

❖ یہ کسی کھڈ میں گرے گی.....

❖ یا کسی باغ تک پہنچے گی؟.....

❖ ہلاکت تک جائے گی.....

❖ یا نجات و فلاح تک جائے گی؟.....

اُس کو کچھ پتہ نہیں ہے..... ظلمات بعضہا فوق بعض..... بعض تاریکیاں

بعض کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں..... ان اخراج یدہ لم یکدیراھا

اتنی تاریکی چھائی ہوئی ہے اُس کے سامنے کہ اگر اپنا ہاتھ بھی دیکھنا چاہے تو اُس کو دکھائی نہیں دیتا۔ جو شخص اس قدر تاریکی میں ڈوبا ہوا ہو کہ وہ اپنا ہاتھ نہیں دیکھ سکتا اور اُس کے سامنے کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں۔ اُس کو کہتے ہیں تاریک خیال؟ اللہ کس بات پر راضی ہے کس بات پر راضی نہیں؟ اُس کو کچھ پتہ نہیں..... اُس کی آنکھیں بند ہیں..... چوپٹندہ ہے..... انجام اچھا ہوگا برا ہوگا؟..... مرنے کے بعد کیا ہوگا کیا نہیں

ہوگا؟..... اُسے کچھ پتہ نہیں..... اُس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اُس کے کیا حقوق ہیں؟ اُسے کچھ معلوم نہیں۔

حیوان نما انسان:

ایک جاندار کی حیثیت سے دنیا میں آ گیا۔ اپنا وقت گزارتا رہا اور اپنی خواہشات پوری کرتا رہا۔ اور کون سا جاندار ایسا ہے جو اس دنیا میں اپنی خواہشات پوری نہیں کرتا۔ گویا یہ بھی ایک دو ٹونگا حیوان ہے جو دیگر حیوانات کی طرح اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کرتا ہوا اپنی زندگی پوری کر رہا ہے۔

موجودہ دور کا اہم ترین موضوع:

سرور کائنات ﷺ کے آنے سے پہلے مخلوق موجود تھی اور سرور کائنات ﷺ نے آ کر کیا نور پھیلایا؟ اور مخلوق کا رخ کس طرح سے بدلا؟ یہ اس دور کا اہم ترین موضوع ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ گلی گلی اور جگہ جگہ اس کا تذکرہ ہونا چاہئے کہ اگر اللہ اور اللہ کے رسول کے قائل ہو تو تمہیں نور اور تاریکی کا فیصلہ قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر کرنا چاہئے کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اور تاریک خیالی کیا ہے؟

البتہ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی جواب دینا چاہتے ہو کہ ہمارے لئے ہماری عقل کی روشنی کافی ہے اور ہمارے لئے ہماری خواہش کی روشنی کافی ہے تو پھر بتاؤ دنیا کس مذہب کا کون سا انسان ایسا ہے جو اپنی عقل کے مطابق نہیں چلتا؟؟

بدھ ہیں؟

سکھ ہیں؟

پاری ہیں؟

دھریے ہیں؟

عیسائی ہیں؟

یہودی ہیں؟

پھر پہلے مسلمان و کافر کی یہ تقسیم ختم کرو۔ بس ایک حیوان ہونے کی زندگی گزارو کہ کھانا پینا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ یہ کام تو دنیا میں ہر شخص کر رہا ہے۔ اس طرح سارے تفرقے مٹ جائیں گے اور سب کے سب ایک ہی مخلوق ہو کر جنگلی جانوروں کی طرح سے اپنا وقت گزاریں گے اور کھاپی کر عیش کر کے چلے جائیں گے۔

روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار:

اور اگر اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق رکھنا ہے اور تمہارے نزدیک یہ دو قسمیں ہیں۔ جیسے کہ تمہارا آئین کہتا ہے کہ تمہارے آئین میں بھی مسلمان اور کافر کی تعریف موجود ہے تو پھر لازماً تمہیں دیکھنا ہوگا کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اور تاریک خیالی کیا ہے؟ روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار ہے قرآن اور حدیث۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں۔

جو شخص اُن کے مطابق سوچے گا..... ❁

جو شخص اُن کے مطابق بولے گا..... ❁

جو شخص اُن کے مطابق عمل کرے گا..... ❁

جو شخص اُن کے مطابق زندگی گزارے گا..... ❁

وہ روشن خیال ہے اور جو شخص اُس کے خلاف چلے گا وہ تاریک خیال ہے۔ روشن خیال ہوگا حلال اور حرام میں فرق کرے گا۔ روشن خیال ہوگا عدل اور ظلم میں فرق کرے گا۔ پیدا ہونے سے لے کر موت تک کی پوری شاہراہ اس کتاب کے اندر واضح کر دی گئی ہے۔

کہ تمہارا اللہ سے کیا تعلق ہے؟..... ❁

اللہ سے تم نے کیا تعلق رکھنا ہے؟..... ❁

رسول سے تمہارا کیا تعلق ہے؟..... ❁

رسول سے تم نے کیا تعلق رکھنا ہے؟.....

حرام و حلال معاملات و معاشرت سب کچھ اس کتاب میں مذکور ہے۔

آخری حدیث کی تشریح:

اور آخری باب جو اس وقت میرے سامنے کھول کر رکھا ہوا ہے یہ ہے باب الوصیت اور آپ جانتے ہیں کہ وصیت مرنے کے وقت ہوتی ہے تو گویا یہ کتاب آپ کو موت تک لے آئی ہے کہ آپ نے زندگی میں یوں یوں کرنا ہے اور بیع و شراء نکاح سب کچھ کرتے کراتے موت کے وقت تمہاری کیا ذمہ داری ہے کہ تم اپنے آنے والے ورثاء کو کس طرح سے ورثہ منتقل کرو گے؟ کتنا کر سکتے ہو؟ کتنا نہیں کر سکتے؟ اس باب کے اندر ساری یہی ہدایات ہیں کہ جب انسان کے اوپر مرض موت طاری ہو جائے۔ مرض موت اُس کو کہتے ہیں کہ جب حالات ایسے ہو جائیں کہ ہر وقت یہ خطرہ ہو کہ یہ مریض کسی بھی وقت مر سکتا ہے اور اب اُس کے بچنے کی توقع نہیں ہے۔ اُس کو کہتے ہیں مرض موت۔ اُس وقت انسان کا اپنے ذاتی مال سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور اُس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ شریعت نے اُس کو صرف تیسرے حصے میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے کہ اپنی جائیداد میں سے تیسرا حصہ جیسے چاہے تقسیم کر دے۔ جس کو مرضی دے دے۔ اپنے کو غیر کو۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے گا تو اُس کی کل جائیداد میں سے تیسرے حصے میں اُس کو نافذ کریں گے اور اگر وہ اُس سے زائد کی وصیت کرے تو زائد نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر وصیت نہیں کرنا تو پھر سارا مال ورثاء کا ہے۔ اور اُس کو کس طرح سے تقسیم کرنا ہے؟.....

بیٹیوں کا کتنا حصہ ہے؟.....

ماں کا کتنا حصہ ہے؟.....

بیٹوں کا کتنا حصہ ہے؟.....

باپ کا کتنا حصہ ہے؟.....

اور اُس کے بارے میں پڑھایا جانے والا علم المیراث ایک مستقل علم ہے جو ہم مدارس کے اندر پڑھاتے ہیں۔ اُس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق پورے کا پورا ورثہ لکھا ہوا ہے۔ بیوی کو اتنا دینا ہے۔ خاوند کو اتنا دینا ہے۔ اولاد ہو تو خاوند کا اتنا ہے۔ اولاد نہ ہو تو خاوند کا اتنا حصہ ہے۔ کوئی چیز شریعت نے نہیں چھوڑی۔ اس لئے یہ کتاب بہت جامع کتاب ہے۔ جنہوں نے پڑھا ہے اُن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ روشنی جو اللہ نے اُن کے دل دماغ میں اتار کر اُن کو روشن خیال بنادیا۔ جن بچوں کو اللہ تعالیٰ نے روشن خیال بنادیا اور یہ روشنی کے چراغ اُن کے دل دماغ میں روشن ہو گئے اب وہ اس نور کو اپنے تک بند نہ رکھیں۔ گھر گھر اس نور کو پھیلانیں۔ گھر گھر جا کر بتائیں کہ:

❖ کفر کیا ہے؟.....

❖ ایمان کیا ہے؟.....

❖ شرک کیا ہے؟.....

❖ بدعت کیا ہے؟.....

❖ توحید کیا ہے؟.....

❖ سنت کیا ہے؟.....

❖ نماز پڑھنے کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بتایا؟.....

❖ اذان دینے کا طریقہ حضور ﷺ نے کیا بتایا ہے؟.....

اس کے بعد پھر معاملات ہیں بیع و شراء کیسے کرنی ہے؟ ایک دوسرے کے حقوق کس طرح سے ادا کرنے ہیں؟ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں؟ شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ بیٹیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اور اس کتاب کی وجہ سے تمہارے دل و دماغ میں جو روشنی آگئی ہے اُس روشنی کو آگے پھیلانے کی کوشش کریں۔

موجودہ دور میں عورتوں کی ذمہ داری:

یہ جہالت جو گھٹا ٹوپ اندھیرے کی شکل میں آ رہی ہے اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق توڑنے کے لئے اور یہ غلط فہمی ڈالتے ہوئے آ رہی ہے کہ نور اصل میں یہ ہے جو

ہم لے کر آرہے ہیں اس کے علاوہ باقی ساری تاریکی ہے۔ اس کو آپ خواتین نے دور کرنا ہے مرد جتنا مقابلہ کرتے ہیں اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ہے چودہ سو سال سے اللہ تعالیٰ نے ایسا طبقہ ہر دور میں موجود رکھا۔

خوش قسمت لوگ:

اور حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے اور بالکل ٹھیک ہے کہ قیامت تک ایسے افراد باقی رہیں گے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کو لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے۔ خوش قسمت لوگ اُن سے متاثر ہوں گے۔ جو خوش قسمت نہیں ہیں وہ متاثر نہیں ہوں گے۔ یہ دین تو باقی رہنا ہی ہے لیکن مزایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس طبقے کے اندر شامل ہونے کی توفیق دے۔ مردوں اور عورتوں کو قرآن و حدیث کی خدمت کی توفیق مل جانا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔

اس لئے میں پھر دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں اُن لوگوں کو جنہوں نے اس سلسلے کو شروع کیا اور پڑھنے اور پڑھانے والوں کو کہ اس کو بنیادی طور پر اس طرح سے سمجھیں کہ جہالت کے خلاف جہاد اسی کتاب کے ساتھ ہوگا کیونکہ اس میں ساری کی ساری نور کی کرنیں جمع کی ہوئی ہیں۔

احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں:

اور اس کو پڑھنے کے بعد آپ ابھی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تاریک خیال ہے۔ تم تاریک خیال نہیں تاریک خیال وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول سے تعلق نہیں رکھتا اور اُن کی باتوں کو سمجھتا نہیں اور یہ علم دین تو سارا کا سارا نور کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ باتیں سمجھنے کی توفیق دے اور اس پر عمل کی توفیق دے اور موجودہ طوفان جو برپا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے آخر تک اس سے محفوظ فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

صحبت کا اثر

بہ موقع ۸ ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام ۸ جامعہ باب العلوم کھروڑپکا

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

صحبت کا اثر

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمَنْ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدُ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔



تمہید

گزشتہ منگل آپ کی خدمت میں یہ بات وضاحت سے ذکر کی گئی تھی کہ یہ ظاہری بدنی جو بیماریاں ہیں ان میں تعدیہ نہیں ہے۔ بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے یہ نظریہ کسی حد تک ٹھیک نہیں ہے۔ پچھلے بیان میں اسکی تفصیل ذکر کی گئی تھی۔

صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے

میں نے عرض کیا تھا کہ روحانی اثرات اچھے یا برے ان میں تعدیہ ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ اس لئے اسلام میں صحبت ایک بہت بڑا اہم مسئلہ ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

نیک کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک ہو جاؤ گے بد بخت بد نصیب کی صحبت اختیار کرو گے بد بخت ہو جاؤ گے۔ یہ اسی نظریے کا بیان ہے کہ انسان پر ایک کی نیکی کے اثرات بھی واقع ہوتے ہیں اور بدی کے اثرات بھی واقع ہوتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ برے ہم نشین سے تو خلوت بہتر ہے، حدیث میں ہے۔

الوحدة خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة (مشکوٰۃ ص ۴۱۴)

ترجمہ۔ تنہائی میں رہنے سے اچھا ہم نشین بہتر ہے اچھے ہم نشین کے پاس بیٹھو یہ تنہائی میں رہنے سے بہتر ہے۔ اس میں بھی یہی تلقین کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے اسی مسئلے کو سمجھانے کے لئے کہ مجلس کے اچھے برے اثرات واقع ہوا کرتے ہیں ایک مثال بیان فرمائی۔

اچھی صحبت کی مثال

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی مجلس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے آپ کسی عطر فروش کے پاس بیٹھتے ہیں جو شخص عطر بیچ رہا ہے جب عطر فروش کے پاس بیٹھو گے تو وہ مفت میں ہی اپنے عطر کی تشہیر کے لئے شیشی کھول کر آپ کے ہاتھ پر لگا دے گا تو آپ کو خوشبو لگ جائیگی اگر

مفت میں نہیں لگائیں گے تو آپ کو خوشبو اس کی پسند آجائے گی تو آپ اپنی حیثیت کے مطابق اس سے خرید لیں گے روپے کی شیشی لے لے گا کوئی پانچ روپے کی لے لے گا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خرید لیتا ہے اور اگر وہ مفت بھی نہ دے اور تم خریدو بھی نہیں تو کم از کم جتنی دیر تک وہاں بیٹھے رہو گے دماغ معطر تو رہے گا خوشبو تو آتی رہے گی۔ یہ تین درجے بیان فرمائے۔

ایک نفسیاتی اصول

الطبع من الطبع یسرق۔ عربی کا محاورہ ہے۔

یہ ایک بہت بڑا نفسیاتی اصول ہے ایک طبیعت دوسری طبیعت سے حالات چراتی ہے چوری کرتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں خر بوزے کو دیکھ کر خر بوزہ رنگ بدلتا ہے تو دیکھتے دیکھتے بغیر محنت کے بغیر مشقت کے آپ کے پاس کوئی اچھی عادت آجائے گی۔ آپ جس کے پاس بیٹھتے ہیں اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام کر رہا ہے بار بار دیکھیں گے آہستہ آہستہ آپ کو بھی عادت پڑ جائے گی کہ آپ وہی کام کرنے لگ جائیں گے کوئی محنت نہیں کرنی پڑے گی، کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی، عادت بدل جائے گی اور کبھی ایسا ہوگا کہ آپ اس سے پوچھ لیں گے۔ کوئی اچھی بات یا آپ کو وہ کوئی اچھی بات بتادے گا جو آپ کی عادت کو سدھار دے تو آپ عقل و شعور کیساتھ بات کو اختیار کر کے اپنائیں گے وہ ایسے ہے کہ جیسے آپ نے عطر خرید لیا۔ مشقت کر کے وہ عادت حاصل کر لی اور اگر کچھ بھی نہ ہوگا جتنی دیر تک آپ اچھے ماحول میں بیٹھے رہیں گے تو کم از کم آپ کے سامنے اچھائی تو رہے گی۔

☆ آنکھ کسی اچھے حال کو دیکھے گی

☆ کان کوئی اچھی بات سنے گا

ماحول کے اثرات، ماحول کی برکات انسان پر واقع ہوتی ہیں، جتنی دیر آپ وہاں بیٹھے رہیں گے وہ اثرات آپ پر آتے رہیں گے۔

بری صحبت کی مثال

بری صحبت کی مثال حضور ﷺ نے دی کہ جیسے کسی بھٹی جھونکنے والے کے پاس جا کر بیٹھ جائیں۔ جیسے کسی کلی کرنے والے یا لوہار کے پاس یا کسی دوسرے کام کرنے والے کے پاس آپ بیٹھ جائیں اول تو کوئی شعلہ اڑے گا آپ کے کپڑے جلادے گا، کسی ویلڈ کرنے والے کے پاس بیٹھ جاؤ تو جیسے اس کے اپنے کپڑوں میں سوراخ ہوتے ہیں۔ ویسے ہی پاس بیٹھنے والوں کے کپڑوں پر بھی ہو جائیں گے اور اگر کچھ بھی نہ ہو جتنی دیر تک بیٹھے رہیں گے تو دھوکے سے دماغ تو خراب ہوگا، آنکھوں سے پانی بہتا رہیگا۔ یہی حال ہے برے ماحول کے اثرات کا کہ اول تو اُس برائی کے اثرات آپ پر واقع ہوں گے بہت جلدی آپ وہ بری عادت اختیار کر لیں گے۔

افیون کھانے والوں کے پاس بیٹھنے والا بھی افیونی ہو جاتا ہے۔

سگریٹ پینے والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو بہت جلدی سگریٹ کی عادت پڑ جاتی ہے۔

ہیروئین پینے والوں کے پاس بیٹھنے والا ہیروئین بن جاتا ہے۔

تاش کھینے والوں کے پاس بیٹھنے والا تاش کا عادی بن جاتا ہے۔

اور اس طرح سے دوسری آوارہ قسم کی کھیلیں جتنی بھی ہیں جب اس ماحول میں آپ بیٹھیں گے تو آہستہ آہستہ آپ کا دل ادھر مائل ہو جائیگا اور آپ وہی کام کرنے لگ جائیں گے اور اگر نہ بھی ہوا تو جتنی دیر وہاں بیٹھے ہیں تو ایک وہ بری چیز آنکھوں کے سامنے رہے گی، بری باتیں کانوں میں پڑیں گی، گالیاں کانوں میں پڑیں گی اور آپ کے سامنے اللہ کی نافرمانی کی صورتیں آتی رہیں گی اس کیساتھ آپ کا دل، دماغ خراب تو ہوتا رہیگا یہ مثال حضور ﷺ نے بیان فرمائی۔

شیخ سعدی کی نصیحتیں

شیخ سعدیؒ نے گلستان میں بہت سادے سے انداز میں اس بات کو سمجھایا ہے۔ گلستان کے مقدمہ میں ہے شیخ سعدی کہتے ہیں۔

گلے خوشبوئے درہام روزے

رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکى يا عبرى

کہ از بوئے دلا ويز تو مستم

بگفته من گلے ناچيز بودم

وليکن مدتے باگل نشستم

جمال ہم نشين در من اثر کردم

وگر نہ من ہماں خاتم کہ ہستم

گلستان سعدی ص ۹

شیخ سعدی کی صحبت کے اثرات کے بیان میں بے نظیر رباعی ہے فرماتے ہیں کہ محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں خوشبودار مٹی آئی..... میں اُس مٹی سے خطاب کر کے پوچھا، کہ تو مشک ہے یا عنبر، (عنبر کو کہتے ہیں مشک کستوری کو کہتے ہیں) کہ تیری خوشبو سے میرا دل مست ہو رہا ہے اُس مٹی نے جواب دیا..... میں تو بہت حقیر سی مٹی ہوں..... ہاں لیکن کچھ دن مجھے پھول کی صحبت نصیب ہوئی ہے، ہم نشین کے جمال نے میرے اوپر اثر ڈال دیا، وگر نہ میں تو وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی پھول کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے میرے اندر بھی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ اسی صحبت کا اثر ہے کہ مٹی جو کہ پھول کیساتھ لگ گئی تو جیسے پھول مہکتا ہے مٹی بھی مہکنے لگ جاتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی کے کہنے کا یہ مطلب ہے۔

دوسری نصیحت:

ایسے ہی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

خانہ کعبہ رامی بوسند

اونہ از کرم پیلہ نامی شد

باعزیز نشست بڑے چند
لاجرم بچو او گرامی شد

گلستان سعدی ص ۱۹۴

کہ کعبۃ اللہ کے غلاف کو لوگ چومتے ہیں، آنکھوں پر رکھتے ہیں..... وہ ریشم کے کپڑے کی پیداوار کی وجہ سے اس نے یہ مرتبہ نہیں پایا کہ وہ ریشمی کپڑے کی پیداوار ہے اس لئے لوگ اس کو چومتے ہیں..... چند دن ایک عزیز کی صحبت میں رہا ہے اور اس کے ساتھ لگا ہے تو اب جو عزت اس بیت اللہ کی تھی وہی لوگوں کے دلوں میں اس غلاف کی بھی ہے۔ جیسے لوگ بیت اللہ کو چومتے ہیں، اس غلاف کو بھی چومتے ہیں۔ جیسے وہ باعزت ہے بیت اللہ بھی باعزت ہے۔

تیسری نصیحت

پس نوح بابت بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت مردم شد

(گلستان ص ۲۸)

نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعاں اُس نے گندے لوگوں کی صحبت اختیار کی تو اپنا خاندان اس نے ضائع کر دیا، اصحاب کہف کا کتا چند نیک لوگوں کے ساتھ چلا تو قرآن میں اس کا ذکر جس طرح سے ان اولیاء اللہ کا ہے اُس کتے کا ذکر بھی ہے۔

وَيَقُولُونَ خُمُسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ (الآیۃ) جہاں ان اللہ کے بندوں کا ذکر آ رہا ہے ساتھ ساتھ کتے کا ذکر آ رہا ہے تو کتا بڑا شرف حاصل ہو گیا اس کتے کو نیکیوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے اور نوح کا بیٹا جو تھا وہ بڑوں کے ساتھ بیٹھا اور اس کا نبوت کا خاندان گم ہو گیا۔

انسان آنکھ سے بنتا ہے

ماہر نفسیات فرماتے ہیں کہ انسان آنکھ سے بنتا ہے، آنکھ سے بننے کا کیا مطلب؟ یہ ہے کہ جو چیز انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر کسی اچھے ماحول میں اس کے سامنے ہر وقت اچھی بات آئے گی۔ دیکھو آپ نے چھوٹے بچوں کے گھروں میں دیکھا ہوگا جو بالکل بے سمجھ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ماں کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ جیسے دیکھا تھا ویسے ہی اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کی اور جن کے گھر میں ہر وقت ٹی وی چلتا ہے اور ناچ گانا ہوتا ہے۔ تو جب چاہیں آپ دیکھ لیں ان کے بچوں کی حرکتیں، ان کے بچوں کا اچھلنا کودنا اسی طرح سے ہوتا ہے جس طرح سے ناپتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ آنکھ نے جس قسم کی چیزیں دیکھیں بدن کے اوپر اسی قسم کے اثرات آئے اور بچے نے ویسا کرنا شروع کر دیا حالانکہ بالکل لاشعوری کا زمانہ ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ لاشعوری کے زمانہ میں بھی بچہ دیکھ دیکھ کے متاثر ہوتا ہے اور جس وقت آپ شعور والے ہو جائیں پھر تو لازمی بات ہے کہ آنکھ بہت جلدی اثر پکڑتی ہے اور انسان کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے۔ آنکھ سے ہی دل متاثر ہوتا ہے اور آنکھ ہی کیساتھ انسان کی عادات بگڑتی ہیں، تو آنکھ کا مسئلہ اس صحبت کے مسئلے میں بہت اہم ہے۔ دارو مدار شرف کے حاصل ہونیکا اکثر و بیشتر اسی آنکھ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

صحابی کسے کہتے ہیں

صحابیت کا دارو مدار صرف دیکھنے پر ہے اس لئے صحابی وہ ہے جس نے عقیدت کیساتھ اللہ کے نبی کو ایک دفعہ بھی دیکھ لیا چاہے بات کرنیکی نوبت نہیں آئی چاہے بات سننے کی نوبت نہیں آئی، صحابیت کے لئے روایت شرط نہیں ہے آپ کو معلوم ہے بالکل اسی طرح سے ہے آپ کسی ولی کیساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکیں اگر آپ ایک نظر سے اس کو دیکھ لیں تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک ایسی نسبت معنوی طور پر پیدا ہو جاتی ہے کہ جب انسان کو خیال آتا ہے تو ایک

کشش بھی معلوم ہوتی ہے اور ایسے لگتا ہے جیسے اس کے ساتھ ہمارا ایک تعلق ہو گیا ہے اس کے اثرات جو ہیں وہ بھی یقیناً پڑتے ہیں۔ فلاں شخص جو ہے شیخ الہند کو دیکھنے والا ہے فلاں شخص مولانا نانوتوی کو دیکھنے والا ہے۔ فلاں نے فلاں کو دیکھا ہے۔ فلاں نے صحابی کو دیکھا ہے فلاں نے تابعی کو دیکھا ہے تابعی ہو گیا۔ تبع تابعی ہو گیا یہ عام محاورے کی بات ہے کہ دیکھنے والے کو بھی امتیاز حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں جس نے نہیں دیکھا، اس لئے آنکھ کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے اس طرح کہ آپ کی نظر پڑے تو کسی اچھی چیز پر پڑے اور آپ کے سامنے کوئی آئے تو اچھی بات آئے۔

برادوست سانپ سے بدتر ہے

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ

زے یار بد ز نہار

برے دوست سے ہمیشہ بچو اور اس سے پناہ پکڑو اور ایک جگہ لفظ ہے کہ برادوست سانپ سے بھی برا ہے، برا سانپ وہ ہوتا ہے کہ جس کے کاٹنے سے انسان مر جائے۔ اور برا ساتھی، اس سے بھی زیادہ برا ہے وجہ کیا؟ وہ یہ کہ اگر کسی کو سانپ نے کاٹ لیا تو کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ نقصان یہ ہوگا کہ وہ مرجائے گا اور مرنا تو انسان نے ویسے بھی ہے تو یا اس سے زیادہ اور بھی کوئی نقصان ہے (نہیں) سانپ کے کاٹنے کا کیا نقصان ہے مز بھی جائیگا انسان اس سے زیادہ اور تو کوئی بات نہیں اور مرنا تو انسان نے ویسے بھی ہے تو سانپ کے کاٹنے سے آپکا کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا کہ جس کو ہم کہیں گے آپ تباہ ہو گئے برباد ہو گئے نہیں سانپ کے کاٹنے سے موت آگئی اور وہ نہ بھی کاٹتا تو بھی آپ نے مرنا تھا، موت تو آنی آنی تھی اس لئے سانپ کے کاٹنے سے کوئی ایسا نقصان نہیں ہوا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس کو سانپ کاٹ لے وہ قبر میں، حشر میں قیامت میں روئے گا نہیں کہ ہائے مجھے سانپ نے کیوں کاٹا انہیں نہ قبر میں روئے گا کہ سانپ نے کاٹ لیا نہ حشر میں کہ ہائے کاش مجھے سانپ نہ کاٹتا۔ ہو سکتا ہے کہ سانپ کے کاٹنے سے مراد ہوا آخرت میں

ثواب پالے اور اس کو اجر مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہو جائے البتہ سانپ کا کاٹنا ہوا چیخنے چلائے گا نہیں۔

لیکن جو..... یار بد..... ہے اگر اس نے کسی کو کاٹ لیا اور کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی برائی کے اثرات اس پر واقع ہو گئے۔ جیسے سانپ کی زہر چڑھ گئی اس طرح سے آپ کو یار بد کی زہر چڑھ گئی برائی کی زہر چڑھ گئی آپ کو آپ برباد ہو گئے۔

❖ دنیوی طور پر برباد ہو گئے.....

❖ اخروی طور پر برباد ہو گئے.....

❖ قبر میں بھی چیخیں گے.....

❖ حشر میں بھی چیخیں گے.....

❖ قیامت میں بھی پچھتائیں گے.....

کوئی موقعہ ایسا نہیں آئے گا کہ جس پر آپ کو حسرت نہ ہو۔

برے دوست کا ذکر قرآن میں:

یار بد کے کاٹے ہوئے کی چیخیں قرآن کریم نے نقل کی ہیں انیسویں پارے کی ابتداء میں آپ پڑھتے ہیں

”یوم بعض الظالم علی یدیہ یلبتی اتخذت مع الرسول سبیلاً (الایہ)“
منہ کیساتھ کاٹنا ہاتھ کاٹنا ہمارے ہاں اردو میں محاورہ ہے انتہائی حسرت کے موقع پر کہ فلاں شخص اپنے ہاتھ کاٹ رہا ہے۔ پچھتائے ہوئے انسان کی یہ کیفیت ہوتی ہے..... یوم بعض الظالم علی یدیہ یقول .

جس دن کے ظالم اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹ لے گا اور کہے گا..... یا لبتی اتخذت مع الرسول سبیلاً.....

کاش میں رسول کیساتھ راستہ اختیار کر لیتا اور ویسے چلتا جس طرح کہ رسول چلا ہے۔ یو یلتا
ہ لم اتخذ..... خلیلاً ہائے میری بربادی ہائے میری تباہی کیا ہی اچھا ہوتا میں نے فلاں

کو دوست نہ بنایا..... یلیتنی لم اتخذ فلانا خلیلاً..... میں فلا نے کو دوست نہ بناتا میں تو برباد ہو گیا اس کو دوست بنا کے کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس کو دوست نہ بناتا ایسے دوست جس کے متعلق آج ہمارے دل میں یہ ہے۔ ہم اس کو یاد کر کر کے آہیں بھرتے ہیں اور کہتے ہیں ”خاک سازندگی یہ تم کہاں اور ہم کہاں“ ایسی زندگی کا کیا فائدہ جس میں ہماری ملاقات نہیں ہے تم کہاں اور ہم کہاں۔ آج ہم آہیں بھرتے ہیں اس دن کہیں گے کاش اس کے اور میرے درمیان بعد المشرقین ہوتا۔ ہنس الکریم..... بڑا بُرا سا تھی ہے یہ مشتق میں ہوتا میں مغرب میں ہوتا اتنی دوری ہمارے درمیان ہوتی بڑا بُرا سا تھی ہے۔ یالیت بینک و بینی بعد المشرقین..... بعد المشرقین کا معنی ہے تو مشرقی کنارے پر ہوتا میں مغربی کنارے پر ہوتا۔ اتنی ہم میں دوری ہونی چاہیے تھی۔ یہ ان دوستوں کے متعلق ہو گا جن کے بارے میں لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاءنی . الآية۔ کہ میرے پاس نصیحت آگئی تھی مجھے اللہ کے رسول نے نصیحت کر دی تھی۔ مجھے رسول اللہ نے نصیحت کر دی تھی کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور اللہ کے رسول کے تابعین نے نصیحت کر دی تھی کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن دوست کے بہکاوے میں آکر میں وہ کام کرتا رہا اور اس نے مجھے اس نصیحت پر عمل کرنے دیا۔ اور یہ چیزیں قرآن نقل کر رہا ہے۔

بُری دوستی دنیا و آخرت خراب کر دیتی ہے

اور یہی آپ کو بتانے کے لئے نقل کر رہا ہوں کہ سمجھ جاؤ سوچ لو سانپ کی زہر تو دنیا میں بھی رونے نہیں دیتی بلکہ کہتے ہیں کہ سانپ جب مارتا ہے تو سلا کے مارتا ہے یہ بھی آپ کو پتہ ہونا چاہیے اسکی زہر کا اثر بڑھتا ہے نیند آ جاتی ہے نیند نیند میں انسان مر جاتا ہے۔ لیکن برا دوست تو ایسے مارتا ہے کہ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔

لٹریچر کے اثرات

اس لئے لٹریچر کا مطالعہ بہت اہم مسئلہ ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی آنکھ سے ہے اس لئے جب

آپ کوئی اچھی کتاب پڑھتے ہیں تو اس کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ خدا خونی کے واقعات پڑھیں گے تو آپ کا دل متاثر ہوگا اور پھر انسان میں نیکی آتی ہے بلکہ ہمارے اکابر تو ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے کہ اگر کسی بزرگ کی صحبت نصیب نہ ہو کہ آپ کے پاس کوئی بزرگ نہیں ہے تو کسی بزرگ کے حالات کی کتاب پڑھا کرو کیونکہ وہ بھی صحبت اختیار کرنے کے قائم مقام ہے اور واقعہ ہے کہ آپ بزرگوں کے ملفوظات پڑھیں ان کے واقعات پڑھیں تو طبیعت پر اثر ہوتا ہے اور اگر آپ عشقیہ ناول پڑھنا شروع کر دیں، فلمی رسالے دیکھنے شروع کر دیں، فحش تصویریں دیکھنا شروع کر دیں، اخباروں میں مختلف قسم کی تصاویر دیکھنا شروع کر دیں تو اس کے برے اثرات آپ کی طبیعت پر پڑیں گے اور یہ سارے کے سارے اثرات آنکھوں سے دیکھنے کے ہیں اس لئے دوست ہمیشہ وہ اختیار کرو جو آپ کو نیکی کی تلقین کرے اور ایسا دوست جو آپ کو بازار میں گھومنے کیلئے کہتا ہے، گانے سننے کی ترغیب دیتا ہے اُس کو سانب سے بھی بدتر سمجھو اگر ان دوستوں سے بچ جاؤ گے تو زندگی سدھر جائے گی ورنہ دنیا اور آخرت کو خراب کر بیٹھو گے۔

صحبت کی تعریف اور اس کے اثرات:

ایک اشکال اور اُس کا حل۔۔۔ اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ طالب علموں کے ذہن میں اُبھرنے والا ایک اشکال حل کر دوں۔ اشکال ہو سکتا ہے؟ کہ ایک آدمی اچھا ہے اور ایک بُرا ہے۔ جب ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بُرے آدمی سے بچو۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ بُرے کو قریب نہ کرو۔ تو پھر جوڑ کیسے بیٹھے گا؟ یہ ایک طالب علمانہ منطقی اشکال آپ کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ کہ بُروں کو تو کہا جاتا ہے کہ اچھوں کے قریب جاؤ، اُن کے پاس جا کے بیٹھو اور اچھوں کو کہا جاتا ہے کہ بُرے کو قریب نہ لگنے دو، اُس کے پاس ہرگز نہ بیٹھو تو پھر دونوں کا جوڑ کیسے لگا؟ اس اشکال کا جواب آپ کے سامنے عرض کر دوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحبت اُس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کسی دوسرے کے تابع بنا کر، اُس سے متاثر ہو کر، اُس کی عقیدت و محبت میں اُس کے اثرات قبول

کرنے اور اپنے آپ کو اُس کے رنگ میں رنگنے کی نیت سے اُس کے قریب لگے۔ اس کو صحبت اختیار کرنا کہتے ہیں۔ جس کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوگی وہ صحبت اختیار والا اور جس کی عظمت ہوگی وہ صحبت عطا کرنے والا کہلاتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی آپ پر برتری رکھتا ہے اور آپ اُس کے حالات سے متاثر ہیں اور آپ اُس کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہیں تو یقیناً اُس بڑے کے اثرات آپ پر واقع ہوں گے۔ اُس کے برعکس اگر کوئی بڑا آدمی آپ کے قریب آتا ہے عقیدت اور محبت کے ساتھ، اور آپ کی عظمت کا قائل ہے، اور آپ سے اثر لینے کی نیت سے آتا ہے، اثر ڈالنے کی نیت سے نہیں آتا تو پھر وہ نیکی سے متاثر ہوگا۔ آپ اُس پر اثر انداز ہوں گے۔

اب یہاں سے ایک اصول نکل آیا کہ آپ متاثر کسی آدمی سے تب ہوں گے جب محبت و عقیدت کے ساتھ۔ فیض حاصل کرنے اور نیکی سیکھنے کی نیت سے اُس کے قریب جا کر بیٹھیں گے۔ ورنہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مشرکین مکہ 53 سال تک حضور ﷺ کو دیکھتے بھی رہے، ملتے بھی رہے آپ ﷺ کے وعظ بھی سنتے رہے لیکن اُن پر کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ اُنہوں نے عقیدت و محبت نہیں اپنائی۔ چنانچہ جب تک دل کو دل کے ساتھ نہیں جوڑیں گے اثرات نہیں آئیں گے۔ بڑے سے محبت کر لیں، اُس کی عظمت کے قائل ہو جائیں، بڑائی کے اثرات آنے شروع ہو جائیں گے۔ اچھے سے محبت کر لیں اور اچھے کے ساتھ دل کو جوڑ لیں، اُس کے اثرات آنا شروع ہو جائیں گے۔

صحبت کا اثر تب ہوگا کہ آپ جس کی صحبت میں بیٹھیں اُس کی محبت آپ کے دل میں ہو، اُس کی عقیدت آپ کے دل میں ہو اور آپ اپنے آپ کو چھوٹا قرار دے کر اُس کے اثرات لینا چاہیں۔ اُس کی عظمت آپ کے دل میں ہو تو بہت جلدی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بہت جلدی انسان اثر قبول کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اُس کی عادت بدلتی ہے اُس کے دل کے جذبات بھی بدلتے ہیں اور اتنے بدلتے ہیں کہ بسا اوقات اُس کا اٹھنا، بیٹھنا بھی بدل جاتا ہے۔ اور بسا اوقات دونوں دوستوں کی شکلیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں۔ یوں رنگے جاتے ہیں ایک دوسرے کے رنگ میں۔ یہ ہوتا تب ہے کہ جب انسان عقیدت اور محبت

کے ساتھ جائے۔

کونوا مع الصادقین کا مطلب:

یہ الفاظ قرآن کریم کے ہیں۔ آج بھی میں حضرت تھانویؒ کے کلام میں دیکھ رہا تھا اور بہت اچھا نکتہ حضرتؒ نے اس ضمن میں بیان فرمایا کہ ”کونوا مع الصادقین“ صادقین کے ساتھ رہو۔ اس ساتھ رہنے کا کیا مطلب ہے؟ ہر وقت اُن کے ساتھ جڑے رہو نہ رات کو علیحدہ ہو نہ دن کو علیحدہ ہو؟ جدھر جا رہے ہیں اکٹھے ہی جا رہے ہیں یہ مطلب ہے؟..... کونوا مع الصادقین..... کا اگر معیت یہ ہے تو یہ ممکن ہی نہیں۔ یہ تو ایک دوسرے کے لئے نری مصیبت ہیں کہ ہر وقت مسلط ہو جائیں۔ کسی وقت پیچھا ہی نہ چھوڑیں۔ یہ معیت یہاں مراد نہیں..... صادقین کے ساتھ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ ہر وقت اُن کے ساتھ ساتھ لگے رہو، کسی وقت بھی اُن سے جدا نہ ہو، یہ باعث تکلیف ہے۔ یہاں معیت سے وہی قلبی معیت مراد ہے۔

کہ آپ نے ایک بزرگ سے تعلق قائم کر لیا جیسے ہم لوگ اپنے بزرگوں سے بیعت ہو جاتے ہیں۔ بیعت ہونے کے ساتھ ایک تعلق قائم کیا تو دل میں دھیان رہنے لگ جائے اپنے اس بزرگ کا۔ چلتے پھرتے اُس کا خیال رہنے لگ جائے۔ اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا، نماز وغیرہ پڑھنا آنکھوں کے سامنے آتا رہے، یہ منظر آنکھوں کے سامنے ہو۔

جیسے اُس کو نماز پڑھتے دیکھا آنکھوں کے سامنے ہے۔

جیسے اُس کو گفتگو کرتے دیکھا آنکھوں کے سامنے ہے۔

چلتے پھرتے اُٹھتے، بیٹھتے اُس کا دھیان آتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ یہ شخص اپنے اُس صادق کے ساتھ ہے۔ صادقین کے ساتھ ہے۔ دل میں جم جانا کسی خیال کا کہ ہمارا فلاں سے تعلق ہے، فلاں ہمارا بزرگ ہے، ہمارا اُن سے تعلق ہے۔ یوں نماز پڑھتے ہوئے میں نے اُن کو دیکھا ہے، یوں اُٹھتے بیٹھتے میں نے اُن کو دیکھا ہے۔ فلاں بات میں نے اُن کی سنی تھی، یوں وہ مسکرا رہے تھے، یوں وہ بات کر رہے تھے۔ یہ شکل جو ہر

وقت ذہن میں گھومنے لگ جاتی ہے، یہ وہ معیت صادقین ہے جس کی برکت سے خود انسان کے اپنے اندر صدق کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

برّی صحبت کے اثرات:

اور اگر دل میں آپ کے کوئی موسیقار سما گیا یا کوئی گانے والی سا گئی۔ کوئی دوسرا چمٹا جانے والا سما گیا۔ اُٹھتے، بیٹھتے اُسے یاد کرتے رہو، اُس کے بول گنگناتے رہو، اور اُسی کے گیت آپ کے کان میں آتے رہیں تو چاہے آپ مسجد میں بیٹھے ہوں حقیقتاً مسجد میں نہیں، بلکہ آپ گانے والی کی صحبت میں ہیں۔ اگر آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے بھی اُسی کا تصور ذہن میں لئے ہوئے ہیں، اُسی کے بول گنگنا رہے ہیں اور اُسی کے بول آپ کے کان میں گونج رہے ہیں تو آپ مسلسل اُس کی صحبت کا لطف لے رہے ہیں۔

اچھی صحبت کے اثرات:

اور اگر آپ کے دل کا تعلق کسی اچھے آدمی سے ہو گیا ہے، کہ ہمیشہ جب بھی آپ اپنے کام سے فارغ ہو جاتے ہیں، فوراً دھیان اُدھر جاتا ہے اور اُن کی نیکی سامنے آتی ہے، اُن کی پیاری پیاری باتیں اپنے کان میں آتی ہیں، اُن کی نصیحت یاد آتی ہے۔ اُن کا حال آنکھوں کے سامنے آتا ہے کہ ہم نے اُن کو یوں بیٹھے دیکھا تھا، ہم نے اُن کو یوں کرتے دیکھا تھا۔ تو جب چاہیں آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں وہی اثرات انسان پر آتے ہیں جو صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے آتے ہیں تو یہاں معیت سے وہی معیت معنوی مراد ہے کہ تعلق پیدا کرو صادقین کے ساتھ۔ جب تعلق پیدا ہو جائے گا..... دل دماغ میں سما جائیں گے تو پھر وہ اثرات انسان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ بہر حال اُن اثرات کا منتقل ہونا متفق علیہ ہے۔

جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات ہوتے ہیں:

مجھے یاد پڑتا ہے شاید حضرت شیخ الہند کا فقرہ ہے۔ ویسے تو یہ بات حدیث شریف میں آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بکریاں چرانے والوں میں

مسکنت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں بہت سی روایات میں یہ لفظ آتا ہے کہ بکریاں چرانے والوں میں مسکنت ہوتی ہے اور اونٹ چرانے والے اکثر و بیشتر سخت مزاج ہوتے ہیں کیونکہ اونٹ کے مزاج میں کینہ بہت ہے جب یہ ضد پر آجائے تو مارے بغیر چھوڑتا نہیں ہے۔ آپ کو پتہ ہونا چاہئے ویسے بڑا فرمانبردار ہے، چھوٹا سا بچہ بھی مہار پکڑ کے جدھر چاہے لے جائے لیکن یہ جب کسی کے ضد پڑ جائے،

✽ غصہ میں آجائے

✽ اس کا کینہ ابھر آئے۔

تو پھر یہ قتل کئے بغیر رہتا نہیں، پھر اُس کو جان سے مارتا ہے۔ اونٹ کے مزاج میں بڑی سختی ہے۔ جو ہر وقت اُس کی صحبت میں رہنے والے ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اُن کے مزاج میں بھی سختی ہوتی ہے۔

فخر، تکبر فرمایا کہ گھوڑے والوں کے مزاج میں ہوتا ہے۔ کیونکہ گھوڑے کا اپنا مزاج ایسے ہے۔ جانوروں کی صحبت سے بھی متاثر ہونے کا ذکر حدیث شریف میں ہے۔

صحبت کے اثرات معلوم کرنے کا طریقہ:

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے کہیں لکھا ہے کہ اثرات کا تجربہ کرنا ہوتا چند دن شیر کی کھال کے اوپر بیٹھ کر دیکھ لو تو اُس میں تکبر اور بڑائی کے اثرات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ شیر کے خود اثرات ایسے ہیں۔ یہاں تک اثرات واقع ہوتے ہیں۔

صالحین کی زیارت کے اثرات:

اس لئے میرے عزیزو! اس بات کو خاص طور پر یاد رکھو۔ اپنے ماحول کو اچھا بنایا کرو۔ اچھے رفقاء اختیار کرو، اچھے ساتھی اختیار کرو، ان شاء اللہ العزیز اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ بزرگوں کے ساتھ ملنے اور اُن کو دیکھنے کا جوشوق چلا آ رہا ہے ہماری جماعت میں اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں

میں ہماری محبوب شخصیت حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ قریب زمانہ میں گزرے ہیں۔ ویسے تو بزرگوں کی لمبی فہرست ہے لیکن یہ ہمارے قریب زمانے کے ہیں۔ اللہ نے بڑی محبوبیت دی تھی اُن کو، مدینہ میں کتنے سال تک حدیث پڑھائی۔ پھر بہت عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر رہے۔

حضرت مدنیؒ کی زیارت کا شوق

آپ جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔ میں نے اُن کی صرف ایک دفعہ زیارت کی ہے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا تو وہ ہمارے گاؤں میں آئے۔ جب یہ قیام پاکستان کا الیکشن ہونے والا تھا آپ بھی جگہ جگہ چلے کرتے پھر رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا رہا چلے میں، سمجھ تو اُس وقت کچھ آیا نہیں کہ حضرت نے کیا بیان فرمایا، البتہ زیارت ہو گئی۔ مجھے سکول میں پتہ چلا تھا کہ حضرت مدنی تشریف لا رہے ہیں تو میں سکول سے بھاگ آیا تھا۔ اور غیر حاضری کا ایک آنہ جرمانہ بھی بھرا۔ کیونکہ ہمارے وقت میں سکول سے غیر حاضری پر ایک آنہ جرمانہ ہوتا تھا۔ اب معلوم نہیں جرمانہ ہوتا ہے کہ نہیں؟ بہر حال اُس زمانے میں ایک آنہ جرمانہ ہوتا تھا۔ میں نے حضرت مدنیؒ کیلئے دو آنے جرمانہ ادا کیا ہے۔ پہلے دن پتہ چلا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں اُس دن سکول سے بھاگ آیا۔ سارا دن لوگوں کے ساتھ سڑک پر بیٹھا رہا، اُس دن غیر حاضری ہو گئی۔ ایک آنہ جرمانہ اُس کا ہوا تو حضرت تشریف نہیں لائے مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ اور دوسرے حضرات آ گئے۔

اگلے دن سکول پہنچا تو وہاں جا کر کسی نے اطلاع دی کہ مولانا مدنیؒ آ گئے تو پھر بھاگ آیا۔ پھر جتنی دیر تک حضرت گاؤں میں رہے، میں پیچھے پیچھے رہا، جیسے بچے لگ جاتے ہیں بزرگوں کے پیچھے، میری عمر کوئی گیارہ بارہ سال ہو گئی، چھٹی میں پڑھتا تھا۔ تو اُس دن بھی غیر حاضری ہو گئی لہذا پھر ایک آنہ جرمانہ بھرا۔

وہ ایک زیارت ایسی دل میں پیوست ہوئی ہے کہ پھر نکالے نہیں نکلی۔ جس طرح

بہت سخت قسم کا تعلق ہو جاتا ہے کہ اگر انسان ادھر ادھر ہونا بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ محبت دل میں جاگزیں ہوگئی ایک ہی صحبت اور ایک ہی نظر کا اثر۔ اس طرح جب کسی نیک آدمی کو دیکھو، سنو، زیارت کی کوشش کرو، ملنے کی کوشش کرو تو اُس کے اثرات یقیناً اچھے سے اچھے واقع ہوتے ہیں۔

بزرگوں کی زیارت کیلئے پیدل سفر

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب جب پاکستان تشریف لائے تو ہم اُن کی زیارت کرنے کے لئے کبیر والہ سے خانیوال پیدل آئے تھے۔ میں اور میرے اُستاد حضرت مولانا علی محمد صاحب جو بعد میں دارالعلوم کبیر والہ کے مہتمم ہوئے۔ ہم رات کو بارہ بجے اُٹھ کے چل دیئے اور فجر کی نماز خانیوال آ کے پڑھی۔ اُس وقت بسیں زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ بہت کم ہوتی تھیں۔ دن کو چلتی تھیں رات کو نہیں چلتی تھیں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زیارت کے لئے میں مدرسہ ربانیہ ٹوبہ سے کمالیہ پیدل آیا تھا۔ کم از کم اٹھارہ، اُنیس میل کا فاصلہ ہوگا۔ قاری محمد طیب صاحبؒ کی زیارت کے لئے میں آٹھ نو میل پیدل چل کے گیا ہوں۔ بات سمجھے کہ نہیں؟

تو اُن بزرگوں کے ساتھ تعلق کی بناء پر یہ ایک کشش تھی اللہ کا شکر ہے۔ جیسے اُن کو دیکھا جی چاہتا ہے کہ اللہ ویسا بننے کی توفیق دے۔ جو کچھ ہوگا اللہ کی توفیق سے ہوگا لیکن کم از کم اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کیسے ہوتے ہیں؟ اُن کو دیکھنے کے ساتھ اتنا طبیعت پر اثر ہو گیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ حقیقت میں انسان یہ لوگ تھے اور اللہ نے اُن کو انسانیت کے شرف سے نوازا تھا۔

✽ اُن کے دن کیسے تھے۔

✽ اُن کی راتیں کیسی تھیں۔

✽ یہ خدا سے کیسے ڈرتے تھے۔

✽ اللہ کی عبادت کیسے کرتے تھے۔

اُن کے سامنے آنے سے پتہ چلا کہ انسان ایسا ہے اور انسانوں کو ایسے رہنا چاہئے۔ اللہ اکبر! تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہی ہے کہ

- ❖ نیکوں کی زیارت کی کوشش کرو۔
 - ❖ نیکوں سے ملنے کی کوشش کرو۔
 - ❖ اُن کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرو۔
 - ❖ یہ چیز انسان کی زندگی میں انقلاب لانے والی ہے۔
 - ❖ اور بُرے ماحول سے۔
 - ❖ بُرے اثرات سے۔
 - ❖ بُری تصویروں سے۔
 - ❖ بُری صحبت سے۔
 - ❖ بُرے کھیلوں کے میدانوں سے۔ ہر چیز سے بچو!
- اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



چند سوالات اور اُن کے جوابات

سوال: نیت کی حقیقت کیا ہے اور نیت کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نیت اصل کے اعتبار سے دل کا فعل ہے۔ زبان کا فعل نہیں ہے۔ لیکن دل و دماغ میں کئے جانے والے ہر فعل کی حیثیت اور مرتبہ کا تعین ضروری ہے۔ مثلاً آپ نماز کی نیت کریں تو یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ آپ فرض پڑھ رہے ہیں؟ وتر پڑھ رہے ہیں؟ سنت پڑھ رہے ہیں یا نفل پڑھ رہے ہیں؟ جب تک آپ یہ فرق نہیں کریں گے آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ شروع ہی سے آپ کو فرق کرنا ہوگا کہ فرض پڑھ رہا ہوں، سنت پڑھ رہا ہوں، وتر پڑھ رہا ہوں، نفل پڑھ رہا ہوں، اس کا تعین ضروری ہے۔ امام کے

پیچھے نماز پڑھے تو نیت میں یہ تعین بھی ضروری ہے کہ امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں۔ زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں۔ دل میں خیال کر لینا کہ میں ظہر کے فرض پڑھ رہا ہوں امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں، بس یہ کافی ہے۔۔۔ باقی یہ کہ میرا منہ قبلہ کی طرف ہے تو قبلہ کی طرف ہی تو منہ ہوتا ہے اور آپ نے کس طرف منہ کیا ہوا ہے، خواہ مخواہ کی ایسی باتیں بنا کے امت کو اختلافات میں تقسیم کر دیا گیا۔

جیسے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ جنازے سے پہلے یہاں نیت کی اذان دیا کرتے تھے، بڑی مشکل کے ساتھ میں نے اُس کو بند کروایا۔

چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنا واسطے خدادے درود واسطے حضور ﷺ دے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہتے۔ تو میں نے کہا کہ کبھی سنا ہے کہ ثناء اللہ کے علاوہ کسی اور کے واسطے بھی ہوتی ہے۔؟ درود شریف حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور کے واسطے بھی ہوتا ہے۔؟ بھائی جب ثناء پڑھیں تو ہوتی ہی اللہ کے لئے ہے اور درود شریف پڑھیں تو ہوتا ہی حضور ﷺ کے لئے ہے۔ اسی طرح منہ قبلہ کی طرف کئے کھڑے ہو اور جس میت کے لئے دُعا کرنی ہے وہ سامنے پڑی ہے۔ تو اس لمبی چوڑی عبارت کی ضرورت ہی کیا ہے۔؟ اور یہ کس کو سنار ہے ہو۔؟

جب تم نماز پڑھتے ہو تو کیا ساری تفصیل اللہ کو بتایا کرتے ہو کہ میں چار رکعتیں پڑھوں گا۔ چار رکوع کروں گا، آٹھ سجدے کروں گا، دو قعدے کروں گا، تشہد پڑھوں گا، فاتحہ پڑھوں گا، یہ سب کے سب شمار کر کے اللہ تعالیٰ کو بتایا کرتے ہو؟ نماز میں حمد و ثناء نہیں پڑھتے؟ وہاں کیوں نہیں کہتے ثناء واسطے اللہ تعالیٰ دے..... اُس میں درود نہیں ہے؟ وہاں کیوں نہیں کہتے دُرود واسطے اللہ تعالیٰ دے، سجدہ واسطے اللہ دے، رکوع واسطے اللہ دے تو پھر جنازے میں کوئی ایسی خصوصیت ہے کہ اُس میں سب کچھ شمار کر کے اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہو۔

جب ارادہ کر لیا کہ اس میت کے لئے دُعا کرنی ہے اور دُعا کا مفہوم آپ کے سامنے ہے کہ چار تکبیریں ہیں اور اصل ہے دُعاء۔ دُعاء کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے

حمد و ثناء پڑھی جائے، پھر دُرود شریف پڑھا جائے اور بعد میں دُعاء مانگی جائے۔ اسی قاعدہ کے مطابق جنازے میں پہلے ہم ثناء پڑھتے ہیں۔ پھر دُرود شریف پڑھتے ہیں پھر دُعا کرتے ہیں۔ بس جنازہ ہو گیا۔

ایک دفعہ میں قبرستان میں جنازہ پڑھانے گیا تو میں ابھی کھڑا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے یہی کہہ دیا (چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ۔۔۔) جیسے کہ کہا کرتے ہیں تو ایک اچھا بھلا بزرگ میں اُس کا نام نہیں لیتا۔ مجھے کہتا ہے مولوی صاحب! اقامت ہو گئی، نماز شروع کرو۔ میں نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی لوگ اس کو جنازے کی اقامت سمجھتے ہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک رہا بات سمجھے یا نہیں؟ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نیت دل میں ہوتی ہے۔ دل میں آپ فرق کریں ہاں البتہ بچوں کو سکھانے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ فرض ہیں۔ یہ سنت ہیں۔ یہ نفل ہیں اور تعداد میں دو ہیں، تین ہیں، چار ہیں اور نماز کون سی ہے ظہر ہے یا عصر، قضاء ہے یا ادا؟ تا کہ فرق معلوم ہو جائے۔ جب دُرود شریف پڑھیں گے تو وہ حضور ﷺ کے لئے ہوگا۔ یہ فرق دل میں ضروری ہے اگر یہ فرق نہیں کرو گے تو پھر نماز نہیں ہوگی۔

یا محمد لکھنے کا شرعی حکم:

سوال: دیواروں پر یا اللہ کے ساتھ یا محمد ﷺ لکھا ہوتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟
جواب: اس بارہ میں اپنے ایک بزرگ کی بات آپ کو سنا دوں قرآن کریم کی سورہ نور کے آخری رکوع میں آتا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ كَدُعَا بَعْضِكُمْ بَعْضًا کہ رسول کے پکارنے کو ایسے نہ کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو۔ اس کے دو معنی ہیں۔ دُعَاءُ الرَّسُولِ یہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے یا مفعول کی طرف۔ اس سے دو مطلب نکلیں گے۔ اگر مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر رسول تمہیں بلائے تو یوں نہ سمجھا کرو تو اُس کا بلاؤ تمہارے آپس کے

بلاؤے کی طرح ہے کہ مرضی ہے آؤ مرضی ہے نہ آؤ ایسا نہیں بلکہ رسول بلائے تو ضرور آؤ۔ رسول کے بلائے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلائے کی طرح نہ سمجھا کرو۔ ایک معنی اس کا یہ ہے اور اگر دعاء الرسول میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو معنی اس کا یہ ہوگا کہ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو یا زید، یا بکر، یا عمرو نام لے کر آواز دیتے ہو اس طرح نہ بلایا کرو۔ رسول کو ادب سے بلایا کرو۔ تفسیر کی کتابوں میں یہ دونوں مطلب ہیں۔

اس لئے صحابہؓ میں یا محمد کہنے کا معمول نہیں تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ۔ یا محمد کہنے کی انہیں عادت نہیں تھی۔ گواہم آپس میں بولیں گے تو نام لے کر بلائیں گے لیکن رسول اللہ کو نام لے کر نہیں بلائیں گے یا ابا القاسم تو کہتے تھے، یا رسول اللہ بھی کہتے تھے لیکن یا محمد کہہ کر بلائے کی صحابہؓ میں عادت نہ تھی۔ کوئی پہلے بلاتا تھا یا بعد میں آنے والے کسی بدو نے بلایا ہو، جس کو تہذیب کا پتہ نہیں، وہ ایک علیحدہ بات ہے۔ ورنہ عمومی ممانعت ہوگئی کہ آپ کا نام لے کر آپ کو نہیں بلایا جاتا تھا۔

ایک بات بتاؤں جو طالب علموں کے یاد رکھنے کی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ کہتے تھے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یا محمد کا لفظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے پسند نہیں آیا کہ صحابہ کہیں یا محمد۔ تو اللہ نے منع کر دیا۔ اور فرمایا۔ رسول کو اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو۔ گویا صحابہؓ کی زبان سے تو یا محمد پسند نہیں کیا لیکن تمہاری دیواروں پر لکھا پسند آ گیا؟

پھر یا اللہ۔ یا محمد کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ ہاں ایک مطلب بنتا ہے جیسے علامہ خالد محمود نے خود سنایا۔ میں نے خود ان کی زبان سے سنا۔ مولانا خالد محمود ہمارے طنز و مزاح والے آدمی ہیں۔ بہت اچھے اچھے لطائف بنا لیتے ہیں۔

کہنے لگے ایک دفعہ میں بریلویوں کی مسجد میں غیر مقلدوں کے خلاف درس

دے رہا تھا۔ (ذرا جوڑ دیکھئے اور داد دیجئے؟) بریلویوں کی مسجد میں درس ہو رہا تھا غیر مقلدوں کے خلاف..... اور بریلویوں کی دیگر مساجد کی طرح اُس مسجد میں بھی لکھا ہوا تھا یا اللہ! یا محمد تو کسی نے پرچی دے دی کہ یا محمد لکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ علامہ کہہ دیں گے کہ یہ جائز نہیں تو بریلوی بھڑک اٹھیں گے۔ ان کی آپس میں گڑ بڑ ہو جائے گی۔ اور یہ کہنا کہ جائز ہے یہ ان سے ممکن ہی نہیں، لامحالہ یہ ناجائز کہیں گے۔ اس طرح ان کی اور بریلویوں کی لڑائی ہو جائے گی۔ علامہ کہتے ہیں کہ جب یہ پرچی میرے سامنے آئی تو میں نے کہا۔ بھائی! یا محمد لکھنے میں کیا حرج ہے؟ تم لوگ اس کا مطلب غلط سمجھتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم خفیوں کے نزدیک یا اللہ ہے۔۔۔ یا محمد ہیں۔ ہم تو ان دونوں کے قائل ہیں۔ یہ مطلب ہے اس کا۔ اور اس میں حرج ہی آخر کیا ہے؟ جیسے تم کہتے ہو کہ ہم قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ہم یا اللہ کو مانتے ہیں یا محمد کو مانتے ہیں۔

آپ کی اس توجیہ پر مجمع میں سے ایک شخص بول پڑا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ 'یا' پنجابی والا ہے، کیونکہ یہ مطلب نکالنے کے لئے اس 'یا' کو پنجابی کا ماننا پڑے گا؟ تو کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے کہا کہ بھائی اگر یہ 'یا' پنجابی نہ ہوتا عربی ہوتا تو کیا سعودی عرب کی مسجدوں میں نہ لکھا ہوتا؟ تو علامہ صاحب نے اس کا مطلب یوں بنادیا۔۔۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ خواہ مخواہ کا یہ ایک رواج اور بلا وجہ کا جھگڑا ہے۔ اس کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ نداء کے بعد منادی کیا ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو یا محمد..... اے محمد..... آگے کیا کہنا چاہتے ہو؟ صرف نداء تو مقصود نہیں ہوتی۔ اصل تو یہ ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہو؟ اب آپ دیکھو کہ آپ کہو یا اللہ۔ پھر آگے کہو کہ مجھ پر رحم فرما۔ مجھے رزق دے، مجھے عزت دے، مجھے صحت دے، یہ بات جو اصل انسان نداء کے بعد ہمارتا ہے کیونکہ اگر نداء کے بعد منادی نہ ہو تو کلام پورا نہیں ہوتی، لیکن بتاؤ کہ یا محمد کے بعد تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کون سا کلام ہے جو آپ حضور ﷺ کو آواز دے کر کہنا

چاہتے ہیں؟ اس لئے یہ محض ایک رواج اور بلا وجہ کی ایک جاہلانہ ضد ہے جس کا کوئی علمی معنی نہیں بنتا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ لکھو گنجائش ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ لکھو گنجائش ہے۔ بات پوری ہے کلمہ پورا ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک طالب علمانہ بات یاد رکھئے کہ بعض مسجدوں پر لوگ لکھ دیا کرتے ہیں افضل الذکر لا اله الا الله محمد رسول الله، یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ افضل الذکر صرف لا اله الا الله ہے۔ کیونکہ لا اله الا الله ذکر ہے اور محمد رسول الله کوئی ذکر نہیں بلکہ ایک عقیدہ ہے۔ اور جو حدیث میں آگیا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے۔ افضل الذکر لا اله الا الله، اُس کے ساتھ محمد رسول الله کا اضافہ نہیں ہے۔

لہذا جہاں پر اضافہ ہے وہاں کریں جہاں نہیں ہے وہاں نہ کریں۔ آذان میں آپ اشہد ان محمد رسول الله کہتے ہیں بالکل ٹھیک..... لیکن آذان کے آخر میں صرف لا اله الا الله پڑھتے ہیں پورا کلمہ نہیں پڑھتے اور اگر کوئی یہاں پر محمد رسول الله پڑھے گا تو یہ بدعت اور گناہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر حضور ﷺ سے صرف لا اله الا الله ہی ثابت ہے، آگے محمد رسول الله نہیں ہے۔ اب ہم سے کوئی کہے کہ تم لا اله الا الله کے بعد آذان میں محمد رسول الله بھی کہو تو ہم کہیں گے کہ یہ بدعتی ہے۔ اب اُس پر کوئی کہے کہ لو یہ محمد رسول الله کہنے والے کو بدعتی کہتے ہیں اور یوں ڈنڈا اٹھالے تو اس کو سوائے جہالت کے اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ اس لئے بات صرف اتنی کریں جتنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ افضل الذکر لا اله الا الله..... ذکر جو کرنا ہے لا اله الا الله کرنا ہے..... محمد رسول الله ذکر نہیں ہے۔ سارا دن بیٹھے پڑھتے رہو..... محمد رسول الله..... محمد رسول الله..... محمد رسول الله۔ یہ کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ لا اله الا الله ذکر ہے۔ اور محمد رسول الله عقیدہ ہے۔

تصور بخشش و سزای

به موقع ۸ هفته و اصلاحی بیان

به مقام ۸ جامعہ باب العلوم کھروڑیکا

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

تصور بخشش و سزا

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ لَهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ-

نَبِيُّ عِبَادِي إِنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِيمُ

صَدَقَ اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى
ذَلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ-
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ كَمَا
تُحِبُّ وَتَرْضَى عَذَّةً مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ-



تمہید:

قرآن کریم کی یہ چھوٹی سی دو آیات جو آپ کے سامنے پڑھی ہیں بڑے طلباء تو ان کا ترجمہ سمجھ گئے ہوں گے۔ البتہ چھوٹوں کے لئے عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔ نبی عبادی..... میرے بندوں کو بتادو۔ حضور ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے بندوں کو بتادو اور انہیں یہ خبر دے دو کہ میں غفور الرحیم ہوں۔ بہت بخشنے والا ہوں، بہت رحم کرنے والا ہوں۔ وان عذابی هو العذاب العلیم اور ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دے دو کہ میری سزا بھی بڑی سخت سزا ہے..... ان عذابیں..... بے شک میرا عذاب..... هو العذاب العلیم..... بہت درد ناک عذاب ہے..... غفور الرحیم بھی ہوں اور ساتھ ساتھ میری سزا بھی بہت سخت ہے۔ یہ میرے بندوں کو بتادو۔

اللہ کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کرنیوالی ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری خالق ہے، مالک ہے اور ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں نہ ہو۔ اللہ کی قدرت، اللہ کا علم ہر چیز کو احاطہ کرنے والا ہے، ہر چیز اللہ کے علم کے گھیرے میں ہے۔

لیکن چونکہ ہماری آنکھیں دیکھتی نہیں۔

اور ہمارے کان براہ راست اُس کی بات سنتے نہیں۔

ہم اُس کو اپنی کسی حس کے ساتھ محسوس کر سکتے نہیں۔

اللہ کا تعارف انبیاء کے واسطے سے:

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف اور براہ راست اپنی معرفت دینے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا اور انبیاء نے اللہ کا تعارف اللہ کے بندوں کو کروایا تو جن لوگوں

نے انبیاء کی وساطت سے اللہ کو سمجھنے کی کوشش کی، انہوں نے اللہ کو صحیح سمجھا۔ اور ان کو اللہ کی صحیح معرفت حاصل ہوئی اور انہوں نے حقیقت کو پایا۔

اور جن لوگوں نے انبیاء سے ہٹ کر اپنی عقل کے ساتھ، اپنی دانش کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے متعلق تصورات قائم کئے تو تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان لوگوں نے بہت غلط تصور کیا اور اللہ کی ذات کو صحیح نہیں پہچانا بلکہ وہ بھٹک گئے گمراہ ہو گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے متعلق بات وہی صحیح ہے جو اللہ کے نبیوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے۔

اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے:

اللہ تعالیٰ کے جتنے نبی آئے اور انہوں نے مخلوق کو اللہ کا جو تصور دیا اس میں زیادہ حصہ اللہ کی رحمت کا ہے۔ یہ بتایا کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غصہ پر غالب ہے۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بنانے کا ارادہ کیا تو ایک لوح پر ایک تحریر لکھی جو اللہ کے عرش پر موجود ہے۔ جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایک مرکزی نقطہ ہے اور سارے کام اُسی کے گرد گھومتے ہیں۔ ایک بنیادی چیز جو طے کر لی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک بنیادی بات، ایک مرکزی نقطہ طے کر کے عرش پر لکھ کر رکھ لیا اور وہ مرکزی نقطہ کیا ہے..... ان رحمتی..... سبقت غضبی..... سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ ایک مرکزی نقطہ اپنی مخلوق کے بارے میں عرش پر لکھ کر رکھا ہوا ہے ان رحمتی غلبت غضبی..... میری رحمت میرے غصہ پر غالب رہے گی یعنی مخلوق کے ساتھ میرا جو معاملہ ہوگا اُس میں میری رحمت میرے غصہ پر غالب رہے گی۔

اللہ کی رحمت کیا جزاء میں تقسیم نہیں ہوتی:

اور حضور ﷺ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کی بات کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اجزاء نہیں بن سکتے تجزی نہیں ہے۔ ہماری زبان میں ہمیں سمجھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں سمجھو جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو

حصوں میں تقسیم کیا اور اُس میں سے ایک حصہ یعنی اپنی رحمت کا سواں حصہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں تقسیم کیا حتیٰ کہ

❁ حیوانات میں.....

❁ پرندوں میں.....

❁ درندوں میں.....

❁ انسانوں میں.....

❁ فرشتوں میں.....

اپنی رحمت کے سواں حصے کو تقسیم کیا اور اُس رحمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں تقسیم کی ہے جانور بھی اپنے بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہیں۔ پرندے بھی درندے بھی، چوپائے بھی، انسان بھی ایک دوسرے کے ساتھ پیار کرتے ہیں۔ تو اس ساری مخلوق میں اللہ کی رحمت کا سواں حصہ تقسیم ہوا ہے۔ آپ اندازہ کر کے دیکھ لیں کہ ساری مخلوق کی محبت، شفقت اور پیار کو جمع کر لیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سواں حصہ ہے۔ یہ صرف آپ کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفت متناہی نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ اس کے اتنے جزء ہو گئے۔ یہ صرف سمجھانے کی بات ہے۔

اللہ کا قیامت کے دن مخلوق سے برتاؤ:

اور ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو برتاؤ فرمائیں گے تو اس ساری رحمت کو جو اُس نے مخلوق میں تقسیم کی ہے اپنی صفت کے ساتھ ملا لیں گے اور صفتِ رحمت کو سو درجہ کامل کر کے پھر اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ کریں گے تو اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی محیط ہوگی؟ اور کتنی اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہو جائے گی۔ اللہ کا تعارف جو کروایا ہے انبیاء نے وہ رحمت کے عنوان سے ہی کروایا ہے کہ اللہ بہت مہربان ہے، بہت رحمت کرنے والا ہے۔ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ اور انبیاء نے اللہ کی رحمت یاد دلا کر اللہ کے بندوں کو اللہ کے

ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔

لفظ رحمن و رحیم کی تحقیق:

یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ ہر وقت ہماری زبان پر جاری ہے پانی پیتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، کپڑا پہنتے ہوئے بسم اللہ پڑھو، گھر میں داخل ہوتے ہوئے بسم اللہ پڑھو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بسم اللہ میں اللہ کا نام لینے کے بعد سب سے پہلا لفظ جو ہماری زبان پر جاری ہوتا ہے وہ ہے الرحمن الرحیم، تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہم اللہ کے رحمان اور رحیم ہونے کو یاد کرتے ہیں۔ جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو ہماری زبان پر اللہ کے نام کے ساتھ جاری ہوتا ہے رحمان رحیم، اور رحمان اور رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں۔ رحمان بھی مبالغے کا صیغہ ہے کہ بہت رحم کرنے والا، اور رحیم بھی مبالغے کا صیغہ ہے بہت رحمت کرنے والا، ایک رحمت کرنے والا ایسا جو دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا ہے اور ایک رحم کرنے والا ایسا جو آخرت میں رحم کرے گا۔ بہر حال رحمان اور رحیم کے معنی میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ وہ تو آپ جانیں صرف کے صیغوں کا اشتقاق کرنے والے۔ لیکن بہر حال اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ کی رحمت کا تکرار اور اللہ کے نام کے ساتھ اُس کی رحمت کا تصور ہمیں ایسا دیا گیا ہے کہ ہم بچے کو سب سے پہلے جب پڑھنا سکھاتے ہیں تو بچے کو اللہ کا تعارف رحمان اور رحیم سے کرواتے ہیں اور صبح شام اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے ہمیں جو تلقین کیا گیا ہے کہ بسم اللہ پڑھو تو بسم اللہ کے ساتھ اللہ کا تعارف اللہ کے رحمن و رحیم ہونے کے ساتھ کروایا گیا۔

بندے کا توبہ و استغفار:

اس رحمت کے حوالے کے ساتھ ایک بات جس کی یاد دہانی کروانی مقصود ہے وہ ہے بندے کا توبہ اور استغفار کرنا کیونکہ اللہ نے بندوں کو اپنی خبر جو دلوائی وہ غفار ہونے کے ساتھ دی ہے..... نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم..... یہاں غفور کا لفظ استعمال فرمایا..... بخشنے والا..... اور استغفار کا لفظ اسی غفور کے لفظ کے ساتھ مناسبت رکھتا

ہے۔ قرآن کریم کی سورہ ہود میں انبیاء کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جب آپ اُس تذکرے کو پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہر نبی نے اپنے مخاطبین سے یہی کہا کہ اپنے رب سے استغفار کرو جو غفور الرحیم ہے۔ اُس سے توبہ کرو۔ اللہ کی رحمت کو یاد دلا کر یہ کہا کہ توبہ کرو اور استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیاں معاف کر دے گا۔ گویا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے مخلوق جو اللہ سے دُور ہوئی اور بھٹکی پھرتی ہے اُس کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کا جو ذریعہ انبیاء نے اختیار کیا اور جو سب بتایا وہ توبہ اور استغفار ہے۔

سورہ نوح میں حضرت نوح کے تذکرہ میں بھی ہے استغفرو ربکم انہ کان غفاراً اس طرح دوسرے انبیاء کے تذکرے میں بھی ہے۔ سورہ مزمل کے آخر میں بھی یہی ہے۔ استغفار کرو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے تو غفور الرحیم کا حوالہ دے کر توبہ اور استغفار کی تلقین کی گئی ہے۔

توبہ اور استغفار کی حقیقت:

توبہ اور استغفار کی حقیقت کیا ہے؟ استغفار کا لفظ بول کر اللہ سے معافی مانگنا..... اور توبہ قلب کی صفت ہے..... اللہ کی طرف رجوع کرنا..... اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اُس کی رحمت کے ساتھ انسانوں پر اتنی زیادہ ہیں کہ یہ انسان اُن نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس بارے میں پوری طرح قاصر ہے۔

ہر سانس پر اللہ کا شکر واجب ہے:

حضرت شیخ سعدیؒ جس طرح گلستان کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم سانس لیتے ہیں سانس اندر کو جاتا ہے تو مدحیات ہے۔ اس سے ہماری عمر بڑھتی ہے پھر ٹھکتا ہے تو ہمیں راحت حاصل ہوتی ہے۔

پس در ہر نفس دو نعمت موجود است

و بر ہر نعمت شکر واجب است

ایک سانس پر دو نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے تو اگر آپ ہر سانس پر دو

دفعہ الحمد للہ کہیں تو صرف سانس والی نعمت کا شکر ادا کر پائیں گے۔ باقی نعمتوں کا تو کیا کہنا اور ہمیں یہ تصور دیا گیا کہ تم یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کتنے زیادہ ہیں۔ ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ کسی بھی وقت اللہ کی نافرمانی نہ کرو جو اتنا مہربان ہو۔

✽ تمہیں کھلاتا ہے.....

✽ تمہیں پلاتا ہے.....

✽ تمہیں عزت دیتا ہے.....

✽ تمہیں رزق دیتا ہے.....

✽ تمہیں راحت دیتا ہے.....

✽ تمہاری تکالیف دور کرتا ہے.....

دنیا کی کونسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطاء نہیں فرمائی تو کتنی بڑی بے حیائی اور کتنی بڑی بے غیرتی ہے کہ اس قسم کے محسن اور اس قسم کے مہربان کی نافرمانی کر کے انسان اُسے ناراض کرے۔ بہت بڑی بے حیائی اور بہت بڑی بے غیرتی ہے کہ اتنے بڑے مہربان اور اتنے کرم فرمانے والے اور اتنی مہربانی کرنے والے اور اتنے کھلانے پلانے والے کی نافرمانی کریں۔

محسن کے سامنے نیاز مندی فطری تقاضہ ہے:

ہمارا آپس کا معاملہ آپ کے سامنے ہے۔ ایک دن آپ کسی کو چائے پلا دیں دوسرے وقت میں آپ اُس کو کوئی کام کہیں اور وہ انکار کر دے آپ کہتے ہیں بڑا طوطا چشم ہے۔ چائے پلائی تھی اُس کا بھی خیال نہیں رکھا۔ ایک پیالی چائے پلا کر آپ خیال کرتے ہیں کہ میں نے اُس کو چائے پلائی تھی اور میں نے ذرا سا کام کہا اُس نے اتنا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ ایک پیالی چائے پی کر اگر آپ کی کوئی فرمانبرداری نہیں کرتا تو آپ اُس کو بے لحاظ کہتے ہیں۔ طوطا چشم کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا کچھ کہتے ہیں۔ ذرا سا احسان

کرنے کے بعد آپ کو خیال ہوتا ہے کہ اب اُس کو میرا بندہ بن کے رہنا چاہئے اور میری فرمانبرداری کرنی چاہئے لیکن جس اللہ کی اتنی نعمتیں کھاتے ہیں صبح و شام ہمیں کبھی خیال نہیں آتا کہ ہم بھی اُس اللہ کے بندے بن کے رہیں۔ اس بات کو اگر آپ سوچیں تو واقعتاً طبیعت میں ایک جذبہ ابھرتا ہے کہ ایسے کریم آقا کو تو بالکل ناراض نہیں کرنا چاہئے اور ایسے مہربان کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں اُس کا فرمانبرداری بن کے رہنا چاہئے۔

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہو سکتا:

پھر ہمیں یہ تصور دیا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے اس لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کوتاہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتے رہو۔ تم معافی مانگتے رہو اللہ معاف کرتا رہے گا۔ اور یہ سمجھنا کہ ایک دن نماز پڑھ لی۔ دو چار نفل پڑھ لئے اللہ پر بہت بڑا احسان کر دیا۔ دیکھو ہم نے عبادت کر لی۔ یہ تصور غلط ہے۔

اسرائیلی روایات کا حکم:

اسرائیلی روایات میں جن کو ہمارے بزرگ بھی وعظ میں سمجھانے کے طور پر بھی ذکر کرتے ہیں، اگر اُن کا ہماری شرعی روایات جو سور کائنات ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اُن سے ٹکراؤ نہ ہو تو اُن کا بیان کرنا بھی جائز ہے۔ ان سے عبرت لینا بھی جائز ہے۔ احکام کے سلسلے میں ہم کسی دوسری شریعت سے ہدایت نہیں لے سکتے لیکن وعظ و نصیحت کے طور پر اگر اُن باتوں کو لیا جائے تو درست ہے۔

راہب کا معنی:

ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ براہ راست تو میں نے حدیث کی کتابوں میں نہیں دیکھا کہ ایک اسرائیلی راہب تھا۔ راہب کا معنی ہے ڈرنے والا..... جس طرح ہم لفظ متقی استعمال کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں لفظ راہب استعمال کرتے تھے اور معنی تھا..... اللہ سے ڈرنے والا..... وہ اللہ سے ڈرنے والے تو

ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اگر مخلوق میں شامل ہو کر رہتے ہیں تو گناہ کرنا پڑتا ہے رشتہ داروں کے لحاظ میں۔ پڑوسیوں کے لحاظ میں۔ بیوی بچوں کے لحاظ میں اس لئے صحیح طور پر عبادت نہیں ہو سکتی۔ لہذا وہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل میں چلے جاتے تھے اور جنگل میں جھونپڑی بنا کے بیٹھ جاتے۔ بس صرف وہاں پر جنگلی پھل کھاتے، چشموں کا پانی پیتے اور اپنا وقت عبادت میں صرف کرتے تھے۔ اور مخلوق کے قریب نہیں لگتے تھے تاکہ کوئی گناہ نہ ہو۔

اسرائیلی راہب کا واقعہ:

ایسا ہی کوئی راہب تھا وہ پہاڑوں میں رہتا تھا۔ اور چار سو سال تک اس کو عبادت کا موقع ملا۔ پہلے لوگوں کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں۔ جیسے نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا زمانہ ساڑھے 9 سو سال ہے اور چالیس سال کی عمر میں اُن کو نبوت ملی تھی تو یہ 990 سال ہو گئے ہیں۔ پھر جب طوفان آیا تھا تو اُس کے بعد تقریباً 150 سال تک زندہ رہے تو اس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہ سو چالیس (1140) سال عمر ہوئی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زمینی عمر پوری ایک ہزار (1000) سال ہے۔ سو اُس وقت بہت لمبی عمریں ہوتی تھیں۔ یہ ایک علیحدہ قصہ ہوا۔ میں عرض کر رہا تھا کہ اُس راہب کو چار صد سال تک اللہ کی عبادت کا موقع ملا۔ مرتے وقت اُس کے دل میں یہ زعم پیدا ہوا کہ میں نے اللہ کی اتنی عبادت کر لی ہے اب بھی کیا اللہ مجھے جنت نہیں دے گا۔؟ چار سو سال عبادت کر کے وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ اب جنت میرا حق ہے۔

جنت میں داخلہ صرف اللہ کی رحمت سے ہوگا:

جبکہ ہمیں آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ تم کتنا ہی عمل کر لو جنت میں داخلہ صرف اللہ کی رحمت ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حدیث میں صاف صاف تاکید کی گئی لن یدخل احدکم الجنة بعمله۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے زور سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ کہنے والے نے کہہ دیا۔ مجلس میں بیٹھنے والے سوال کرتے تھے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا گیا..... ولا انت یا رسول اللہ؟..... یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ بھی عمل کی

وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتے۔ تو آپ ﷺ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا..... ولا
انا الا ان يتغمدني الله برحمته..... میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں
جاسکتا۔ اب اس کے بعد کسی اور کے لئے کیا گنجائش رہ گئی کہ وہ دو رکعتیں پڑھ کر حساب
لگانے بیٹھ جائے کہ اب تو میں نے اتنا نفع حاصل کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ضروری ہو گیا
ہے کہ مجھے جنت میں لے کر جائے۔ یہ حساب کتاب اللہ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ اس
طرح کا حساب اللہ تعالیٰ سے نہ کیا کرو۔ بلکہ صرف اللہ کی رحمت پر بھروسہ اور توقع رکھو۔
کیونکہ اللہ کی رحمت کے بغیر معاملہ نہیں چلتا۔

اللہ کی رحمت کے لئے عمل ایک بہانہ ہے:

ہاں اللہ کی رحمت کے لئے عمل ایک بہانہ ہے۔ یہ درمیان میں ایک بات کہہ
دوں کہ آپ یہ بھی نہ سمجھیں کہ پھر عمل کا فائدہ کیا ہوا؟ حضرت شیخ الہند ہمارے بزرگ
ہیں اُن کا قول شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر عثمانی کے حاشیہ میں نقل کیا
ہے۔ فرماتے ہیں سورۃ اعراف میں جہاں آتا ہے ادخلوا الجنة بما كنتم
تعملون تم اپنے عملوں کے سبب سے جنت میں داخل ہو جاؤ تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے
کہ عمل جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔ اس پر حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ حدیث
شریف میں تو آتا ہے کہ کوئی شخص عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی
رحمت کی وجہ سے جائے گا۔ اور یہاں پر آ گیا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کی وجہ
سے جنت میں جاؤ۔ یہ دو باتیں کیسے ہو گئیں؟ بہت پیارا جملہ لکھا کیونکہ مولانا شبیر احمد
عثمانی بھی شاگرد تھے حضرت شیخ الہند کے۔ فرماتے ہیں کہ مترجم محقق فرمایا کرتے تھے
(اس سے حضرت شیخ الہند مراد ہیں) کہ گاڑی تو اللہ کی رحمت سے چلے گی لیکن عمل وہ
جھنڈی ہے کہ جس کے اشارے کے ساتھ اُس کو چلاتے ہیں اور روکتے ہیں۔

عمل کی حیثیت:

سٹیشن پر اگر کھڑے ہوں تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ گاڑی پر جو گاڑ کھڑا ہوتا ہے

اُس کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی ہوتی ہے اور ایک سرخ جھنڈی ہوتی ہے جس وقت وہ سبز جھنڈی ہلاتا ہے تو گاڑی چل پڑتی ہے۔ اب جو شخص حقیقت نہ جانتا ہو وہ سمجھے گا کہ جھنڈی میں بڑا زور ہے کہ اس شخص نے اُسے ہلایا تو گاڑی چل پڑی اور ابھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ سرخ جھنڈی ہلا دے تو گاڑی کھڑی ہو جاتی ہے تو اب بھی وہ شخص یہی سمجھے گا کہ اُس جھنڈی میں اتنی طاقت ہے کہ اُس نے اُسے ہلایا اور گاڑی رک گئی۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ عمل کی یہ حیثیت ہے کہ جنت میں جانا تو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہے لیکن عمل وہ گاڑی کی جھنڈی جس کے اشارے سے اللہ کی رحمت آتی ہے یا نہیں آتی۔ جھنڈی سرخ ہوگی تو گاڑی رک جائے گی اور جھنڈی سبز ہوگی تو گاڑی چل پڑے گی۔

آپ غور کریں تو اس مسئلے کو سمجھانے کے لئے شاید اس سے بہتر اور کوئی مثال نہیں دی جاسکتی ہے جیسی حضرت شیخ الہندؒ نے دی۔ اگرچہ کپڑے میں کوئی قوت نہیں ہے کہ گاڑی کو چلا دے۔ گاڑی کو چلانے کی قوت انجن میں ہے لیکن جھنڈی کے اشارے کی ایک اصطلاح متعین ہے کہ جب یہ جھنڈی تلے گی تو گاڑی چل پڑے گی یا رک جائے گی۔ عمل بھی اسی طرح ہے کہ رحمت آئے گی تو اللہ کی طرف سے لیکن آپ کا عمل اس کے لئے ایک علامت بن جائے گا۔ جیسا عمل ہوگا اُسکے مطابق اللہ کی طرف سے برتاؤ ہوگا۔ عمل کی حیثیت سمجھانے کیلئے ایک بہت ہی عمدہ مثال ہے۔

ایک گلاس پانی کی قیمت:

ہمیں تو یہ ذہن دیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو اور رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ عمل صالح ہے۔ نیک عمل کرو گے تو اللہ کی رحمت اترے گی۔ تو اُس راہب کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں نے چار سو سال عبادت کی ہے مجھے بھی جنت نہیں ملے گی تو اور کس کو ملے گی؟ کہتے ہیں کہ جب اُس کی وفات ہوگئی، اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو لا کر جہنم کے کنارے پر کھڑا کرنا ہے جہنم میں پھینکنا نہیں۔ جب فرشتوں نے اُس کو جہنم کے قریب کیا اور اُس کو جہنم کی تپش پہنچی تو فوراً ہائے پیاس، ہائے پیاس پکارنے لگا۔

پانی چاہیے، پانی پلا دو، اُس نے شور مچا دیا۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہاں پانی ایسے نہیں ملتا۔ یہاں پانی عمل کے عوض ملتا ہے۔ قیمتاً ملتا ہے مفت نہیں ملتا۔ کہنے لگا کہ کیا قیمت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک گلاس پانی چار سو سال کی عبادت کے عوض ملے گا۔ پینا ہے تو اتنی عبادت دو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔ آپ جانتے ہیں کہ جب انسان مر رہا ہوتا ہے تو وہ سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اتنی عبادت تو میرے پاس ہے۔ مجھے پانی پلا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے پلا کر کہا کہ چار سو سال کی عبادت ایک گلاس کی قیمت ہے۔ لہذا تو نے چار سو سال تک جتنا پانی پیا ہے پہلے اُس کا حساب کر۔ جنت کی بات بعد میں ہوگی۔

عمل پر بھروسہ نہ کریں:

اب اندازہ کیجئے چار سو سال میں اُس نے کتنا پانی پیا ہوگا؟ یہاں ایک گلاس کے لئے چار سو سال کی عبادت دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ جس نے چار سو سال تک مفت پانی پلایا اُس کی رحمت کے کیا کہنے؟ یہ تو صرف ایک پانی کی بات ہے۔ غور کریں پانی کے علاوہ اللہ نے کیا کیا نعمتیں انسان کو دی ہیں؟ اللہ کی نعمتیں انتہائی قیمتی ہیں۔ اس لئے یہ تو ابھی تمہارے دماغ میں نہ آئے کہ ہم نے عبادت کر لی اب اللہ ہمیں ضرور جنت میں لے جائے گا۔ جس کے دل میں یہ خیال آیا اس نے اپنی عبادت غارت کر دی۔ سب کچھ کرو اس کے باوجود بھی کہو کہ اے اللہ تیرے احسانات اتنے ہیں کہ میں اُن کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی کہ تم میری نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرو، اور اگر تم سے کوتاہی ہو جائے کیونکہ تم انسان ہو اور انسان سے کوتاہی ہو ہی جاتی ہے تو مجھ سے معافی مانگ لیا کرو۔ میں معاف کر دوں گا۔ جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کل بنی آدم خطائون و خیر الخطائین التوابون آدم کی ساری ہی اولاد گناہ کرتی ہے سوائے انبیاء کے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں باقی انسانوں سے کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن بہترین آدمی وہ ہے جو خطا کرنے کے بعد اللہ سے معافی مانگتا رہے۔ پہلی کوشش تو یہ کرنی چاہیے کہ انسان جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی ہی نہ کرے

کیونکہ اللہ کی نافرمانی باطن کو بھی برباد کرتی ہے اور دنیا کی زندگی کو بھی تلخ کرتی ہے اور اگر خدا نخواستہ کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اس پر نادم ہو کر توبہ و استغفار کرے۔ طالب علموں کے لئے خصوصیت سے بات عرض کر رہا ہوں۔

امام شافعیؒ کا واقعہ:

مشہور ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے عرض کیا کہ میرا حافظہ خراب ہے مجھے کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ یہ بات امام شافعیؒ نے ایک شعر میں ذکر کی۔

شَكُوْتُ اِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي

فَاَوْصَانِي اِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

میں نے اپنے استاد کے سامنے شکایت کی کہ میرا حافظہ کمزور ہے، مجھے بات یاد نہیں رہتی تو میرے استاد نے مجھے وصیت کی کہ گناہ چھوڑ دو۔ گناہ نہ کیا کرو۔

لَا نَ الْعِلْمَ نُورٌ مِّنْ اِلٰهِ

وَنُورُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِي

کیونکہ قرآن وحدیث کا علم تو اللہ کا نور ہے اور معصیت ظلمت ہے۔ جس وقت تم گناہ کر کے اپنے دل میں ظلمت بھر لو گے تو یہ اللہ کا نور کیسے آئے گا؟۔ اس لئے طالب علموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں علم کا نور اور اللہ کی معرفت پیدا کے لئے گناہ سے بچتے رہیں۔ کیونکہ گناہ کرنے سے قلب میں تاریکی آتی ہے۔ دل میں ظلمت آتی ہے۔ اس سے علم کے اثرات واقع نہیں ہوتے۔ اس لئے بچو، گناہ نہ کرو اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی اس میں خصوصیت کے ساتھ ایسی باتیں بتائیں جو انسان کو گناہ سے بچانے والی ہیں وہ ذہن میں حاضر رکھیں۔

گناہ چھپ نہیں سکتا:

گناہ کا مبنی اخفاء پر ہے (آپ بالترتیب یاد رکھیں) گناہ کا مبنی اخفاء پر ہے۔ گناہ انسان چھپ چھپا کر کرتا ہے۔ علی الاعلان گناہ بہت کم کرتا ہے۔ بڑے گناہ جتنے بھی

ہیں انسان چھپ چھپا کر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ جبکہ ہمیں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ گناہ چھپتا نہیں ہے چاہے تم جو کچھ کر لو، یہ بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ یہ بھی چھپتا نہیں ہے۔ قرآن کریم نے کہا کہ تمہارے ہاتھ، تمہارے پاؤں اور تمہارا چہرہ اور تمہارا ایک ایک عضو وہ سب کچھ ریکارڈ کر رہے ہیں جو تم کرتے ہو۔ پرانے زمانہ میں لوگ اپنی قوت ایمانی کے ساتھ اس بات کو سمجھتے تھے لیکن آج تو سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔ یہ ریکارڈنگ کا سلسلہ بتاتا ہے کہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آواز کو ضبط کر لیتے ہیں اور دوسرے وقت میں جب چاہت ہو وہی آواز ان سے سنی جاسکتی ہے۔

یہ تمہیں انسان کی آواز اور تصویر محفوظ کر لیتے ہیں۔ بلکہ اب تو بات ان تسموں سے بہت آگے جا چکی ہے کہ صرف دھات کی چند لکیروں میں ایک آدمی کی سو سالہ زندگی کا ریکارڈ رکھا جاسکتا ہے۔ آج جو مجلس موجود ہے اگر اس کو فلما یا جاتا اور وہ کیسٹ تیار کی جاتی تو ہم سب کی حرکتیں، ہلنا جلنا اور مسکرانا، وہ سب کچھ اس میں آ جاتا اور اگر دس سال کے بعد آپ اس کو دیکھنا چاہتے اور اس کو چلا لیتے تو ایسے محسوس ہوتا کہ یہی رات کا وقت ہے اور یہی بتیاں جل رہی ہیں، یہی شکل و صورت اور آواز سامنے آ جائے گی۔ ایک چیز بھی مخفی نہیں رہے گی۔ جو کچھ کیا ہوگا سب آپ دیکھ لیں گے۔ یوں سمجھو کہ

✽ ہمارے چمڑے میں.....

✽ ہمارے ہاتھوں میں.....

✽ ہمارے پاؤں میں.....

✽ ہماری آنکھوں میں.....

✽ ہمارے کانوں میں.....

جو کچھ ہم سنتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں، جو کچھ ہم کرتے ہیں، وہ ریکارڈ ہوتا جا رہا ہے۔

ہمارے اعضاء بولیں گے:

قرآن کریم کہتا ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں انسان کے بولیں گے اور

بتادیں گے کہ ہمارے ساتھ اس نے کیا کیا۔ کیا کام سرانجام دیئے۔ اب اگر آپ کوئی گناہ چھپانا چاہتے ہو تو گناہ ایسے طور پر کیا کرو کہ ہاتھ پاؤں چمڑا وغیرہ سب کچھ اتار کے رکھ دیا کرو۔ ورنہ جس وقت آپ کوئی کام کریں گے وہ ریکارڈ تو ہو گیا۔ اب اُس کو کیسے جھٹلاؤ گے۔ جس وقت فلم آپ کے سامنے چلا دی جائے گی۔ سب کچھ آپ کے سامنے آ جائے گا۔ کہ آپ نے کیا کیا، کیا نہیں کیا۔

ہم جو کرتے ہیں زمین میں ریکارڈ ہوتا ہے:

قرآن کہتا ہے کہ زمین میں یہ سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے جو تم کر رہے ہو..... اذا زلزلت الارض زلزالها..... اس میں آگے آتا ہے..... يومئذ تحدث اخبارها..... جس دن زمین اپنی چیزیں بیان کرے گی۔ اس آیت کی تلاوت فرما کر حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں کہ زمین بتائے گی کہ میرے اوپر فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں شخص نے مجھ پر چوری کی تھی۔ فلاں شخص نے مجھ پر بد معاشی کی تھی۔ فلاں شخص نے میرے اوپر کسی کو قتل کیا تھا۔ آپ کی ہر بات اور ہر کام آپ کے درود یوار اور آپ کے زمین میں ریکارڈ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پھر بتائیے آپ گناہ کرنے کے لئے آخر کون سی جگہ تلاش کرو گے؟ جہاں بھی جاؤ گے آخر اس زمین پر ہی جاؤ گے۔ اور سب کچھ زمین میں ریکارڈ ہوتا چلا جائے گا۔ چھپ کر چھوٹے سے چھوٹا گناہ، جو کسی پتھر کے اندر کھس کر بھی کیا ہو، جس کا نہ کوئی روشن دان ہو، نہ کھڑکی ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیں گے۔ ہمیں بتایا گیا سورہ لقمان میں آتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی..... کہ انہا ان تک مثقال حبة من خردل..... اگر رائی کے دانے کے برابر گناہ ہوگا..... فتكن في صخرة..... پھر وہ کسی چٹان میں ہو..... اَوْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ..... یا آسمان پر چڑھا ہوا ہو یا زمین میں گھسا ہوا ہو..... یاتنی به الله..... اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا اور آپ کے سامنے کر دے گا۔ کوئی جگہ

چھپنے کی نہیں۔ جہاں پر چھپ چھپا کر گناہ کر لیا جائے۔ معلوم ہوا گناہ کبھی چھپا نہیں رہتا، بہر صورت ظاہر ہو کر رہے گا۔ اگر اس بات کو آپ پختہ کر لیں اور اپنے دل دماغ میں بٹھالیں تو آپ کوئی گناہ کرنے سے پہلے یوں نہیں دیکھیں گے کہ میں نے دروازہ بند کر لیا ہے۔ یوں نہیں کہیں گے کہ میں کمرے میں چھپا ہوا ہوں۔ پوشیدہ ہوں کسی کو نظر نہیں آ رہا ہوں۔

چوری ہو، چکاری ہو، عیاشی ہو، بد معاشی ہو یا جو بھی گناہ ہو۔ وہ ایک دن ظاہر ہو جائے گا اور یہ چھپا نہیں رہے گا۔ اگر یہ بات دل میں بیٹھ گئی تو اُس سے انسان میں گناہ کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور گناہ کی قوت مضحل ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اگر اس کے ذہن میں یہ بات رہے کہ یہ چھپی نہیں رہے گی ایک دن ظاہر ہو کر رہے گی۔ تو انسان گناہ نہیں کرے گا۔

فرشتے ہمارے نگران ہیں:

ان سب چیزوں کے باوجود ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ان علیکم لسحافظین کراماً کاتبین..... تمہارے اوپر نگران فرشتے متعین ہیں جو ہر وقت لکھنے والے ہیں کہ آپ نے کیا کیا، کیا نہیں کیا۔ یہ ساری مثل علیحدہ تیار ہو رہی ہے اور قیامت کے دن جب یہ نامہ اعمال نکال کر دیا جائے گا تو انسان حیران ہو کر کہے گا ما لہذا الكتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ..... اس کتاب کو کیا ہو گیا اس نے تو نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی۔ نہ بڑی چیز چھوڑی سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ یہ چیزیں اگر ذہن میں ہوں کہ

① ہمارے پیچھے ہر وقت سی آئی ڈی لگی ہوئی ہے.....

② زمین ہمارے اعمال کو ریکارڈ کرتی ہے.....

③ ہمارے بدن کے اعضاء ہمارے اعمال کو ریکارڈ کرتے ہیں.....

اس بات کا استحضار اور اس کو یاد رکھنا انسان کو گناہ کرنے سے بچاتا ہے اور اگر یہ

چیز ذہن میں راسخ ہو جائے تو انسان لازماً گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اور اسی کی یاد دہانی انسان کو ہوتی رہے۔ تو ان شاء اللہ انسان گناہ کے قریب نہیں جائے گا۔

توبہ گناہوں کا تریاق:

لیکن اس کے باوجود بھی اگر انسان کسی وقت غفلت سے کوئی غلطی کر بیٹھے، کوئی گناہ ہو جائے، توبہ بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے بندے کیلئے توبہ ایک ایسی چیز بنائی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت شیطان نے یہ چیلنج کیا تھا کہ میں آدم کے بچے کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اور تیرے خلاف اُس کو بھڑکاتا رہوں گا، تو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں یہ مجھ سے معافی مانگتا رہے گا۔ میں اُسے معاف بھی کرتا رہوں گا۔ تو اُس سے گناہ کروائے گا اور یہ مجھ سے معافی مانگے گا تو میں اُس کو معاف کرتا رہوں گا۔ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہے کہ اُس نے ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا اور ہمارے لئے استغفار کی گنجائش رکھ دی ہے۔ اور اگر اللہ کی طرف سے یہ بات نہ ہوتی تو ہم غلطی کرنے کے بعد اُس کی تلافی نہ کر سکتے اور بالآخر مجرم ہو کر سزا پاتے۔ یہ اللہ کے غفور الرحیم ہونے کا تقاضا ہے جو اللہ نے کہا کہ میرے بندوں کو بتا دو میں غفور الرحیم ہوں۔ تم معافی مانگو گے تو میں بخشتا رہوں گا۔

جان کنی سے پہلے توبہ کر لو:

اور توبہ کا دروازہ انسان پر اُس وقت بند ہوتا ہے جب انسان پر غرغرہ کی کیفیت طاری ہو جائے۔ یعنی سانس اکھڑ گیا۔ عالم آخرت منکشف ہو گیا۔ دنیا سے جانا یقینی ہو گیا۔ اب اگر وہ توبہ کرے گا تو توبہ قبول نہیں ہے۔ صاف طور پر قرآن کریم نے اعلان کر دیا ہے..... **وَلَيْسَ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ.....** اُن کی کوئی توبہ قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب موت آ موجود ہوتی ہے تو پھر کہتے ہیں..... **تُبْتُ الْآنَ.....** کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو اُن کیلئے..... **لَيْسَتِ التَّوْبَةُ.....** کوئی توبہ نہیں۔ ایک تو توبہ کا دروازہ انفرادی

طور پر اُس وقت بند ہوتا ہے۔

عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہونے کا وقت

اور ایک اُس وقت عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا جبکہ سورج مغرب سے نکل آئے گا۔ اور یہ علامت ہوگی کہ اب دنیا پر جان کنی کی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔ اُس وقت کوئی کافر ایمان لائے گا تو اُس کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اور کوئی گناہ گار توبہ کرے گا تو توبہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مغرب کی طرف سے سورج نکلنے سے پہلے توبہ کی گنجائش ہے۔ اور اسی طرح انسان پر موت کی غشی طاری ہونے سے پہلے پہلے توبہ کی گنجائش ہے۔ اللہ نے اس بارے میں وسعت رکھی ہے کہ توبہ کرو، استغفار کرو اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دے گا۔

اللہ بندے کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ بندہ جس وقت بھول بھٹک کر اللہ سے اپنا رخ موڑ لیتا ہے اور پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں..... اُس وقت اللہ تعالیٰ کی خوشی کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مثال سے سمجھایا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو نقل کیا کہ ایک آدمی بیابان ریگستان میں اپنی اونٹنی پر سفر کرتا جا رہا ہے اور اس کے کھانے پینے کا سامان اُس اونٹنی کے اوپر لدا ہوا ہے۔ پرانے زمانے کا تصور کیجئے جب میلوں میلوں تک پانی نہیں ملتا تھا اور بڑے بڑے ریگستان ہوتے تھے کہ نہ اُن کو انسان پیدل چل کے طے کر سکے نہ وہاں پر انسان کو کچھ کھانے پینے کے لئے ملے۔ ایسے بیابان میں سفر کرتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اپنی کسی ضرورت کے لئے اُترا۔ جیسے مسافر سونے اور کھانے پینے کی ضرورتوں کے لئے اُترتا ہے۔ تو وہ اونٹنی بھاگ گئی گم ہو گئی۔ اُسی پر اُس کا کھانا، اُس کا پینا، سب کچھ تھا۔ اب وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں پر نہ کچھ کھانے کو ہے، نہ پینے کو، اور نہ پیدل چل کے انسان سفر طے کر سکے۔ تو اب اُس کو یقین آ گیا کہ میں مر جاؤں گا۔ اب

میرے مرے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس خیال کے ساتھ لیٹ جاتا ہے کہ اب لیٹے لیٹے میں مرجاؤں گا۔ اب کوئی صورت نہیں بچنے کی۔

تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اونٹنی بمع ساز و سامان کے وہاں پر موجود ہے۔ اب یوں سمجھو کہ یہ شخص مر کے دوبارہ زندہ ہوا ہے یعنی جو شخص مرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اب وہ دوبارہ زندہ ہو گیا۔ اُس کو زندگی کا سامان مل گیا۔ وہ اونٹنی کو بمع ساز و سامان دیکھ کر اتنا خوش ہوا، اتنا خوش ہوا کہ اُس نے اپنے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ اور اب وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اللہ پاک انت ربی وانا عبدک اے اللہ واقعی تو میرا رب ہے میں تیرا بندہ ہوں کہ تو نے اس مشکل وقت میں مجھ پر مہربانی کی لیکن بدحواسی میں وہ یوں کہتا ہے اللہم انت عبدی وانا ربک اے اللہ واقعی تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔ اُس کے منہ سے یوں نکل گیا خوشی کی شدت میں ہوش گم کر بیٹھا۔ اُس کو یہ بھی نہیں پتہ کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اندازہ لگائیے وہ شخص کتنا خوش ہوا ہوگا؟ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جیسے اُس بندے کو اُس اونٹنی کے واپس آنے سے خوش ہوئی تھی تو اسی طرح اللہ کا نافرمان بندہ اگر توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اُس اونٹنی والے آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ یہ میرا بھولا بھٹکا بندہ واپس آ گیا ہے۔ یہ ہے اللہ کی رحمت۔

روزانہ استغفار کریں:

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی روزانہ جس طرح حدیث شریف میں تاکید آتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں خود ہر روز سو دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ کثرت سے استغفار کرتا ہوں۔ باوجودیکہ حضور ﷺ سے کوئی غلطی، کوئی لغزش سرزد نہیں ہوتی۔ لیکن اُمت کی تعلیم کے لئے یا اپنی شان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ اور استغفار اتنی کثرت سے کرتے تھے کہ سو سو دفعہ استغفار کرنے کا ذکر حدیث شریف میں ہے۔ ہم بھی اس بات کو اپنی عادت بنالیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھائیں۔

توبہ کے بھروسے پر گناہ کرنا عظیم غلطی ہے:

توبہ کے بھروسے پر جو شخص گناہ کرتا ہے کہ چلو میں توبہ کر لوں گا۔ یہ بہت بڑی غلطی کرتا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے آپ کو ایک کامیاب مرہم مل جائے کہ اگر یہ زخم پر لگالیں تو زخم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ آپ اس خیال سے کہ مرہم تو موجود ہے چلو اپنے آپ کو زخمی کر کے دیکھیں۔ یہ نری حماقت ہے۔ اسی طرح توبہ پر اعتبار کر کے گناہ کرنا بھی حماقت ہے۔ کیونکہ پتہ نہیں ہوتا کہ گناہ کرنے کے بعد آپ کو توبہ کا موقع بھی ملتا ہے یا نہیں۔ بعض اوقات انسان کسی گناہ میں مصروف ہوتا ہے اور موت آ جاتی ہے۔ مثلاً چور چوری کرنے گیا وہیں قتل ہو گیا، بد معاش بد معاشی کرنے گیا وہیں مار دیا گیا۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ جب انسان یوں کہتا ہے کہ گناہ کے بعد میں توبہ کر لوں گا تو دل میں ندامت نہیں ہوتی۔ جبکہ توبہ کی حقیقت ہی دلی ندامت ہے، جب تک دل میں ندامت نہیں ہوتی تو توبہ کی حقیقت محقق نہیں ہوتی۔ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کبھی توبہ کے اعتبار پر گناہ کی غلطی ہرگز نہ کرنا۔ یہ بہت خطرناک جرأت ہے۔ یہ اللہ کی رحمت کو غلط استعمال کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہ ہو۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے غلطی ہو جائے تو پھر توبہ میں دیر نہ کی جائے اور اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

توبہ کا طریقہ:

اچھا طریقہ وہ ہے جو حدیث شریف میں آتا ہے۔ صلوٰۃ توبہ کے عنوان سے دو نفل پڑھے جائیں۔ اگر متعین گناہ ہے تو متعین گناہ کی نیت سے اور اگر متعین گناہ نہیں تو ویسے توبہ کی نیت سے دو نفل پڑھ کر اُس کے بعد اللہ کی حمد و ثناء، حضور ﷺ پر درود شریف اور اُس کے بعد توبہ اور استغفار کے کلمات زبان سے ادا کریں تو ان شاء اللہ العزیز ہر قسم کا گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے اور توبہ اور استغفار کی یومیہ عادت بنانی چاہئے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے بھی انسان استغفار کرتا رہے۔ خصوصیت کے ساتھ صبح کے وقت۔ یعنی تہجد کے وقت کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ تم مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں۔ اگر یہ وقت کسی کو نصیب ہو جائے تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ طلباء کو چاہئے چھوٹوں کو بھی چاہئے، بڑوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق مانگ کر توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق دے اور ہمیں صحیح سچی توبہ نصیب کر دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



سوال: آب زم زم کھڑے ہو کر پینا کیسا ہے؟

جواب: آب زم زم کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے۔ بیٹھ کر پینا بھی جائز ہے۔ زم زم کے علاوہ باقی پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے اور زم زم کا پانی مکروہ نہیں ہے۔ باقی زم زم کیلئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے بیٹھ کر بھی پیا جاسکتا ہے۔

سوال: کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے؟

جواب: یہ بات یاد رکھئے کہ وضو کا بچا ہوا پانی یہ نہیں ہوتا جو آپ کے لوٹے میں بچا ہوتا ہے۔ وضو کا پانی بچا ہوا جس کو متبرک سمجھا جاتا ہے وہ ہے کہ کھلے برتن میں پانی لے کر بیٹھو، اُس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی لے کر وضو کرو۔ بار بار اُس برتن میں آپ کا ہاتھ پڑے تو وہ بچا ہوا پانی..... وضو سے بچا ہوا پانی کہلاتا ہے۔ اگر آپ لوٹے کے ساتھ وضو کرتے ہیں تو لوٹے میں جو پانی بچا ہوا ہے اُس کے ساتھ آپ کے وضو کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو ایسے ہے جیسے کہ ٹینکی میں بچا ہوا پانی..... کہ لوٹے سے پانی لے کر آپ نے وضو کر لیا ٹینکی کے پانی سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ تو وضو کا بچا ہوا پانی وہ کہلاتا ہے جس میں بار بار ہاتھ ڈال کر پانی لے کر وضو کیا گیا ہو۔ اُس پانی کے بارے میں آتا ہے کہ یہ پانی متبرک ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس بچے ہوئے پانی کو متبرک کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے اُسے کھڑے ہو کر پیا اور کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ تو یہ پانی کھڑے ہو کر پینا ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ وضو کا بچا ہوا پانی وہ ہونا چاہئے جس میں وضو کرتے ہوئے آپ نے بار بار ہاتھ ڈالا ہو۔ اور کھلے برتن میں وضو کیا ہو۔ تب وہ پانی وضو کا بچا ہوا کہلائے گا۔

وسیلہ کا حکم

بہ موقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام 8 جامعہ باب العلوم کھروڑپکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

وسيلة کا حکم

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ أَنْفُسَنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!
أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

وَلَمَّا جَاءَ هُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
وَمِمَّنْ قَبُلَ كِتَابُكَ يُسْتَفْتِحُونَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
فَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

صدق الله العلی العظيم وصدق رسوله النبی الکریم

ونحن علی ذلک لمن الشاہدین والشاکرین

والحمد لله رب العالمین۔

اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ

كما تحب وترضی عدد ما تحب وترضی۔

استغفر الله ربی من کل ذنب وأتوب الیه!



تمہید:

گزشتہ منگل ایک پرچی دی گئی تھی جس میں یہ وضاحت طلب کی گئی تھی کہ وسیلہ کسے کہتے ہیں؟ اور یہ وسیلہ جائز ہے یا نہیں۔؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ منگل اس مسئلے کی وضاحت کروں گا۔

کوئی زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ منہ میں بھی تکلیف ہے۔ کچھ کوشش کرتا ہوں آپ حضرات کو بات سمجھانے کی۔

وسیلہ کی تعریف:

دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ دعا غیر اللہ سے نہیں کرنی۔ مانگنا غیر اللہ سے نہیں ہے۔ مانگنا تو اللہ سے ہی ہے، لیکن دعاء میں یوں کہنا..... یا اللہ بطفیل فلاں، ببرکت فلاں، بوسیلہ فلاں، بحق فلاں میری دعا قبول کر، اور میری یہ حاجت پوری کر دے۔

سرور کائنات ﷺ کے وسیلہ سے۔ اولیاء اللہ کے طفیل۔ اپنے بزرگوں کے واسطے سے۔ اس طرح کہہ کے اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔ اس کو وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا کہتے ہیں..... توجہ کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں..... یہ دعا کرنے کا ایک طریقہ ہے..... اے اللہ انبیاء کے صدقے سے میری دعا کو قبول فرما۔ سرور کائنات ﷺ کے طفیل مجھے یہ چیز عطا فرما..... اپنے اولیاء کے وسیلہ سے مجھے یہ چیز دے..... ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنا اس کو کہتے ہیں وسیلہ کے ساتھ مانگنا۔

وسیلہ کے بارے میں اکابر کا مسلک:

اس بارے میں سب سے پہلے تو یہ سمجھو کہ ہمارا، ہمارے اکابر، ہمارے اساتذہ اور ہمارے مشائخ کا وسیلہ کے بارے میں کیا مسلک ہے؟ دلیل کی بات بعد میں ہوگی۔ پہلے اپنے مسلک کو سمجھ لیجئے..... ہمارا مسلک، ہمارے اکابر کا مسلک، ہمارے

اساتذہ و مشائخ کا مسلک، اس بارے میں یہ ہے کہ ان الفاظ کا دعائیں کہنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا باعث ہے۔ اور اس طرح دُعا کرنا بالکل درست ہے۔۔۔۔۔ اور اسی طرح دُعا کرنی چاہئے۔ یہ ہمارا دو ٹوک اور واضح مسلک ہے۔۔۔۔۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔۔۔۔۔ ہمارے اساتذہ بھی اسی کے قائل تھے۔۔۔۔۔ ہمارے مشائخ بھی اسی کے قائل تھے۔۔۔۔۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اس طرح کے الفاظ کے ساتھ دُعا کرنا یا اُس کو قبولیت کا ذریعہ سمجھنا، تقریباً اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

المہند علی المہند کا پس منظر:

علماء دیوبند کے عقیدوں کے متعلق ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس کا پورا نام ہے المہند علی المہند۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا پس منظر یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک شخص نے علماء دیوبند۔۔۔۔۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔۔۔۔۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔۔۔۔۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔۔۔۔۔ مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمہم اللہ کی عبارات سے کچھ نئی عبارتیں بنا کر، کچھ عقیدے گھڑ کر اُن حضرات کی طرف غلط منسوب کر دیئے کہ ان لوگوں کے یہ عقیدے ہیں۔ اور وہ یہاں سے لکھ کر یہ باتیں حرم میں لے گیا۔ وہاں کے علماء کو ان کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ اُنہوں نے صرف وہ استفتاء دیکھا تھا اور فتویٰ دے دیا کہ جن لوگوں کے یہ عقیدے ہیں وہ مسلمان نہیں کافر ہیں۔ اور اُس فتویٰ پر اس بد طینت شخص نے مکہ و مدینہ کے علماء سے دستخط بھی لے لئے کہ جن کے یہ عقیدے ہیں وہ کافر ہیں مسلمان نہیں۔

وہاں سے یہ فتویٰ کولا کر یہاں ہندوستان میں ایک رسالے میں اُس کی اشاعت کی گئی۔ رسالے کا نام حسام الحرمین رکھا۔ جب وہ شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا تو اُس وقت علماء دیوبند کو پتہ چلا کہ ہمارے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی گئی ہے۔

رضا خانی دجل و فریب:

جو عبارتیں اُس نے لی تھیں وہ اصل کتابوں سے مختلف تھیں۔ مختلف جگہوں سے فقرے لے کر جوڑ لئے گئے اور ایک مسلسل عبارت بنالی گئی۔ اور اکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب کر دی گئی۔ ان میں سے کچھ حضرت گنگوہیؒ کی طرف منسوب کر دی اور کچھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی طرف منسوب کر دی۔

مولانا خلیل احمد کے متعلق کہا کہ ان کے نزدیک شیطان کا علم اللہ سے زیادہ ہے۔ کسی کی طرف منسوب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے۔ کسی کی طرف منسوب کر دیا کہ جیسا علم حضور ﷺ کے پاس تھا ویسا علم تو پاگلوں اور مجنونوں کے پاس بھی تھا۔ کسی کی طرف منسوب کر دیا کہ یہ لوگ ختم نبوت کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے۔ کسی کی طرف منسوب کر دیا کہ یہ تو حضور ﷺ کو صرف بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں۔ اُن کے دل میں حضور ﷺ کی قدر و قیمت ہی کوئی نہیں۔ کسی کی طرف منسوب کر دیا کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال آ جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ باتیں خود بنا کر اُن بزرگوں کی طرف منسوب کر کے فتویٰ لے لیا۔

جب یہاں پتہ چلا اور عرب علماء کو مطلع کیا گیا کہ تمہارا یہ فتویٰ تو اُس جماعت کے خلاف چلا گیا جو ہندوستان میں دینِ حقیقی کی محافظ ہے اور انگریزوں کے ساتھ محارب ہے۔ ہندوستان میں کافروں کے ساتھ اُن کا مقابلہ جاری ہے۔ عیسائیوں کے مقابلہ میں ہیں، ہندوؤں کی مذہبی تنظیموں کے خلاف جہاد کرنے والے ہیں۔ جب بھی کوئی باطل فرقہ سر اٹھاتا ہے اُن کے خلاف وہ لوگ پوری تندہی سے کام کرتے ہیں۔ یہ باتیں قطعی غلط ہیں جو اُن کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ تو عالمِ عرب میں اس بات کی وضاحت کی گئی یہ جعل سازی کی گئی ہے۔ ایسا تو انسان اگر چاہے تو قرآن کی آیت میں ایک آدھا لفظ آگے پیچھے کر دے تو مطلب کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ ایک لفظ کے بدلنے سے ایمان سے کفر آ جاتا ہے اور کفر سے ایمان آ جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطلب میں تم

جتنی چاہو گڑ بڑ کرو الفاظ بھی قرآن کے ہی ہوں گے۔ باہر سے الفاظ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عبارتوں میں رد و بدل کرنے سے اصل مفہوم بدل جاتا ہے۔

علماء عرب کی طرف سے حق کی تحقیق:

تو جب اُن کے سامنے یہ حقیقت رکھی گئی تو اُنہوں نے پھر علماء دیوبند کے عقائد معلوم کئے تاکہ صحیح طور پر پہلے عقائد کی تفتیش ہو جائے تب جا کے پہلے فتویٰ کی تردید کی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے علماء دیوبند کی طرف غالباً تیس سوال لکھ کر بھیجے تاکہ اُن کے عقائد معلوم کریں۔ جب وہ سوال ہندوستان پہنچے تو عرب علماء کے اُن سوالات کے جوابات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے لکھے۔ جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے پیر بھی ہیں اور اُستاد بھی۔ چونکہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات ہو گئی تھی اور یہ حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں بڑے سمجھے جاتے تھے اس لئے اُنہوں نے اُن کے جوابات لکھے۔ جوابات کی تحریر لکھنے کے بعد اُس وقت جو بڑے بڑے علماء دیوبند موجود تھے۔ جن میں مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا اشرف علیؒ تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ (اگرچہ وہ اس وقت مدینہ میں تھے لیکن بہر حال موجود تو تھے)۔ اُن کے علاوہ حضرت گنگوہیؒ کے بیٹے مولانا مسعود احمد صاحب اُن سب حضرات نے اُس پر دستخط کئے اور یہ کہا کہ ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہی عقیدہ ہے جو مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے لکھا ہے۔ اُن سب حضرات نے باقاعدہ ذمہ داری کے ساتھ یہ قبول کیا کہ جو کچھ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے لکھا ہے یہ ہمارا اور ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے۔ اس طرح علماء دیوبند کے عقائد کی یہ دستاویز بن گئی اور اُس کو مکہ معظمہ بھیجا گیا اور مکہ معظمہ کے علماء نے پڑھ کر بالاتفاق اس پر دستخط ثبت کر دیئے۔

✽ چاہے وہ شافعی تھے.....

✽ چاہے وہ مالکی تھے.....

✽ چاہے وہ حنبلی تھے.....

چاہے وہ حنفی تھے.....

کیونکہ اختلاف مسائل میں ہے عقائد میں نہیں ہے۔ چنانچہ مکے کے علماء نے اس پر دستخط کئے کہ یہ جماعت اہل حق کی جماعت ہے اور ان کے عقائد بالکل صحیح ہیں۔ پھر وہ تحریر مدینہ گئی مدینہ کے علماء نے بھی اس پر دستخط کئے کہ یہ جماعت اہل حق کی جماعت ہے اور یہ عقائد صحیح ہیں۔ پھر وہ دستاویز شام بھیجی گئی شام کے علماء نے دستخط کئے کہ یہ علماء حق کی جماعت ہے اور ان کے عقائد درست ہیں۔ پھر وہ تحریر مصر بھیجی گئی تو جامعہ ازہر کے علماء نے اُس پر دستخط کئے کہ یہ عقائد صحیح ہیں اور یہ جماعت اہل حق کی جماعت ہے۔ پھر یمن اور اس کے علاوہ کئی دوسرے اسلامی ممالک میں جہاں جہاں اسلامی مراکز تھے وہاں اس رسالے کو بھیجا گیا اور ہر جگہ کے علماء نے تصدیق کی کہ یہ علماء حق کی جماعت ہے۔ اور اسمیں جو عقائد لکھے گئے ہیں بالکل صحیح ہیں۔

یہ سب کچھ مرتب ہو کر جس وقت وہ صحیفہ واپس آیا تو اُس کو ”**المہند**“ کے نام سے شائع کیا گیا۔ آج وہ عربی میں بھی ملتا ہے۔ اُردو میں بھی ملتا ہے۔ اور ایک طرف عربی اور اُس کے سامنے اُردو ترجمہ یہ بھی ملتا ہے۔ کتب خانوں سے بار بار اُس کو شائع کیا گیا۔ آپ حضرات کو کسی جگہ سے مل جائے تو ایک نسخہ لے لیں۔ اُس میں علماء دیوبند کے عقائد کی ایک مصدقہ فہرست ہے۔ اب جو شخص اُن عقائد کا حامل ہو گا وہ سمجھے کہ میں علماء دیوبند سے تعلق والا ہوں اور جو اُن عقیدوں سے اختلاف کرے گا اُس کا علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں باقی جو چاہے ہو۔

یہ تمام دنیا کے علماء کا مصدقہ رسالہ ہے۔ اس رسالے کا میں تعارف کرواتے ہوئے جو بات میں کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ علماء دیوبند کے عقائد ایسے نہیں ہیں کہ گھربٹھ کے بنائے گئے ہوں۔ بلکہ ساری اسلامی دنیا کے علماء نے پوری تحقیق کے بعد اُس پر دستخط کئے۔ دنیا بھر میں اُن کی اشاعت ہوئی اور اسلامی ممالک کے ہر مرکز نے اُن کی تصدیق کی۔ اور اُن کے دستخطوں کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوا اور اب تک مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اس طرح یہ بار بار چھپا۔ بار بار تقسیم ہوا۔ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ اور

ملتان کے قریباً ہر بڑے کتب خانے سے بھی ملتا ہے۔ اگر پہلے آپ حضرات کو علم نہ تھا تو اب آپ کے علم میں آ گیا۔ اس رسالے کو ضرور حاصل کریں۔

علماء دیوبند سے علماء عرب کا وسیلہ کے بارے میں استفسار:

جو سوالات انہوں نے لکھ کر بھیجے تھے اُس کا تیسرا اور چوتھا سوال اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔ کہ تم دعا میں وسیلہ کے قائل ہو یا نہیں؟ اور یوں کہنا کہ بطفیل رسول اللہ ﷺ، بوسیلہ فلاں، بحق فلاں..... اس طرح دُعا کرنے کے تم لوگ قائل ہو یا نہیں؟ مکہ معظمہ سے جو سوال آئے تھے علماء دیوبند کے عقائد کی تحقیق میں اُن میں یہ سوال خصوصیت کے ساتھ موجود تھا۔ مختصر سا سوال ہے دو تین سطروں کا اور دو تین سطروں کا ہی آگے جواب ہے۔ جواب تو یہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ ہم اور ہمارے بزرگ سب اس طرز سے دُعا کرتے ہیں اور وسیلہ کے ساتھ دُعا کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا اور اس پر تمام علماء دیوبند کے دستخط تھے۔ اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ میرا اور میرے اکابر کا مسلک یہ ہے..... پہلے مسلک کو سمجھ لیجئے۔

علماء دیوبند علم ظاہر و باطن کے جامع ہیں:

اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ علماء دیوبند نہ صرف یہ کہ محدث تھے۔ بلکہ محدث بھی تھے..... مفسر بھی تھے..... اور فقیہ بھی تھے۔ چونکہ ان علوم کا تعلق صرف ظاہر کے ساتھ ہے، ان سب کے ساتھ ساتھ وہ صوفی بھی تھے۔ تصوف کے تمام سلسلوں کے بھی وہ حامل ہیں۔ ہندوستان میں چار سلسلے تصوف کے معروف ہیں۔ نقشبندی..... چشتی..... قادری..... سہروردی..... اگرچہ باقی دنیا میں ان سلسلوں کے علاوہ اور سلسلے بھی ہیں۔ لیکن ہمارے علماء دیوبند ان چاروں سلسلوں میں تصوف کے حامل ہیں اور ہمارے اکثر و بیشتر اکابر کو چاروں سلسلوں میں اجازت ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کو حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے چاروں سلسلوں میں اجازت تھی۔ حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری..... حضرت شیخ الہند..... حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ سب کو چاروں

سلسلوں میں خلافت حاصل ہے۔ اس لئے تصوف میں یہ قادری بھی ہیں..... چشتی بھی ہیں..... نقشبندی بھی ہیں..... سہروردی بھی ہیں..... تصوف کے یہ جامع ہیں..... جیسے محدث ہیں..... جیسے مفکر ہیں..... جیسے فقیہ ہیں۔ اسی طرح صوفی بھی ہیں..... اور اولیاء اللہ کے جتنے سلاسل ہیں۔ وہ سب اُن میں موجود ہیں۔ اور پھر ہر میں سلسلے میں ایک شجرہ چلا آتا ہے۔ شجرہ کا معنی ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے نام سلسلہ وار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے جائیں۔ جیسے میں یوں کہوں کہ مجھے تصوف کے سلسلہ میں تعلق ہے حضرت رائے پوریؒ سے..... اُن کا تعلق تھا مولانا عبدالرحیمؒ سے..... اُن کا تعلق تھا حضرت گنگوہیؒ سے..... اُن کا تعلق تھا حاجی امداد اللہؒ سے..... اور حاجی امداد اللہؒ کا تعلق تھا حاجی نور محمدؒ سے..... اس طرح پھر سلسلہ کی بالترتیب سند موجود ہے۔ اور تمام سلسلوں کے مشائخ کے نام از اول تا آخر ترتیب وار لکھے ہوئے ہیں۔

علماء دیوبند اور تصنع و تکلف:

لیکن ہمارے اکابر کو چونکہ تکلف کی، شوبازی کی عادت نہیں ہے اس لئے اپنا نام شوکرنا کہ فلاں کاندھلوی..... فلاں چشتی..... فلاں قادری..... ہم میں اس طرح لکھنے کا رواج نہیں۔ البتہ اس طرح لکھنا جائز ہے۔ اور بالکل مناسب ہے جس طرح:

✽ ہم اپنے نام کے ساتھ خفی لکھیں تو ٹھیک.....

✽ ہم اپنے نام کے ساتھ چشتی لکھیں تو ٹھیک.....

✽ ہم اپنے نام کے ساتھ قادری لکھیں تو ٹھیک.....

✽ ہم اپنے نام کے ساتھ سہروردی لکھیں تو ٹھیک.....

یہ لکھنا ٹھیک ہے کیونکہ ہمارے اندر چاروں سلسلے پائے جاتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم میں سے کسی پر نقشبندی کا، کسی پر قادری کا اور کسی پر چشتی کا غلبہ ہے۔ لیکن ہم میں پائے چاروں سلسلے جاتے ہیں۔ تو ہمارے ناموں کے ساتھ قادری، چشتی کا آنا بالکل مناسب ہے اور واقعہ کے مطابق ہے۔ ہم صرف علم ظاہر کے حامل نہیں بلکہ ہمارے

اکابر علم باطن یعنی تصوف، ریاضت مجاہدے کے بھی حامل ہیں۔ جب ہم میں چاروں سلسلے موجود ہیں تو پھر ہر سلسلے کا ایک شجرہ ہے۔ یعنی اولیاء اللہ کے نام نظم کی شکل میں مرتب کئے گئے ہیں۔ کوئی شجرہ اولیاء کا ایسا نہیں ہے کہ جس میں اپنے اکابر کے وسیلہ کے ساتھ دُعا نہ مانگی گئی ہو۔ یا اللہ فلاں کے واسطے، یا اللہ فلاں کے وسیلے، فلاں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما۔ چاروں شجرے چھپے ہوئے ہیں اور چاروں میں دعا کا یہی طریقہ منقول ہے۔

مولانا حسین علی گوان کے شیخ کا وسیلہ سے دعا کا حکم:

بلکہ میں آپ حضرات کے علم میں اضافے کے لئے ایک بات عرض کر دوں کہ مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عنایت اللہ شاہ گجرات والے۔ اُن کا تعلق ہے مولانا حسین علی صاحب (واں پھراں) والوں سے..... واں پھراں ضلع میانوالی کا ایک قصبہ ہے۔ آپ وہاں کے وہ رہنے والے تھے..... شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عنایت اللہ شاہ کے پیر یہی مولانا حسین علی صاحب ہیں..... مولانا حسین علی صاحب نے دورہ حدیث گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کے پاس پڑھا..... اس طرح آپ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں..... اور تصوف میں یہ حضرت اقدس خواجہ عثمان صاحب موسیٰ زئی شریف والوں کے مرید تھے۔

موسیٰ زئی ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے یہ بھی بہت بڑی خانقاہ ہے جہاں پر مولانا دوست محمد صاحب قندھاری آ کر ٹھہرے اور نقشبندی سلسلہ پھیلا یا اور پاکستان میں پورے نقشبندی سلسلے کی کڑی وہیں پہنچتی ہے۔ مولانا حسین علیؒ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے مرید تھے اور خواجہ عثمانؒ کے صاحبزادے مولانا خواجہ سراج الدینؒ سے اُن کو اجازت تھی اور یہ اُن کے خلیفہ تھے، بیعت بھی کرتے تھے۔ تو مولانا حسین علی صاحبؒ کے شیخ خواجہ سراج الدینؒ نے خواجہ محمد عثمانؒ کے ملفوظات ”فوائد عثمانی“ کے نام سے مرتب کروائے تھے اور اُس کے اوپر نظر ثانی مولانا حسین علی صاحبؒ نے کی۔ (وہ میرے پاس ہیں) مولانا حسین علیؒ نے اُس کتاب کو پڑھنے کے بعد آخر میں لکھا..... قرأت هذا

الکتاب من اولہ الی آخرہ بما مر سیدی ومولائی خواجہ سراج دین
 اُس کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس کتاب کو اول سے لے کر آخر تک
 پڑھا۔ اپنے شیخ کے حکم سے اور میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مسلمانوں کو
 نفع پہنچائے۔ گویا اُس پر مولانا حسین علی کے تصدیقی دستخط ہیں۔ اور جگہ جگہ اُس پر مولانا
 حسین علیؒ نے حاشیہ چڑھایا ہے۔

اُس کتاب میں بھی جو شجرہ منقول ہے اُس میں بھی دُعا اسی طرح ہے بزرگوں
 کے توسل کے ساتھ اور اُن کے طفیل سے ہے..... اور اُس کے آخر میں مولانا حسین علی
 نے لکھا کہ مجھے میرے شیخ نے یہ حکم دیا تھا کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ شجرہ پڑھا کرو۔
 اور اسی طرح بزرگوں کے وسیلہ کے ساتھ دُعا کیا کرو۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مولانا
 حسین علیؒ بھی اسی شجرہ کے قائل تھے اور اسی طرح وسیلہ کے ذریعہ سے دُعا کرنے کے
 قائل تھے۔ اور اُنہوں نے لکھا ہے کہ مجھے شیخ نے کہا تھا کہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ
 شجرہ پڑھا کرو اور اسی طرح دُعا کیا کرو۔

اہل حق کا معمول:

بہر حال اہل حق کی جماعت جو ہندوستان میں تھی اُن کا معمول اسی طرح ہے کہ
 یوں دُعا کرنا قبولیت کا باعث ہے۔ اور ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح وسیلہ
 کے ذریعہ سے دُعا کرنے کے قائل ہیں۔ یہ تو میں نے اپنا مسلک بتایا ہے آپ کو۔ اُمید
 ہے آپ کے علم میں اچھی طرح بات آگئی ہوگی اور آپ اس کو سمجھ گئے ہوں گے؟ میں
 نے آپ کے سامنے علماء دیوبند کا مسلک ذکر کر دیا ہے۔ اس بات کو اپنے ذہن میں بیٹھاؤ
 اور اپنے مسلک کو اچھی طرح سمجھو۔

مسئلہ وسیلہ کی وضاحت:

اس کے بعد میں اس مسئلہ کی تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگا

جاتا ہے۔ دینے والا اللہ ہے، اللہ کے غیر سے مانگنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شعبہ کسی دوسرے کے سپرد کر رکھا ہے اور وہ بھی دے سکتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس کی وضاحت میں آپ کے سامنے کر دینا چاہتا ہوں۔ دعا تو اللہ سے کرنی ہے لیکن قرآن و حدیث میں دعا کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں۔ جن میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اگر دعا اس طرح کی جائے تو اس کی قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ بالترتیب بات کو ذہن میں بٹھائیے۔ دعا اللہ سے کرنی ہے۔

قبولیت دعا کے آداب:

دعا کے کچھ آداب ہیں جن کی رعایت رکھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ سے اُس دعا کی قبولیت کی توقع زیادہ ہوتی ہے۔ وہ آداب جن کی رعایت رکھنے سے قبولیت کی توقع زیادہ ہوتی ہے اور وہ مواعج جو دعا کی قبولیت میں رکاوٹ ہوتے ہیں کا خیال رکھا جائے

غذا حلال ہو:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کی غذا حرام ہے اُس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حدیث میں روایت موجود ہے کہ ایک آدمی بال بکھرے ہوئے ہیں۔ مسافر ہے۔ گھر سے دور ہے۔، میلے کپڑے ہیں، ہاتھ پھیلا کے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا رب یا رب یا رب۔ اب سفر میں مسکنت ہوتی ہے اور مسکنت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے وہ مسافر بھی ہے۔ مسکین بھی ہے۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کے یا رب یا رب۔ کہتا ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں..... مطعمہ حرام..... اُس کا کھانا حرام..... مشروبہ حرام..... اُس کا پینا حرام..... ملبسہ حرام..... اُس کا پہننا حرام..... فانی يستجاب له..... تو اُس کی دعا کیسے قبول ہو؟ جس کا لباس حرام۔ کھانا پینا حرام۔ اُس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ وہ کتنا ہی اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرے۔ اُس کی قبولیت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنی قدرت کے تحت اُس کی دعا بھی قبول کر سکتا

ہے۔ وہ اگر قبول کرنے پہ آئے تو شیطان کی بھی قبول کر لیتا ہے۔ دیکھئے عین اُس وقت جب شیطان آدم کو سجدہ نہ کر کے اللہ کو ناراض کر چکا تھا۔ اُس وقت بھی اُس نے دعا مانگی جس میں یہ کہا کہ مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کر لی..... یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور حکمت کا معاملہ ہے وہ چاہے تو کافر کی قبول کر لے، شیطان کی قبول کر لے لیکن اللہ تعالیٰ کی ایک عام عادت حضور ﷺ نے ذکر کی کہ اللہ حرام کھانے والے کی دعائیں قبول نہیں کرتا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو:

اور فرمایا کہ جس وقت وہ نیکی سکھانا بند کر دیں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کریں گے تو اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ آپ ﷺ نے متعدد ایسی باتیں بتائیں جو قبولیتِ دعا میں رکاوٹ ہیں اور کئی ایسی باتیں بھی بتائیں کہ اُن پر عمل کرنے سے قبولیتِ دعا کی بہت قوی توقع ہے۔

دعا کے آداب وقت کے اعتبار سے بھی ہیں..... جگہ کے اعتبار سے بھی ہیں..... اقوال کے اعتبار سے بھی ہیں..... افعال کے اعتبار سے بھی ہیں اور اشخاص کے اعتبار سے بھی ہیں..... وقت کے اعتبار سے آداب مثلاً..... حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدھی رات کے بعد اور طلوع فجر سے پہلے کا وقت ایسا ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ خود بندوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں عطا کرتا ہوں..... مجھ سے سوال کرو میں قبول کرتا ہوں..... اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہو کر خود یہ فرماتا ہے تو ہم جانتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ خود متوجہ ہو اور بندوں کو دعوت دے کہ:

✽ مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں.....

✽ مجھ سے رزق مانگو میں رزق دیتا ہوں.....

✽ مجھ سے صحت مانگو میں صحت دیتا ہوں.....

✽ مجھ سے عافیت مانگو میں عافیت دیتا ہوں.....

اُس وقت جب بندہ ہاتھ پھیلائے گا تو دعا کی قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ حدیث میں صراحتاً یہ بات موجود ہے اور جب اُس وقت کو قبولیت دعا میں سبب کے طور پر مؤثر مان لیا گیا تو اب اگر کوئی بندہ کہے کہ..... اے اللہ میں اس وقت تیری طرف متوجہ ہوں۔ تو نے خود فرمایا ہے کہ تو اس وقت بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ جس میں تو بندوں سے کہتا ہے کہ مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کرتا ہوں..... میرے مولا! اس مبارک وقت کے صدقے میں..... اس مبارک وقت کے برکت سے..... تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ تُو میری توبہ کو قبول فرمالے..... اب بتائیے اس میں کوئی حرج ہے۔؟ بے رکتِ ہذا الوقت کہنے سے اس میں کیا قباحت پیدا ہوئی۔؟ جب اس وقت کو اللہ نے خود قبولیت دعا کا سبب قرار دے دیا تو اب اگر آپ اس کو اپنی دعا میں سبب کے طور پر ذکر کریں کہ اے اللہ میری دعا کو اس وقت کے صدقے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج کی کیا بات ہے اور اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔؟

قبولیت دعا کے مواقع:

اسی طرح فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اُس میں جو مانگو اللہ عطا فرماتے ہیں..... وہ ساعت کون سی ہے؟ اُس کی تعیین نہیں کی گئی۔ اس لئے تم جمعہ کے دن جمعہ کی اذان سے لے کر شام تک اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ رہو..... صفا مروہ پر دُعا قبول ہوتی ہے..... سعی میں دُعا قبول ہوتی ہے..... طواف کے دوران دُعا قبول ہوتی ہے..... ملتزم تو جگہ ہی ایسی ہے کہ جہاں چمٹ کر اللہ سے مانگا جاتا ہے..... ایک روایت شلسل کے ساتھ چلی آرہی ہے جس کی اجازت مجھے بھی حاصل ہے۔ راوی اس میں کہتا ہے کہ میں نے ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول کی..... اس کا اگلا شاگرد کہتا ہے کہ میں نے اپنے اُستاد سے یہ بات سنی تھی اور میں نے ملتزم میں اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا کی وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی..... اور پھر آگے والا اُسی طرح کہتا ہے کہ میں نے بھی ایک دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول کی..... اس طرح اوپر تک یعنی سرور

کائنات ﷻ تک جتنی سند ہے..... سند کا ہر راوی یہ بات کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دُعا کی وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی..... اس طرح وہ سند ہم تک بھی پہنچی اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اُمید کر کے یہ کہتا ہوں کہ میں نے بھی ایک دُعا کی اور وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی..... مُلتَزَمُ ایسی جگہ ہے کہ اُس سے چٹ کر اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے۔ یہ کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان والی جگہ ہے..... کعبہ کی دہلیز سے چٹ کر سوال کرتے ہیں..... میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر سوال کرتے ہیں..... طواف کے دوران بھی مانگتے ہیں..... یہ جگہیں ایسی ہیں کہ جن کی قبولیت دُعا میں نشان دہی کی گئی ہے۔

اسی طرح میدانِ عرفات میں بھی دعا قبول ہوتی ہے..... مزدلفہ میں بھی قبول ہوتی ہے..... اب ایک آدمی عرفات کے دن دُعا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ تو نے مجھے اس برکت والی جگہ میں پہنچا دیا۔ آج اس دن کی برکت سے..... آج اس جگہ کی برکت سے..... میری دعا قبول فرما..... اس کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جگہ کا وسیلہ دے دیں آپ۔ وقت کا وسیلہ دے دیں آپ۔ کہ اے اللہ اس وقت کی وجہ سے..... اس جگہ کی برکت سے..... میری یہ دعا قبول فرما۔ جب اُس کو سبب کے طور پر مان لیا گیا تو اُس کو دُعا میں ذکر کرنے میں حرج نہیں۔ یہ سب کے سب دُعا کے آداب ہیں۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا ادب ہے:

اس کے علاوہ ہاتھ اٹھا کے، ہاتھ پھیلا کے، دعاء مانگی جاتی ہے..... ہاتھ اٹھانا یہ بھی دُعا کا ایک ادب ہے..... صرف ہاتھ اٹھانے کو دعا نہیں کہتے..... یاد رکھنا۔ دعا..... یَدعو زبان کے ساتھ پکارنے کو کہتے ہیں..... ہاتھ اٹھانے کو دعا کرنا نہیں کہتے..... ہاتھ اٹھانا تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے وقت ایک فقیرانہ ہیئت بتانے والی بات ہے۔ اس لئے جہاں گنجائش ہو ہاتھ اٹھائیں گے۔ جہاں گنجائش نہ ہو نہیں اٹھائیں گے۔ چنانچہ ہر دُعا میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے..... التحیات میں ہم دُعا مانگتے ہیں ہاتھ

نہیں اٹھاتے..... بیت الخلاء کو جاتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے..... بیت الخلاء سے نکلتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے..... بازار کو جاتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے..... مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعا مانگتے ہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے..... مسجد سے نکلتے وقت دعا مانگتے ہیں کوئی بھی اُس میں ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اس لئے ہر دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے۔ البتہ جہاں پر کوئی اور بات نہ ہو اپنی مرضی سے آپ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے دعا کرتے ہیں۔ وہاں پر ہاتھ پھیلا کر دعاء مانگیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا..... ان ربکم حیسی کریم..... تمہارا رب بڑا باحیا ہے، بڑا کرم والا ہے..... ان ربکم حیسی تستحی..... اللہ تعالیٰ حیا کرتا ہے اپنے بندے سے کہ جس وقت بندہ اُس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اللہ اُن کو خالی واپس کرتا ہوا حیا کرتا ہے کہ میرے بندے نے میرے سامنے ہاتھ پھیلائے ہیں میں اُن کو خالی کیسے واپس کروں۔ تو ہاتھ پھیلا کے دعا کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ:

یہ بھی ایک بات یاد رکھئے، ہمارے ہاں یہ کوتاہی عام ہے۔ ہم اکثر و بیشتر دعا کے لئے ہاتھ صحیح طرح نہیں اٹھاتے۔ جبکہ دعا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ہاتھ سینے کے برابر ہوں سینے سے اونچے نہ ہوں۔ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اٹھا دیا کھلے ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کو جب اللہ کے سامنے لجاجت کرنی ہوتی اور خصوصیت کے ساتھ دعا کرنی ہوتی تو حضور ﷺ اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی..... بیاض ابطیہ..... اور آپ ﷺ اللہ کے سامنے ایسے ہاتھ پھیلاتے تھے جیسے کھانا مانگنے والا مسکین اپنے ہاتھ پھیلا کر کرتا ہے۔ اس طرح ہاتھ پھیلاتے تھے۔ تو بیاض ابطیہ..... کا نظر آ جانا، بغلوں کے اندر کی سفیدی کا نظر آ جانا، یہ ہاتھ پھیلانے کے ساتھ ہوتا ہے سینے سے اوپر نہیں کرتے۔ سینے

کے برابر رکھتے ہیں۔ تو مسکین کھانا مانگنے والے کی طرح اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر جیسے کہ..... فٹ پاتھوں پر بیٹھے ہوئے مسکین ہر آنے جانے والے کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے بھی اس طرح ہاتھ پھیلائے جائیں۔ یہ بھی قبولیت کا باعث ہے۔ تو وقت کا وسیلہ بھی ہے..... جگہ کا وسیلہ بھی ہے..... ہاتھ اٹھانے کا وسیلہ بھی ہے..... اور درود شریف پڑھنے کا وسیلہ بھی ہے۔

درود شریف کا وسیلہ:

حدیث میں آتا ہے مشکوٰۃ میں روایت موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دعاء زمین اور آسمان کے درمیان میں لٹکی رہتی ہے۔ جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو اس وقت تک دعاء قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے دعا کی ابتداء اور دعا کے آخر میں درود شریف پڑھنا ہمارے اکابر کا معمول ہے۔ درود شریف یقیناً قبول ہوتا ہے۔ اول سے بھی قبول آخر سے بھی قبول تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ درمیان والی چیز کو چھوڑ دے۔ اور اللہ کی رحمت سے توقع کریں کہ جب اول و آخر قبول ہوگا تو درمیان بھی قبول ہو جائے گا۔ اس لئے درود شریف پڑھنا بھی قبولیت دعا کے لئے وسیلہ ہے۔

اعمال صالحہ کا وسیلہ:

ایسے ہی اعمال صالحہ کا تذکرہ کرنا۔ بخاری شریف کی صحیح ترین روایت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ تین اسرائیلی جا رہے تھے بارش شروع ہوگئی اسرائیلیوں کا قصہ ہے۔ حضور ﷺ سے پہلے کی اُمتوں کا۔ وہ بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کی غار میں کھس گئے۔ حدیث غار کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا جاتا ہے۔ بارش جب زور سے ہوئی تو اوپر سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا آیا اور غار کے دروازے پر آکر رُک گیا۔ عام طور پر بارش میں پہاڑوں کی چٹانوں کے نیچے سے مٹی نکل جاتی ہے تو چٹانیں لڑھک جاتی ہیں۔ اُس پتھر نے غار سے باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور وہ اتنا

وزنی پتھر تھا کہ اُن تینوں کے زور لگانے سے بھی نہ ہلتا تھا۔ جب غار کا دروازہ بند ہو گیا تو سوچنے لگے کہ کیسے نکلیں؟ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ تینوں نے مشورہ کیا کہ اب اپنا کوئی ایسا عمل یاد کرو جو تم نے صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا ہو۔ اور اُس عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اپنا ایک عمل ذکر کیا۔

ایک آدمی نے اپنے والدین کی خدمت کا ذکر کیا۔ ایک آدمی نے مزدور پر احسان کرنے کا ذکر کیا اور ایک آدمی نے یہ ذکر کیا کہ اے اللہ فلاں وقت میں مجھے تیری نافرمانی پر پوری قدرت ہو گئی تھی لیکن میں تجھ سے ڈر گیا۔ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی۔ قدرت حاصل ہو جانے کے بعد نافرمانی نہ کرنا اللہ س نے بطور وسیلے کے پیش کیا کہ اگر یہ عمل تیرے ہاں قبول ہے تو یہ مصیبت ہم سے ٹال دے تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلے کے دُعا کرنے سے چٹان کچھ کھسکی، دوسرے کے دُعا کرنے سے اور کھسک گئی، تیسرے کے دُعا کرنے سے مزید کھسکی اور دروازہ کھل گیا۔

تو اعمال صالحہ کو بطور توسل کے پیش کرنا کہ مولا اگر یہ عمل تیرے ہاں قبول ہو گیا ہے اور نیک عمل پر تیری رحمت ہوتی ہے تو ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنی رحمت کو ہمارے اوپر اس رنگ میں نازل کر دے کہ ہماری یہ ضرورت پوری ہو جائے۔ تو مسل بالاعمال الصالح کہلاتا ہے جو بالکل جائز ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مقبول الہی اشخاص کا وسیلہ:

لیکن ایک توسل بالذوات الفاضلہ بھی ہے یعنی فضیلت والی کسی ذات کا تذکرہ کرنا کہ فلاں ولی، فلاں محدث، فلاں بزرگ، فلاں فقیہ، فلاں شہید کی برکت سے میرا یہ کام کر دے۔ ذواتِ فاضلہ کے وسیلے سے بھی ہمارے نزدیک دُعا کرنا بالکل صحیح ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسے وہاں پر کسی قسم کا شرک والا معنی نہیں ہے کہ عمل کا حوالہ دیں..... وقت کا حوالہ دیں..... جگہ کا حوالہ دیں یا کسی ہیئت کا حوالہ دیں۔ اسی طرح کسی ذات کا حوالہ دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔

آیت لما جاء هم کی تفسیر:

یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی اس کا ترجمہ سن لیجئے۔ پہلے پارے میں ہے؟ لما جاء هم کتاب من عند اللہ..... جب اُن یہودیوں کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آگئی..... مصدق لما معہم..... جو تصدیق کرنے والی تھی اُس کتاب کی جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھی یعنی تورات، انجیل..... وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا..... یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلے میں استفتاح کیا کرتے تھے۔ یہ لفظ قرآن میں ہے۔ استفتاح کا لفظی معنی ہے فتح طلب کیا کرتے تھے کافروں کے مقابلے میں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حاشیہ میں یہ بات لکھی ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ ابن کثیر میں ہے۔ درمنثور میں ہے۔ روایات کے ضمن میں یہ بات کی گئی ہے کہ وہ یہودی اس طرح دعا کیا کرتے تھے اے اللہ نبی آخر الزمان کے صدقے ہمیں فتح عطا فرما۔ گویا وہ یہودی آپ کے آنے سے پہلے ہی آپ کا وسیلہ دیتے تھے اور آپ کی کتاب کا وسیلہ دیتے تھے۔ قرآن مجید نے اس بات کو نقل کیا ہے اور اس پر انکار نہیں کیا۔

ایک تفسیر یہ ہے۔ اگرچہ اس کی دوسری تفسیر بھی ہے جو بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے اختیار کی کہ کھول کھول کر بیان کیا کرتے تھے کافروں کے سامنے کہ نبی ایسا آنے والا ہے۔ ایسا آنے والا ہے۔ جب وہ آجائے گا ہم اُس کے ساتھ مل کر تم پر غالب آئیں گے۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے لیکن روایات کے درجے میں کثرت کے ساتھ تفسیروں میں پہلی تفسیر ہے۔ کہ آپ کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے تو وہ روایات بھی اُس پر دلالت کرتی ہیں اور قرآن کریم نے اُس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور حدیث شریف کی دو روایتیں عرض کرتا ہوں بہت ساری روایات ہیں جو ہمارے اکابر کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔

ایک روایت ہے..... کان یستفتح بسعائیک المہاجرین..... مشکوٰۃ

میں یہ روایت موجود ہے سرور کائنات ﷺ مہاجرین میں سے جو فقراء تھے اُن کے ساتھ فتح طلب کیا کرتے تھے کان یستفتح بسعالیک المهاجرین..... تو بسعالیک المهاجرین سے فتح طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں دونوں ہی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

پہلا مطلب:

۱۔ تو یہ ہے کہ اُن فقراء کو کہتے تھے کہ ہمارے لئے دُعا کرو ہم کافروں سے لڑنے جارہے ہیں۔ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح دے۔ یہ بھی اُن سعالیک المهاجرین کے ذریعہ سے فتح طلب کرنے کی بات ہے۔ آپ کسی دوسرے سے کہیں کہ میرے حق میں دُعا کریں۔ یہ بھی دوسرے کے ساتھ تو سل ہے۔ گوا اس طرح بھی دوسرے کو ذریعہ بنا لیا اپنے حق میں قبولیت دعا کا۔ حضور ﷺ اُن سے فرمایا کرتے تھے ہم جارہے ہیں جہاد پر اور تم لوگ ہمارے لئے دعا کرنا اللہ ہمیں فتح دے۔ ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا ہے مرقاة میں۔

دوسرا مطلب:

۲۔ کہ حضور ﷺ دعا میں ذکر کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ان مہاجرین فقراء کے وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما۔ اُن کے طفیل ہمیں فتح نصیب فرما۔ اس حدیث کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ فقراء مہاجرین کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے رحمت مانگتے تھے۔

اور ایک روایت بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ حضرت سعد ہیں یا معاذ ہیں اس وقت ذہن میں نام نہیں ہے۔ وہ چونکہ نخی تھے۔ مال خیرات بہت کیا کرتے تھے۔ سرور کائنات ﷺ کو ایک دفعہ اُن کے حال کو دیکھ کر شبہ پڑا کہ شاید سعد اپنے آپ کو باقیوں کے مقابلے میں اچھا سمجھتا ہے کہ میں مال دار ہوں اور میں بہت سخاوت کرتا ہوں۔ دوسروں کے مقابلے میں اُس کے ذہن میں کوئی برتری سی آگئی ہے۔ حضور ﷺ کو ایسا محسوس ہوا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا

کہ سعد تمہیں جو رزق ملتا ہے وہ ان مساکین کے واسطے اور ان مساکین کی برکت سے ملتا ہے۔ اس لئے تم یہ نہ سمجھو کہ اُن کو رزق تم دیتے ہو۔ نہیں تمہیں رزق اُن کی وساطت سے ملتا ہے۔ اب جب سرور کائنات ﷺ نے ان فقراء کو رزق کے حاصل ہونے کا ذریعہ بتایا کہ ان کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہے تو کوئی شخص اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ ان فقراء کی برکت سے مجھے رزق دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت آتی ہے کہ دو بھائی تھے اُن میں سے ایک بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں علم حاصل کرنے آتا تھا اور دوسرا بھائی رزق حاصل کرتا تھا۔ جو کمائی کرنے والا تھا وہ دوسرے کو کہتا کہ کمائی ساری میں کرتا ہوں تو تو صرف کھانے کے لئے بیٹھا ہے۔ کمائی کیوں نہیں کرتا۔ اُس نے حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا کہ یا رسول اللہ یہ کام نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کے پاس آتا ہے اور پڑھنے میں لگا رہتا ہے کام نہیں کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیال کر، تجھے رزق اس کی برکت سے ملتا ہے۔

توسل بالذات اصل میں توسل بالعمل ہی ہے:

آخری بات عرض کرتا ہوں کہ اگر غور کیا جائے تو توسل بالذات حقیقت کے اعتبار سے توسل بالعمل ہی ہے کیونکہ جب ہم کسی ولی کا نام لیتے ہیں تو اُس کے ساتھ اپنا تعلق بتاتے ہیں۔ یہی تعلق و محبت ہمارا عمل ہے۔ کیونکہ اللہ کے مقبول بندوں کی فضیلت قرآن و حدیث میں آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ المرء مع من احب..... جس کے ساتھ محبت رکھو گے اُسی کے ساتھ ہوو گے۔ فلاں تیرا مقبول بندہ ہے میں اُس کے ساتھ محبت رکھتا ہوں اُس کے ساتھ تعلق اور محبت کی برکت سے یا اللہ مجھ پر رحمت فرما اور یا اللہ میرا یہ کام کر دے تو توسل بالذات الفاضلہ کا انجام بھی توسل بالاعمال ہی نکلتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک بلا غبار قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ توسل ہر طرح جائز ہے۔ وقت کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ جگہ کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ اور ہاتھ پھیلانے کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ۔ کسی اچھے بزرگ سے دعا کروانے

کو قبولیت کا ذریعہ بناؤ اپنے لئے۔ جیسے حضور ﷺ خود کہا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا حضرت عمرؓ کو دعا کے لئے کہنا:

حضرت عمرؓ عمرے پر جا رہے تھے اور حضور ﷺ سے ملنے کیلئے گئے۔ جیسے بزرگوں سے ملاقات کر کے جانے کا رواج ہے جب وہاں پر گئے تو حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا..... یا اخیسی لاتنسسانی..... اے ہمارے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں بھلا نہ دینا اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معلوم ہوا دوسروں سے دعا کروانا بالکل ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہر حال آپ کے دل میں اتنی بات تو راسخ ہو جانی چاہئے کہ ہم ان میں سے کسی تو سل کے ناجائز ہونے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ مانگنا اللہ سے ہوتا ہے اور ان چیزوں کو ذریعہ بنایا جاتا ہے قبولیت کا۔ اور یہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث کے خلاف۔ دُعا کرنے کا یہ طریقہ درست اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ ادب اختیار کرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

چند سوالات اور اُن کے جوابات

سوال: کیا کسی چھوٹے سے عمل کا وسیلہ بھی دیا جاسکتا ہے؟

جواب: اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کا ہی مسئلہ تو مفصلاً ذکر کیا ہے۔ بڑا عمل ہو یا چھوٹا عمل اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

سوال: اس وقت افغانستان میں جانا کیسا ہے جب کہ دوسری طرف تمام کفر متحد ہو چکا ہے وضاحت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی؟

جواب: اس وقت افغانستان میں جہاد ہو رہا ہے۔ جہاد فرض ہے لیکن ہر شخص کے اوپر فرض نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ والدین اُس کو اجازت نہیں دے رہے تو اُس کو

اپنے گھر سے نہیں جانا چاہیے۔ سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کی قیادت میں جہاد ہوتا تھا تو بھی قرآن کریم نے کہا ہے کہ سارے جہاد میں نہ جایا کرو۔ کچھ پڑھنے پڑھانے میں لگے رہا کرو۔ کچھ فقہ حاصل کیا کرو۔ تاکہ جب لوگ باہر سے آئیں تو ان کو مسائل بتائے جاسکیں۔ تو جو طالب علم پڑھنے میں لگے ہوئے ہیں اس عمر میں ان کے لئے تحصیل علم مقدم ہے جہاد سے..... میں علی وجہ البصیرۃ اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں اگر کوئی علم کو نقصان پہنچا کر اس وقت جہاد پر جاتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ پڑھنے کا زمانہ یہی ہے۔ دو چار سال میں پڑھ کر فارغ ہو جاؤ گے۔ اور جہاد کے لئے ساری زندگی باقی ہے۔ اپنے اسباق کو ضائع نہ کرو۔ اس لئے دورانِ تعلیم جانا یہ مفید نہیں ہے۔

سوال: حضرت اُستاد محترم! آپ نے ملتزم پر کون سی دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی؟
جواب: یہ نہیں بتاؤں گا یہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ البتہ ایک دُعا میں آپ حضرات کے لئے کچھ مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول کی تھی۔ میرے اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے وہ قبول کی اور اُس کے اثرات نمایاں ہیں اور میں اپنے دل میں یقین رکھتا ہوں۔ ابتدا میں جب باب العلوم کی بنیاد رکھی تھی، اس کے لئے دعا کی تھی کہ اے اللہ باب العلوم کو ظاہر اور باطناً آباد کر دے اور میں نے اُس کی قبولیت کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔

ظاہری آبادی کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری رونق ہے، تعمیرات ہیں۔ جبکہ ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں۔ محض اللہ کے فضل و کرم سے اور اُس کی رحمت کے ساتھ یہ آبادی ہے..... باطنی آبادی کا مطلب یہ ہے کہ اس سے علم پھیلے..... لوگ عمل سیکھیں..... باب العلوم کو ظاہر و باطناً آباد کر دے۔ یہ دعا میری ملتزم کی دعا ہے اور اُس کی قبولیت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ نہ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے نہ کسی دوسرے اُستاد کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے ہو رہا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں یہ سب کے سب آثار اُسی دعا کے ہیں۔ دعائیں تو کچھ اور بھی تھیں لیکن وہ

سب بتانی ضروری نہیں ہیں۔ جو آپ سے متعلق تھی وہ بتادی۔

سوال: کیا زندہ بزرگ کا وسیلہ دیا جاسکتا ہے؟

جواب: زندہ مردہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ وسیلہ دونوں کا دیا جاسکتا ہے۔

اللهم صلی وسلم وبارک علی سیدنا محمد والہ واصحابہ

کما تحب وترضی عہدما تحب وترضی استغفر اللہ.

~~~~~

# فتنہ و جہاں اور سورۃ کہف

{1}

بہ موقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام 8 جامع مسجد باب العلوم کھروڑ پکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ

# فتنہ دجال اور سورہ کہف

## بیان نمبر (1)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ  
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ  
فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!  
أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

أَتْلُو مَا أَوْحَى إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ  
وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحِذًا۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى  
ذَٰلِكَ لِمَنِ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَأَصْحَابِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدًا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ

\*\*\*\*\*

## فضائل قرآن:

اللہ کی کتاب کا ایک ایک لفظ بابرکت ہے۔ جہاں سے بھی اس کو پڑھو، اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک لفظ پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ بات معروف ہے اور آپ سنتے رہتے ہیں لیکن اللہ نے اپنی حکمت کے ساتھ اپنی اس کتاب کے بعض حصوں میں کچھ بہت نمایاں قسم کے اثرات رکھے ہیں جن کی نشاندہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ میرا اشارہ اُن فضائل کی طرف ہے جو بعض سورتوں کے احادیث میں آئے ہیں۔

## سورۃ تبارک الذی والہ السجدہ کی فضیلت:

مثلاً مشہور بات ہے سورۃ تبارک الذی پڑھنے والے کو قبر میں عذاب نہیں ہوگا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو سورۃ تبارک الذی پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھیں گے۔ اور بالکل بعینہ یہی فضیلت الم تنزیل السجدہ کی بھی ہے۔ دونوں سورتیں تیس تیس آیتوں پر مشتمل ہیں۔ ایک روایت میں لفظ یہی آتے ہیں کہ قرآن میں ایک سورۃ ہے جو تیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اُس کی تلاوت عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔

اس کا مصداق یہ الم تنزیل السجدہ اور سورۃ تبارک الذی ہے۔ اور صحیح روایات میں موجود ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ سونے سے پہلے دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔ ہمارے بزرگوں میں بھی ان کو پڑھنے کا معمول ہے۔ آپ حضرات بھی اس کا کچھ اہتمام کر لیا کریں۔ کیونکہ زیادہ وقت نہیں لگتا جو حافظ ہیں اُن کے لئے تو اور بھی آسانی ہے کہ چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر توجہ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں تو عشاء کے بعد سونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ لگیں گے۔ اور آپ آسانی کے ساتھ ان دونوں سورتوں کی تلاوت کر سکتے ہیں۔



## سورۃ واقعہ کی فضیلت:

سورۃ واقعہ کے متعلق بیان فرمایا کہ جو اس کو رات کے وقت پڑھے..... لم نصبه الفاقة..... اُس کو فاقہ نہیں پہنچے گا فاقہ صرف بھوک کو نہیں کہتے۔ عربی میں فاقہ احتیاج کو کہتے ہیں اور جو سورۃ واقعہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ رزق کی برکت اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی فرمائی کہ اس میں اللہ نے یہ اثر رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ سورۃ واقعہ رات کو ضرور پڑھا کرو۔ یہ بھی ہمارے اکابر کے معمول میں ہے۔ مغرب کے بعد طلوع فجر سے پہلے رات کو جب چاہیں پڑھ لیں لیکن عام معمول مغرب کے بعد سورۃ واقعہ پڑھنے کا ہے۔ اور عشاء کے بعد سورۃ تبارک الذی اور الم تنزیل السجدہ پڑھنے کا ہے۔

## سورۃ یسین کی فضیلت:

سورۃ یسین کے بارے میں بھی حدیث شریف میں آتا ہے..... قضیت حوائج..... کہ جو شخص فی صدر النہار..... دن کی ابتداء میں سورۃ یسین پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں۔ آپ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تجارت کرتے ہیں۔ زراعت کرتے ہیں۔ ملازمت کرتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں۔ مزدوری کرتے ہیں۔ اور وہ چیزیں آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ سب مادی اسباب ہیں۔ اور جو کچھ میں ذکر کر رہا ہوں یہ روحانی اسباب ہیں۔ اور مادی اسباب کے مقابلے میں روحانی اسباب پر اثرات زیادہ مرتب ہوتے ہیں کیونکہ مادی اسباب تو ہماری تجویز کی ہوئی تدابیر ہیں۔ اور یہ روحانی اسباب اللہ اور اللہ کے رسول کی بتائی ہوئی تدابیر ہیں۔ تو اگر ہم مادی اسباب کو بھی اختیار کریں کہ اُن کا ترک کرنا جائز نہیں ہے رزق کمانے کے لئے تجارت و زراعت کی تدابیر اختیار کریں اور اُن کے ساتھ ساتھ یہ روحانی تدابیر بھی اختیار کر لی جائیں جو باعث برکت ہوں۔

## سورۃ کھف کی فضیلت:

ان سورتوں میں سے ایک سورۃ کھف بھی ہے جس کا تذکرہ میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں۔ سورۃ کھف کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اس کو پڑھتا رہے تو وہاں پر لفظ آتا ہے..... عصم من فتنہ الدجال..... یہ دجال کے فتنے سے محفوظ رکھا جائے گا۔ دجال کے فتنے سے بچنے کے لئے سورۃ کھف کے پڑھنے کی حضور ﷺ نے تلقین فرمائی۔

اور ایک روایت اس بارے میں یہ بھی آتی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کھف پڑھے تو اگلے جمعے تک یعنی سات دن اس کے قلب میں نور رہتا ہے۔ نورانیت رہتی ہے اور سات دن تک اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ شیطنیت کے اثرات ختم ہوتے ہیں اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ جمعے کے دن اس کا پڑھنا اکابر کے معمول میں ہے۔

## سورۃ کھف کی فتنہ دجال سے مناسبت:

لیکن یہاں ایک سوال اٹھایا ہے؟ ہمارے بزرگ مولانا مناظر احسن گیلانی نے۔ جن کا ذکر گاہے گاہے میں آپ حضرات کے سامنے کرتا رہتا ہوں۔ جو فاضل دیوبند اور بہت عظیم آدمی تھے۔ حضرت شیخ الہند کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے سورۃ کھف کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کا نام سے فتنہ دجال اور سورۃ کھف رکھا ہے۔ آپ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آخر اس سورۃ کی کیا خصوصیات ہیں جن کی بناء پر اس کو فتنہ دجال سے حفاظت کا ذریعہ بتایا گیا؟ بہت بہترین اور بہت اچھی معلومات کی حامل تفسیر ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی اس سورۃ کے ہر ہر جزء سے اصول نکالے ہیں کہ یہ سورۃ ان اصولوں کی نشاندہی کرتی ہے اور جو شخص ان اصولوں کو ملحوظ رکھے گا دجال کا فتنہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بہر حال جمعے کے دن پڑھنے کا معمول بتائیں۔ اور عام طور سے بھی اس کے اوپر نظر رکھیں۔ جیسے سورۃ یوسف پر بھی دو تین بیان ہوئے تھے کہ سورۃ یوسف میں بھی موجودہ حالات پر بہت انطباق ہے۔ اور اس میں

بہت سی ہدایات ہمارے لئے موجود ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بہت مشکل حالات میں سورۃ یوسف سنائی تھی۔ یاد ہوگا آپ کو اس کے کچھ حصے پر عید الاضحیٰ سے پہلے دو تین بیان ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد وہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب خیال ہوا کہ سورۃ کھف کے متعلق کچھ موٹی موٹی باتیں آپ کی خدمت میں عرض کروں۔

### فتنہ دجال کا وقت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ دجال کا وقت ہے کیا؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی نشاندہی ابتداء دنیا سے کی ہوئی ہے کہ ایک بہت بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس فتنے سے نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اس فتنے سے۔ لیکن جیسے قیامت کا وقت نہیں بتایا گیا کہ قیامت کب آئے گی اسی طرح اس فتنے کا بھی وقت نہیں بتایا گیا۔ بہر حال اتنا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ایک فتنہ آئے گا جس کو فتنہ دجال کہتے ہیں۔ تو نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے اس فتنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اور باقی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ اپنی امتوں کو اس فتنے سے ڈراتے رہے۔ لیکن چونکہ دور گزرتے گزرتے سرور کائنات ﷺ تک آ گیا۔ قیامت کا تذکرہ بھی ہر نبی نے کیا لیکن چونکہ اب قیامت آنی ہے سرور کائنات ﷺ کی امت پر اور درمیان میں کوئی دوسرا نبی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا دور قیامت سے متصل ہے۔

### فتنہ دجال اور نبی آخر الزمان کی امت:

اسی طرح فتنہ دجال کسی دوسرے نبی کی امت میں نہیں آیا۔ وہ آتا ہے اسی امت میں اور کوئی نبی نہیں آنے والا۔ یہی امت ہے جو اس فتنے کا شکار بنے گی۔ اس لئے سرور کائنات ﷺ نے جس طرح علامات قیامت بہت وسعت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں کہ ایسے حالات ہو جائیں گے قیامت کے قریب جا کر اور پھر قیامت آئے گی یعنی وقت اگرچہ متعین نہیں کہ کون سے مہینے میں، کس سال اور کس صدی میں قیامت نے آنا ہے

لیکن آپ ﷺ نے علامات اتنی بتا دیں کہ وہ علامات بہت تیزی کے ساتھ پوری ہوتی جارہی ہیں۔ جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ دنیا کے ختم ہونے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے۔ اور علامات قیامت بڑی تیزی سے پوری ہوتی چلی جارہی ہیں۔

### قیامت اور فتنہ دجال:

قیامت کے آنے سے پہلے فتنہ دجال بھی ہے۔ چونکہ آپ ﷺ کی اُمت کے سامنے یہ فتنہ آنے والا تھا اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس دجال کا تذکرہ بہت کثرت کے ساتھ کیا۔ بہت علامات اور نشانیاں اس کی بتائیں۔

حدیث شریف کی ہر کتاب میں حتیٰ کہ مشکوٰۃ میں بھی باب ذکر الدجال ..... بڑا الما باب ہے۔ اور وہ روایات حدیث کی ہر کتاب میں ملتی ہیں۔ دجال کے تذکرے کی ..... اور وہ فتنہ چونکہ سر پر کھڑا ہے اس لئے اس کے متعلق زیادہ سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے قیامت قریب آتی معلوم ہو رہی ہے اپنی علامات کے ساتھ۔ اسی طرح فتنہ دجال بھی اپنی علامات کے ساتھ بالکل سر پر کھڑا ہے۔ اور قریب قریب آ رہا ہے تو اس فتنے کی واقفیت اس کا خروج، اس کی خصوصیات اور اس سے بچنے کا طریقہ اور اس میں کیا مشکلات پیش آرہی ہیں اور اس سے چھٹکارا کس طرح ہوگا۔؟ اس لئے وقت کی مناسبت کے ساتھ آج طبیعت ادھر متوجہ تھی کہ اس بات کا تذکرہ مختصر طور پر آپ حضرات کے سامنے کیا جائے۔

### دجال اور دعویٰ ربوبیت:

آج تو اس کا صرف ایک سبق یاد رکھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دجال ربوبیت کا مدعی ہوگا۔ رب ہونے کا اعلان کرے گا کہ میں رب ہوں ..... دجال رب ہونے کا اعلان کرے گا۔ رب کا کیا مطلب؟ وہ کہے گا دنیا کا رزق، دنیا کی ضروریات میرے قبضے میں ہیں۔ دنیا میں رزق روٹی اس کو ملے گی جس کو میں دوں گا۔ جس کو نہیں دوں گا اس کو روٹی نہیں ملے گی۔

## دجال کی خصوصی علامت:

اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس عنوان کے تحت بہت سی نشانیاں اس کی بیان فرمائیں۔ لیکن ایک لفظ آپ ﷺ نے بار بار بیان فرمایا کہ اس دجال کے بارے میں تمہیں کچھ اور یاد رہے نہ رہے ایک بات یاد رکھنا۔ وہ بہت واضح سی علامت ہے۔ کہ وہ کانا ہوگا۔ اور وہ جس وقت یہ دعویٰ کرے کہ رب میں ہوں تو اس کو یوں کہنا کہ ہمارا رب کانا نہیں ہے۔ بس سیدھا سیدھا جواب ہے۔ ان ربکم لیس باعود ..... فرمایا کہ یہ نشانی پکی یاد رکھیو کہ وہ ہوگا کانا۔ اور جب وہ ربوبیت کا دعویٰ کرے تو کہنا کہ ہمارا رب کانا نہیں ہے۔ ہم اپنے رب کو جانتے ہیں یہ نشانی سرور کائنات ﷺ نے ایسی بتائی کہ جس کے یاد رکھنے کے لئے نہ زیادہ علم کی ضرورت ہے نہ عقل کی ضرورت ہے۔ سیدھا سادہ آدمی بھی اس بات کو یاد رکھ سکتا ہے کہ وہ کانا ہوگا اور کانا ہونے کے باوجود رب ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ بس اس طرح اس بات کو یاد کر لو کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اور اس بات کو مضبوطی سے یاد کر لو ..... ان ربکم لیس باعود ..... تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ بہت موٹی سی علامت ہے۔

رب ہونے کا جو عقیدہ ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو یہ سبق اپنی ربوبیت کا دیا کہ رب میں ہوں۔ میرے علاوہ کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔ دجال اگر رب ہونے کا دعویٰ کرے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کے مد مقابل آئے گا۔ رب میں ہوں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے پڑھائی ہے۔ پتہ ہے آپ کو قرآن کریم میں موجود ہے کہ آدم کے پیدا کرنے کے بعد آدم کی جتنی اولاد پیدا کرنی تھی ان سب کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت موجود کیا تھا۔ سب کی روحوں موجود ہوئی تھیں۔ آپ بھی وہاں موجود تھے۔ میں بھی موجود تھا لیکن ہمیں یاد نہیں۔ البتہ ہمیں یاد دلانے والوں نے یاد دلایا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم وہاں موجود تھے۔

تم کہاں پیدا ہوئے تھے.....

- ❁ کس وقت پیدا ہوئے تھے.....
- ❁ کس چار پائی پر پیدا ہوئے تھے.....
- ❁ کس کمرے میں پیدا ہوئے تھے.....

تمہیں نہیں پتہ لیکن تمہارے بڑوں نے بتایا کہ تم اس کمرے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس چار پائی پر پیدا ہوئے تھے۔ فلاں وقت میں پیدا ہوئے تھے۔ فلاں دن پیدا ہوئے تھے۔ تو ہمیں یقین آ گیا کہ واقعی ٹھیک ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مخبر صادق اگر اطلاع دے دے تو اس پر ایسے ہی یقین ہوتا ہے۔ جیسے انسان نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

جیسے یہ چیزیں ہمیں یاد نہیں لیکن بڑوں کے کہنے سے ہمیں یقین ہے کہ ہم فلاں دن، تاریخ اور وقت میں پیدا ہوئے۔ اور کن شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ لوگوں کو یقین ہے یا نہیں۔ حالانکہ اپنے طور پر تو تمہیں کسی چیز کا پتہ نہیں ہے۔ اپنے بڑوں کے بتانے کی وجہ سے آپ نے یقین کر لیا۔ اسی طرح ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول نے یہ اطلاع دی کہ تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اب ہمیں اپنے طور پر یاد ہے یا نہیں ہے۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کے کہنے کے بعد ہمیں اُس کا ایسے ہی یقین ہے کہ جس طرح آج ہم اپنے مجمع میں بیٹھے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اکٹھے ہو کر یہ تقریر سنی ہے۔ ہم نے اکٹھے ہو کر یہ بات سنی ہے اور اتنا ہی یقین ہمیں اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو جمع کر کے اُن کے ساتھ ایک گفتگو کی تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

### انسان سے پہلا سوال:

سب کو اکٹھا کرنے کے بعد آدم کے سامنے موجود کیا۔ موجود کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہی سوال سب سے پہلے رکھا تھا..... السست بر بکم..... کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں..... پہلی بات جو اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے کان میں ڈالی وہ یہی ہے تو آپ

سب نے جواب دیا تھا..... بلسی..... یقیناً تو ہمارا رب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار آپ سے سب سے پہلے کروایا۔

اور جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے آخری پیغمبر پر اتاری۔ اس کی پہلی سورۃ کون سی ہے؟۔ سورۃ فاتحہ..... وہاں پر اللہ تعالیٰ نے جو اپنا سب سے پہلا تعارف کرایا ہے تو تعارف میں لفظ کون سا استعمال کیا الحمد للہ رب العلمین..... تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنا تعارف اسی لفظ کے ساتھ کروایا..... شکر ہے اس اللہ کا جو رب العالمین ہے..... سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔

اور اس کتاب کو ختم بھی اپنی ربوبیت کے تذکرے پر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورۃ کونسی ہے؟..... سورۃ ناس..... یہ کہاں سے شروع ہوتی ہے؟..... قل اعوذ برب الناس..... تو اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا تذکرہ کیا۔ شروع میں رب ہونے کا ذکر کیا..... آخر میں بھی رب ہونے کا ذکر کیا۔

اور کتاب کے درمیان میں شدت کے ساتھ جو مطالبہ کیا ہے وہ یہ ہے.....  
الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا..... وہ لوگ جو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر ڈٹ جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے فرشتے بشارتیں لے کر اترتے ہیں۔ استقامت کا معنی ہے جم جانا، ڈٹ جانا، کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

ایک لگتی لگتی بات ساتھ اور بھی کہہ دوں۔ آپ نے پڑھا سنا۔ آپ کے عقیدے میں ہے کہ مرنے کے بعد جہاں سے آپ کا امتحان شروع ہونا ہے قبر میں اس میں پہلا سوال کون سا ہے؟۔ یاد ہے نا پرچے کے تین ہی سوال ہیں۔ ان میں سے پہلا سوال کون سا ہے؟..... من ربک..... تیرا رب کون ہے؟ پہلا سوال یہی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ اللہ کے رب ہونے کا عقیدہ کتنا شدت کے ساتھ۔

✽ کتنا وضاحت کے ساتھ.....

✽ کتنا اہمیت کے ساتھ.....

آپ کو بتایا سکھایا گیا کہ رب ہمارا اللہ ہے.....

### دعویٰ ربوبیت دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا:

اور دنیا کا جو سب سے بڑا فتنہ آنا ہے اس کی ابتداء یہیں سے ہے کہ وہ (دجال) کہے گا کہ رب میں ہوں۔ روٹی تمہاری میری قبضے میں ہے۔ جس کا چاہوں اقتصادی بایکٹ کر کے بھوکا مار دوں۔ اور جس کو چاہوں ڈالروں کی بارش کر کے اسے خوشحال کر دوں۔ رزق تو میرے ہاتھ میں ہے۔ تمہید شروع ہوگئی ہے فتنہ دجال کی۔ یہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اقتصادیات پر قبضہ پانے کے بعد وہ دعویٰ یہی کریں گے کہ اب ہر آدمی کی روٹی ہمارے قبضے میں ہے۔ جس کو ہم دیں گے ملے گی۔ جس کو ہم چاہیں بھوکا مار دیں۔

تفصیلی الفاظ کے ساتھ تو یہ نعرہ شروع ہو گیا ہے لیکن اجمالی لفظ کے ساتھ کہ کوئی کہے رب ہم ہیں اس میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ اس کیلئے ابھی تھوڑا سا مزید وقت درکار ہے۔ وہ آرہے ہیں جلدی سے اس عنوان کی طرف۔ جب وہ سمجھیں گے کہ اب اس دنیا کے مالک ہم ہیں۔ اور جوان کا قائد ہوگا جس کے ہاتھ میں قیادت ہوگی وہ بڑا دجال ہے۔ اسی کے ساتھ ہی آپ کا مقابلہ ہوگا۔

### علامات دجال:

مسلم کا یہودی ہوگا۔ دنیا کے سارے یہودی اس کے ساتھ ہوں گے۔ اور دنیا کی اقتصادیات پر قابض ہوگا اور زعم اس کا یہ ہوگا کہ میں جو چاہوں کروں۔ مجھے کوئی روکنے والا نہیں۔

لوگوں کی دولت.....

ان کی عزت.....

لوگوں کی آبرو.....

لوگوں کا رزق.....



سب میرے قبضے میں ہے جس کو چاہوں دوں۔ جس کو چاہوں نہ دوں۔ یہ ہے فتنہ جس کی نشاندہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور اُس کی تمہید شروع ہے۔ حالات اُس کے لئے بنتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ربوبیت کے مدعی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بالآخر وہ شدت اختیار کرنی ہے۔ جس کا تذکرہ احادیث میں ہے۔

### مدعیان ربوبیت کا علاج:

اور پھر اللہ تعالیٰ اُس کا علاج کرے گا اور آپ کے سامنے آئے گا کہ ان کو کس طرح ذلیل کریں گے۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ صرف تمہید میں نے باندھی ہے کہ یہ وہ فتنہ ہے جس کی بنیاد ہوگی دعویٰ ربوبیت پر۔ اور ربوبیت کا عقیدہ اللہ نے بہت واضح کر کے بتایا ہے کہ رب صرف اللہ ہے ضروریات کو پورا کرنا۔ رزق دینا یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور فتنہ دجال اسی عقیدے پر اثر انداز ہوگا۔ اور پھر ٹکراؤ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں اس فتنے کے سمجھنے، اس کا جواب دینے اور اس کا رد کرنے کے لئے بہت کچھ واضح فرمایا۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آپ کے سامنے آہستہ آہستہ آتی چلی جائے گی۔ آج صرف اجمالاً اتنے تعارف پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔ اور ایمانی قوت نصیب فرمائے کہ اس روٹی کے چکر میں آکر ہم ان کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوں بلکہ ہم اس عقیدے کو مضبوط کر کے تھا میں کہ ہم کسی کو رب ماننے کے لئے تیار نہیں۔ رب ہے تو صرف ایک اللہ ہی ہے۔ یہ ہے بنیاد جس پر موجود حالات میں ہم بہت کچھ غور کر سکتے ہیں۔

**وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔**

### لفظ خدا استعمال کرنے کا شرعی حکم:

سوال: عرض یہ ہے کہ لفظ خدا نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ عربی زبان میں تو لفظ خدا نہیں ہے اسکی وضاحت فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ دجال کس ملک میں آئے گا؟

جواب: دجال کے حالات تو آئندہ بیان میں آپ کو بتائیں گے کہ وہ کہاں آئے گا کس ملک میں آئے گا۔ باقی اس کی تہذیب کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ اور ساری دنیا کے اوپر پڑیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کو روند ڈالے گا۔ چالیس دن ایسے آئیں گے جو بہت ہی زیادہ فتنے کے ہوں گے اور اُس وقت اُس کا غلبہ پوری دنیا پر نمایاں ہوگا۔ باقی رہا لفظ خدا کے بارے میں سوال۔ یہ یہ مسئلہ چند سالوں سے اُٹھا ہوا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ خدا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ آج کل نئی نئی باتیں نکالنے کی ایک عادت سی پڑ گئی ہے۔ جس وقت تک نئی بات نہ نکالیں اُس وقت تک کسی کے محقق ہونے کی شہرت نہیں ہوتی۔ منکرین حدیث قسم کے لوگ نئی نئی باتیں نکال کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔

### لفظ خدا کا استعمال:

خدا کا لفظ ہمارے اکابر کی کتابوں میں، تفسیروں میں ہر جگہ استعمال ہوتا ہے اور تقریباً تمام لوگوں کی زبان پر ہے۔ اللہ کیلئے لفظ اللہ بھی استعمال ہوتا ہے اور ہر زبان میں اُس کے لئے کچھ وہ الفاظ بھی ہیں جو زبان کی خصوصیت کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تھوڑی بہت انگریزی تو آپ لوگوں نے پڑھی ہی ہے اگر کوئی انگریزی بولتا ہو اور وہ اللہ کا تذکرہ کرنا چاہے تو انگریزی میں اللہ کو کیا کہتے ہیں (God) یہ قرآن کی کس سورۃ میں آیا ہے۔؟ اس پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ یہ لفظ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ اس لفظ (God) کی ایک خصوصیت اور بھی ہے۔ کہ منطقی اصول کے مطابق ہر چیز کو اُس کا عکس لازم ہے۔ اور عکس مستوی لفظوں کو آگے پیچھے کر دینا ہے۔ God کا عکس نکالو تو ڈاگ نکلتا ہے۔ Dog ڈاگ کا معنی ہے کتا۔ جیسے روس کا عکس نکالو تو سور نکلتے گا۔ تو بگڑا ہوا روس سور ہے۔ یہ تو صرف لطیفے کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ یہ کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر کوئی انگریز اللہ کا ذکر کرنا چاہے لفظ God کے ساتھ تو کیا آپ اُس کو روک دیں گے۔ کہ یہ لفظ نہ بولو کیونکہ نہ قرآن میں آیا ہے نہ حدیث میں۔ قرآن کریم

کے جتنے بھی ترجمے ہیں وہ آپ اٹھا کر دیکھیں تو اُن میں لفظ اللہ کا ہم معنی ہے بخشن ہار..... بخشنے والا..... اب اگر کوئی تخص فارسی زبان میں اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے پروردگار کا لفظ استعمال کرے کہ میرے پروردگار نے یہ فرمایا تو آپ کیا کہیں گے کہ اللہ کو پروردگار نہ کہو کیونکہ یہ قرآن وحدیث میں نہیں آیا۔ تو اسی طرح دوسری زبانیں ہیں اُن میں اگر کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے تو جائز ہے۔ بیان القرآن حضرت تھانویؒ کی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں۔ اس میں کثرت کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس لفظ کے ساتھ اللہ کا ذکر نہیں ہوتا۔ جب اللہ کے ذکر سے ثواب لینا ہو تو پھر یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور وہی لفظ استعمال کریں گے جو قرآن وحدیث میں آیا ہوا ہے۔

### خدا کا معنی:

مجھے یاد ہے یہ خدا اصل میں مالک کے معنی میں ہوتا ہے یہ سوال کسی نے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے کیا تھا۔ جن کے جوابات جنگ اخبار میں آیا کرتے تھے اور وہ ”آپ کے مسائل اور اُن کا حل“ کے نام سے کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ماہنامہ ”بینات“ میں ایک پورا مضمون اُن کا اس بات پر شائع ہوا تھا۔ یہ سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔ اس لفظ کا استعمال جائز ہے یا جائز نہیں؟۔ آپ کا موقف بھی یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ جب آپ اللہ کا ذکر کرنا چاہیں ثواب کے لئے تو لفظ وہی استعمال کریں گے جو قرآن میں ہے۔ پروردگار، خدا وغیرہ الفاظ کا وظیفہ نہیں ہے لیکن اگر صرف اللہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تو ان الفاظ سے جائز ہے۔ اس سے کون منع کرتا ہے۔ نا خدا کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

کیا بچائے گا تو اے نا خدا مجھے غرق ہونے سے

جنہوں نے ڈوبنا ہے ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

نا خدا اصل کے اعتبار سے یہ لفظ ”نا و خدا“ ہے..... کشتی کا مالک..... جیسے رب کا

لفظ اضافت کے ساتھ غیر اللہ پر بولا جاسکتا ہے۔ رَبُّ الدار، رَبُّ المال، اور یہ لفظ آپ کی فقہ کی کتابوں میں آتے رہتے ہیں۔ بلا اضافت نہیں اضافت کے ساتھ اس کو

غیر اللہ پر بول سکتے ہیں۔ کیونکہ رب کے معنی ہیں مالک۔ اسی طرح خدا۔ مالک کے معنی میں استعمال ہو تو اس لفظ کا استعمال جائز ہے..... اور یہ بالکل نیا شوشہ چند سالوں سے لوگوں نے چھوڑا ہے کہ یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرآن و حدیث میں آیا ہوا نہیں ہے۔ میں نے آپ کے سامنے وضاحت کر دی کہ اگر یہ دلیل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو پروردگار بھی نہیں کہنا چاہیے۔ یہ جو لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو اُس کا انگریزی ترجمہ یوں ہوتا ہے۔

There is no God; but Allah alone

کوئی خدا نہیں ہے، صرف اللہ ہی ہے۔ یہ انگریزی میں کلمے کا ترجمہ ہے تو وہاں پر God ہی پڑھیں گے۔ ہاں جب ذکر کریں گے تو اس لفظ کا نہیں ہوگا۔ ذکر اُسی لفظ کا کریں گے جو لفظ قرآن و حدیث میں اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ جو قرآن میں ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی..... اللہ کا نام کوئی ایک نہیں ہے بہت سے نام ہیں اللہ کے۔ ہر زبان میں اللہ کا تذکرہ جس لفظ کے ساتھ کیا جائے ٹھیک ہے لیکن عبادت کے طور پر ذکر ٹھیک نہیں ہے۔ بس اس فرق کو آپ یاد رکھئے۔ خدا مالک کے معنی میں ہے اور غیر عربی لفظ ہے۔ لیکن اس کا استعمال بڑے بڑے اکابر نے کیا۔ ہندوستان میں اُردو زبان میں عام طور پر معمول ہے۔ خداوند کا لفظ فارسی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ باقی دجال کا تذکرہ تو ان شاء اللہ آپ کے سامنے کریں گے۔

سوال: کانا دجال کیا آپ ﷺ کے زمانے میں تھا اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے؟ کیا کانا دجال اب بھی موجود ہے اگر ہے تو کہاں ہے وضاحت فرمائیں؟

جواب: یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ ایک روایت آتی ہے اس کا ذکر کریں گے تفصیل کے ساتھ۔ بعض کہتے ہیں کہ ہماری ملاقات اس سے ہوئی۔ وہ روایت چونکہ خبر واحد ہے، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ عقیدہ اس کے متعلق نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہو تو عقلاً بعید نہیں ہے ممکن ہے۔ اس کی ایک مثال دے دوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ

کا کیا عقیدہ ہے زندہ ہیں یا نہیں؟ آسمان پر ہیں۔ اس دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ نے ان کو اٹھا کر محفوظ کر لیا آسمان پر۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ دجال کا اصل مقابلہ عیسیٰ علیہ السلام نے کرنا ہے۔ تو اگر مسیح ہدایت جو مجسمہ ہدایت ہے۔ اگر اللہ نے اُس کو زمین پر پیدا کر کے کچھ وقت گزار کے زمین سے اٹھایا اور آسمان پر محفوظ کر لیا جو ہمارا عقیدہ ہے۔ تو اگر مسیح ضلالت کو اسی طرح پیدا کر کے کسی جگہ جکڑ کے ڈال دیا ہو کسی جنگل میں اور وقت پر اُس کو ظاہر کر دیں تو اس میں عقلاً کیا بعید بات ہے۔؟

**سبحان اللہم وبحمدک اشهد ان لا اله الا**

**انت استغفرک و اتوب الیک۔**

**ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔**

**اللهم احسن عاقبتنا فی الامور کلها واجرنا**

**من خزی الدنیا و عذاب الآخرة۔**



# فتنہ دجال اور سورۃ کہف

{2}

بہ موقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام 8 جامع مسجد باب العلوم کھروڑ پکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

## فتنہ دجال اور سورہ کہف

بیان نمبر (2)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ  
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ  
فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

اَمَّا بَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ قَرَأَ سُورَةَ كَهْفٍ عَصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ

سب حضرات آہستہ آہستہ درود شریف پڑھ لیا کریں بلند آواز کی ضرورت نہیں ہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَأَصْحَابِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ اِلَيْهِ



### تمہید:

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے سامنے اس بات کا تذکرہ شروع ہوا تھا کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا سورہ کہف کا پڑھنا فتنہ دجال سے بچاؤ کا ذریعہ ہے جو سورہ کہف پڑھتا رہے وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔ یہ مضمون آپ کے سامنے شروع کیا تھا اور کچھ دجال کے فتنے کی تفصیل بتائی تھی۔ دجال کا تعارف کروایا تھا۔ اور وہ کیسے کیسے کرشمے دکھائے گا اُس کا کچھ تذکرہ آپ کے سامنے ہوا تھا۔

### دجالی فتنے کی ابتدا ہو چکی ہے:

دجال کے متعلق باب بہت لمبا ہے۔ دجالی فتنے کی ابتدا ہو چکی ہے اور اُس کے آثار بہت تیزی سے نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اس فتنے کی انتہا اُس بڑے دجال پر ہوگی جو یہودی ہوگا۔ یہودیوں کی قیادت کرے گا۔ بہر حال وہ فتنہ تو چند روز ہوگا لیکن یہ دجالی تہذیب اپنے ابتداء سے لے کر آخر تک بہت سارے زمانے پر حاوی ہے۔ اُس زمانے کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے کچھ باتیں آپ کے سامنے آگئی تھیں اور کوئی دو چار باتیں آج ذکر کرتا ہوں۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ پھر ہوتی رہے گی۔

### دجال کے بارے میں حضور ﷺ کی نصیحت:

مشکوٰۃ شریف میں ذکر دجال والے باب میں ایک روایت ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص دجال کے متعلق یہ سنے کہ دجال آگیا تو اُس سے بھاگنے کی کوشش کرے۔ دور رہے اس کے قریب نہ آئے۔ یہ آپ ﷺ کی طرف سے ایک نصیحت ہے۔ عام طور پر انسان کی عادت یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آجائے تو لوگ اُس کی طرف دوڑ دوڑ کر آتے ہیں اُس کو دیکھنے کے لئے، معلومات حاصل کرنے کے لئے۔ کیونکہ کوئی چیز عجیب آجاتی ہے تو سارے اکٹھے ہو جاتے ہیں اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس کا



مطالعہ کرتے ہیں۔

✽ اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس پر تبصرے کرتے ہیں.....

✽ اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس پر تبادلہ خیال کرتے ہیں.....

یہ ایک عام طور پر عادت ہے۔ یہ دیکھا ہوگا آپ نے کہ ہمارے آس پاس کوئی کار ہی آ کر کھڑی ہو جائے تو محلے کے سارے بچے اُس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ کوئی رکشہ آ جائے تو چھوٹے بچے سارے دوڑ دوڑ کے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی مثلاً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تو سارے لوگ بھاگے ہوئے آتے ہیں۔ کسی کے متعلق خبر سن لیں کہ فلاں چیز آ گئی ہے تو سارے بھاگے جاتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب کوئی نئی چیز سامنے آتی ہے تو اُس کے متعلق معلومات لینے کے لئے لوگ اُس کی طرف جاتے ہیں۔

### طالب علموں کا قصہ:

تاریخ میں اس قسم کے بہت سے عجیب و غریب واقعات بھی آتے ہیں۔ آپ لوگوں کو ایک لطیفہ سنا دوں۔ طالب علموں کے لئے ذرا ذہن میں رکھنے والی بات ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے دور میں ایک روز مدینے میں ہاتھی آ گیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے۔ جب ہاتھی آیا تو لوگ سب کے سب اُس کو دیکھنے کے لئے بھاگے حتیٰ کہ امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے اکثر شاگرد بھی ہاتھی دیکھنے چلے گئے۔ ایک شاگرد بیٹھا رہا وہ ہاتھی دیکھنے نہ گیا۔ امام مالکؒ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے اُس سے پوچھا کہ سب ہاتھی دیکھنے چلے گئے تو کیوں نہیں گیا؟ وہ کہنے لگا کہ حضرت! میں تو آپ کے پاس علم سیکھنے آیا ہوں، مدینہ میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔ حضرت امام مالکؒ خوش ہوئے دل سے دعا کی۔ آج امام مالکؒ کا موطا جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اُسی شاگرد کی روایت سے ہے۔ یہ امام کی صحبت میں بیٹھا رہا ہاتھی دیکھنے نہیں گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو خدمتِ حدیث کے لئے قبول فرمایا۔

اب اگر آپ یہ سن لیں کہ دجال آگیا گدھے پر سوار ہو کے تو آپ میں سے کون ہمت والا ہے کہ بیٹھا رہے۔ سارے بھاگیں گے اُس کا نے کو دیکھنے کے لئے کہ اُس کا گدھا دیکھیں کہ کیسے گدھے کے اوپر سوار ہو کر آیا ہے۔؟ اسی فطرت کے تحت۔

لیکن سرور کائنات ﷺ کی نصیحت یہ ہے کہ اگر دجال کا ذکر سن لو تو اُس سے دُور بھاگنا۔ اُس کے قریب نہ جانا۔ کیوں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہوگا کہ میں مومن ہوں۔

✽ میرا عقیدہ بہت پختہ ہے.....

✽ میرا عقیدہ بہت ٹھوس ہے.....

✽ میرا عقیدہ بڑا پکا ہے.....

لیکن جب وہ دجال کی صحبت میں چلا جائے گا تو دجال کو اللہ تعالیٰ نے ایسے شبہات دیئے ہوئے ہوں گے جس کو وہ شخص اپنے عقل و فہم کے ساتھ سمجھ نہ سکے گا اور اپنا ایمان کھو بیٹھے گا۔ وہ اس قسم کی مشتبہ چیزیں سامنے لائے گا کہ ان مشتبہ چیزوں کو حل کرنے کی اُس میں استعداد نہیں ہوگی۔ علم و فہم کے ساتھ اُس کو سمجھ نہیں سکے گا۔ جب سمجھ نہیں سکے گا تو ایمان خراب کر بیٹھے گا۔ اس لئے اس کے قریب نہ جانا۔

### طالب علموں کے لئے غیر مسلک کا لٹریچر پڑھنا:

اس اصول کے پیش نظر ہم یہ بات ہمیشہ طالب علموں کے ذہن میں ڈالا کرتے ہیں۔ آپ بھی سمجھ لیں۔ جس وقت تک انسان اپنے عقیدے کو، اپنے مسلک کو، اپنے اکابر کے طور طریقے کو، اچھی طرح سمجھ نہ لے اور اچھی طرح اس میں رسوخ پیدا نہ کر لے تو اُس وقت تک:

✽ غیر مسلک کے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا.....

✽ غیر مسلک کے لوگوں کی کتابوں کا پڑھنا.....

✽ غیر مسلک کے لوگوں کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا.....

انسان کے لئے اتنی خطرناک ہوتے ہیں۔ بعض بھٹکے ہوئے انسانوں کو شوق ہوا کرتا ہے کہ ابھی نہ قرآن مجید نے قرآن کا صحیح ترجمہ پڑھا ہوتا ہے۔ نہ انہوں نے صحیح طریقے سے حدیث شریف کو سمجھا ہوتا ہے۔ نہ فقہ کے مسائل کو پڑھا ہوتا ہے۔ نہ اپنے عقائد کا پتہ ہے۔ کلمہ کرا:

- ✽ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں مرزائیوں کی کتابوں کا.....
- ✽ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں شیعوں کی کتابوں کا.....
- ✽ مطالعہ شروع کر دیتے ہیں پرویزیوں کی کتابوں کا.....

جب اُن سے کہہ جائے کہ بھائی تم یہ کتابیں نہ دیکھو۔ کہتے ہیں کہ ہمیں انسان کو تحقیق کر کے عقیدہ اختیار کرنا چاہئے۔ ہم تحقیق کے غریب کے تحت ایسے کتابیں پڑھتے ہیں۔ تو ایسے کئی عوامی معمول کو ہم نے بگڑتے ہوئے دیکھا۔ ان کے عقیدے کو خراب ہوتے دیکھا۔ یہ تاکہ اُن کے پاس اتنی علمی استعداد ہوتی نہیں کہ ان کا طریق کر لیں کہ اُن میں حق بات کون سی ہے۔ باطل بات کون سی ہے۔

- ✽ مودودی کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں.....
- ✽ علامہ مشرقی کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں.....
- ✽ پرویز کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں.....

اور اسی طرح دوسری چیزیں پڑھنی شروع کر دیں۔ تو پتہ نہیں چلتا کہ ہمیں کی وجہ سے کہ اُن میں سے صحیح بات کون سی ہے اور غلط بات کون سی ہے۔ تو بس اوقات خوش نما اور پرکشش عبارات کے چکر میں، کیونکہ اُن لوگوں کے قلم میں کشش بہت ہے، بڑے ادیبانہ لکھتے ہیں، الفاظ اُن کے اچھے اچھے ہیں، عبارت اُن کی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس لئے انسان ان کو پڑھ کر ایک باطل بات کو حق سمجھ بیٹھتا ہے، درحق بات کو باطل سمجھ بیٹھتا ہے، اور پتہ چتا نہیں کہ عقیدہ خراب کر بیٹھتا ہے۔ اس لئے ہم کہا کرتے ہیں کہ ہر طالب علم کا کام نہیں ہے کہ مخالف مسلک کی کتابوں کو پڑھ کر ان میں باطل بات کی نشاندہی کرے اور یہ سمجھ لے کہ یہ بات غلط ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ نہ بات کی

تردید کی جائے۔ صحیح کو قبول کیا جائے۔ یہ ہر طالب علم کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے غلط لٹریچر (Literature) کبھی نہ پڑھو۔ اور کسی اہل باطل کی کتاب کبھی نہ پڑھو۔ ورنہ اسی لاعلمی میں انسان اپنا عقیدہ خراب کر بیٹھتا ہے۔ باطل کو پہچان لینا یہ ہر کسی کا کام نہیں ہوتا۔

### فتنہ دجال کے وقت افضل الشہداء:

چنانچہ سرور کائنات ﷺ کی اس تاکید کے باوجود کہ دجال کے قریب نہیں جانا اُس سے دُور ہونا ہے۔ آپ ﷺ نے اُس شخص کو افضل الشہداء..... بہترین شہید قرار دیا جو مدینہ منورہ سے نکلے گا۔ جب دجال مدینہ کے قریب آ کر ٹھہرا ہوا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مدینہ سے نکلے گا۔ نکل کر اُدھر جائے گا جہر دجال ٹھہرا ہوا ہے۔ جب وہ جائے گا تو دجال کے سرحدی لوگ یا جو پہرہ دے رہے ہوں گے اُس کو پکڑ لیں گے۔ پکڑ کر اُس سے پوچھیں گے کہاں جا رہے ہو؟ وہ شخص بڑی لاپرواہی کے ساتھ جواب دے گا۔

الی هذا الذی خرج.....

یہ جو نکلا پھر رہا ہے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ بہت تحقیرانہ لہجے کے ساتھ جواب دے گا کہ میں اُس کے پاس جا رہا ہوں یہ جو نکلا پھر رہا ہے۔ وہ اُس کو پکڑ کر کہیں گے کہ کیا تو ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ دجال کو رب کہیں گے اور اُس کا دعویٰ بھی ہوگا کہ میں رب ہوں۔ اسی لئے سرور کائنات ﷺ کے وہ اقوال میں نے آپ کو سنائے تھے کہ اور کوئی بات یاد رہے نہ رہے اس بات کو یاد ضرور رکھنا کہ

ان ربکم لیس باعور (الحديث)

تمہارا رب کا نا نہیں ہے۔ اس بارے میں بہت تفصیل آپ ﷺ نے اپنی امت کو بتائی ہے چونکہ فتنہ اس امت کو پیش آنے والا تھا۔ ساری باتیں بتانے کے بعد یہ بات تاکید کے ساتھ بتائی تھی کہ کچھ اور یاد رہے نہ رہے یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ تمہارا

رَب کا نام نہیں ہے۔

اور وہ رَبوبیت کا دعویٰ کرنے والا کہ رَب میں ہوں مخلوق کی روٹی میرے قبضے میں ہے جس کو چاہوں گا دوں گا جس کو چاہوں گا نہیں دوں گا، کا نا ہوگا۔ بس تم اور دلیلوں کو چھوڑو یہ بات یاد رکھنا کہ کا نا رَب نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ موٹی سی بات یاد رکھنا۔

### دجال کا اپنے مد مقابل سے سلوک:

چنانچہ دجال کے چیلے اُس مدنی سے پوچھیں گے کیا تو ہمارے رَب پر ایمان نہیں لاتا؟ وہ کہے گا نہیں۔ میں اپنے رَب کو پہچانتا ہوں۔ وہ پکڑ کر اُس کی پٹائی کرنے لگیں گے تو اُن میں سے بعض کہیں گے اسے پیڑ نہیں۔ تمہارے رَب نے منع کیا ہوا ہے کہ اُس کے بغیر کوئی کسی کو سزا نہ دے۔ اب اُس کو پکڑ کر دجال کے پاس لایا جائے گا۔ جب وہ اُس کے سامنے جا کر اُس کا حلیہ دیکھے گا، حالانکہ وہ پکڑا ہوا گرفتار ہوگا تب بھی دیکھتے ہی کہے گا یہی دجال ہے۔ اسی کے متعلق میرے حضور ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا۔ وہ پکڑا ہوا بھی نعرے لگانے لگ جائے گا۔

جب وہ یہ بات کہے گا تو دجال اپنے ماتحتوں کو حکم دے گا کہ اس کی مرمت کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ اُس کو مار مار کے چپٹا کر دیں گے۔ پھر دجال اُس سے پوچھے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟ وہ کہے گا..... نہیں۔ تو تو دجال ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر دجال آری منگوائے گا اور اُس کو کھڑا کر کے سر پر آری رکھ کر چیر کے دو ٹکڑے کر دے گا اور پھر وہ اُن دونوں ٹکڑوں کے درمیان فخر کے ساتھ ٹہلے گا کہ میں نے اپنے مخالف کے دو ٹکڑے کر دیئے..... اُس کے بعد پھر اُس کو کہے گا اٹھ، کھڑا ہو جا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ اب ایسے موقع پر ایمان کو سنبھالنا مغموں کی آدمی کا کام نہیں۔ پھر اُس سے پوچھے گا کہ اب مانتا ہے کہ نہیں، میں تیرا رَب ہوں؟ وہ کہے گا کہ اب پہلے سے بھی زیادہ یقین آ گیا ہے کہ تو دجال ہے کیونکہ حضور ﷺ نے تیرے حالات ایسے ہی بتائے ہیں۔ پہلے سے بھی زیادہ

یقین آ گیا ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں یہ اُس کا آخری تصرف ہوگا جو وہ کر سکے گا۔ اس کے بعد اُس کی طاقتیں سلب ہو جائیں گی۔ پھر وہ پکڑے گا اور اُس کو ذبح کرنا چاہے گا تو ذبح پر قادر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے سارے تصرفات ختم کر دے گا۔ پھر اُس کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گی اور ایک عام انسان ہونے کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہ مد مقابل ہوگا۔ شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوگا اور آخر میں مارا جائے گا۔

میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ آپ اندازہ کریں اتنی سختی کو سہہ لینا اور اتنے دھوکے بازی کے کرتب دیکھنے کے باوجود اپنے مسلک پر پکے رہ جانا۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ اپنے آپ کو فتنے میں نہ ڈالنا۔ کہیں اُس کے پاس شوق سے چلے جاؤ کہ ہمارا عقیدہ ٹھیک ہے۔ اُس کے پاس اتنے شبہات ہوں گے..... اتنے شبہات ہوں گے کہ جس کے بعد انسان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اُس سے دُور رہنا۔

### واقعہ دجال کی روشنی میں حکیم العصر کی نصیحت:

اس واقعہ کی روشنی میں آپ کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جس وقت تک آپ اپنے مسلک کو خوب اچھی طرح سمجھ نہ لیں۔ علی وجہ البصیرۃ اپنے عقیدوں کو نہ سمجھ لیں۔ حق کا معیار نہ دیکھ لیں۔ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھ جائیں۔ اُس وقت تک کبھی بھی اہل باطل کی کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔ یہ بھی ایک قسم کا دجل ہوتا ہے، فریب ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے پرکشش الفاظ میں اپنے نظریات کی تلقین کرتے ہیں۔ دجال..... دجل سے ہے..... دجل کا معنی ہی یہی ہے حق اور باطل کو خلط کر دینا..... دجال اُس کی صفت ہے۔ ورنہ روایات میں اُس کا نام صاف فن آتا ہے۔ اور معنی ہے بہت بڑا دجل و فریب والا۔ یہ نئے باطل مصنف جتنے بھی ہیں بہت دلکش عبارتوں کے انداز میں بات لکھتے ہیں اور حق و باطل یوں خلط ہو جاتا ہے کہ انسان کو امتیاز کرنا

مشکل ہو جاتا ہے، تو اہل باطل کی کتابوں سے دور رہ کر ہی انسان اپنے عقیدے کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اپنے آپ کو ابتلاء میں نہ ڈالیں کہ سختیاں سہہ کر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ہر شخص کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اس سے دور رہیں اور بچیں۔

ہمارے مولانا مناظر احسن گیلانی جن کا تعارف میں نے ابتدا میں کرایا تھا انہوں نے اس سورۃ کی تفسیر اسی نکتے کے تحت لکھی ہے کہ سورۃ کہف میں فتنہ دجال کا علاج کس طرح بتایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس فتنے سے حفاظت فرمائے۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔



# سماع الموقی

بہ موقع ۸ ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام ۸ جامعہ باب العلوم کھروڑپکا

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ ۹ ربیع الثانی: ۱۴۱۸ھ



## سماع مولى

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسَبِّحُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ أَسْأَلُكَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ يَدْعُهُ إِلَى الْهَلَاكِ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

أَمَّا بَعْدُ

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

**كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَرُورُوا بِهَا فَإِنَّهَا  
تُزَكِّي فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ .**

صَدَقَ رَسُولُنَا الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ لَمَنِ الشَّاهِدِينَ  
وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ .

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَأَصْحَابِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى  
عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ .



## تمہید!

ربیع الاول کی آمد نے ہمارے جاری مضامین کے سلسلے کو کافی حد تک موخر کر دیا ہے تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہو چکا ہے کہ وہ سلسلہ منقطع ہے۔ البتہ اللہ کریم کا شکر ہے کہ ربیع الاول کی مناسبت سے بعض ضروری باتیں چارپانچ بیانات میں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ آج خیال تھا کہ اُسی مضمون کی طرف آیا جائے۔ حافظہ پر زور دینے کے باوجود یہ یاد نہیں آ رہا کہ بات کہاں چھوڑی تھی اور کیا کہنا باقی تھا؟ اتنا یاد پڑتا ہے کہ ایصالِ ثواب کا مسئلہ ذکر کر دیا تھا اور برزخ کے حالات زیرِ بحث تھے۔ اور اس سلسلے کی کچھ باتیں شاید رہ بھی گئی تھیں چنانچہ اپنے خیال کے مطابق آج اُن کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے بعض باتوں کا تکرار ہو جائے لیکن یہ تکرار بھی ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا..... آج باب زیارة القبور کے تحت قبروں کی زیارت کے آداب کے متعلق کچھ باتیں عرض کر دیتا ہوں۔

## جان کنی کے وقت کلمہ پڑھنا

جب انسان کی جان نکلنے والی ہوتی ہے تو موت آنے سے قبل اُس کے سامنے عالمِ آخرت منکشف ہو جاتا ہے..... فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں..... اور آخرت کی باتیں سامنے آ جاتی ہیں..... جب یہ کیفیت ہو جائے تو اُس وقت کلمہ پڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو مومن نہیں ہوتا اور کوئی گناہ گار توبہ کرے تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث میں صراحت آئی ہے کہ:

تُقْبَلُ تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرَغِرْ

آدمی کی توبہ اُس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک اُس پر غرغره کی کیفیت طاری نہ ہو جائے جس کو سانس اُکھڑ جانا کہتے ہیں۔ کیونکہ مرتے وقت انسان کا سانس بے ترتیب ہو کر اُکھڑ جاتا ہے۔ تو جب یہ سانس اُکھڑ جائے اور غرغره کی کیفیت

پیدا ہو جائے تو اُس وقت نہ ایمان لانا معتبر ہے، نہ کسی گناہ سے توبہ کرنا معتبر ہے کیونکہ عالم آخرت منکشف ہو جاتا ہے..... فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں..... اُس وقت ایمان بالغیب نہیں رہتا..... اس لیے توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہو جاتا ہے۔

## رُوح نکلنے کے بعد اگلوں سے ملاقات!

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح نکلنے کے بعد اپنے فوت شدہ عزیز واقارب اور دوست و احباب کی ارواح کے ساتھ اُس کی ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اُن کو اس نئے آنے والے کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ ارواح استقبال کے لیے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ برزخ (دنیا و آخرت کا درمیانہ درجہ) میں جو ارواح موجود ہیں اُن کا اس عالم دنیا کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ منتظر ہوتے ہیں کہ:

❁ کون آرہا ہے.....

❁ کون آگیا ہے.....

لہذا ارواح استقبال کے لیے آتی ہیں، حدیث شریف میں یہ مضمون موجود ہے۔

## زندہ آدمی سے رُوحوں کی ملاقات!

کیا زندہ آدمی سے اس دنیا میں مرنے والے کی رُوح کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہو سکتی ہے؟ خواب میں تو ہوتی رہتی ہے اس کا تو کوئی انکار نہیں کر سکتا، بیداری میں بھی ملاقات ہو جاتی ہے یا نہیں؟ یا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ یاد رکھیے کہ ایسا عقلاً ممکن ہے کہ بیداری میں کسی مرے ہوئے عزیز یا کسی فوت شدہ بزرگ کی رُوح کے ساتھ ملاقات ہو جائے یہ کوئی ممتنع نہیں ہے نہ ہی عقلاً اور نہ ہی شرعاً۔ ایسا ہو جاتا ہے۔

واقعات تو اس قسم کے بہت ہیں لیکن یہاں واقعات ذکر کرنے مقصود نہیں

صرف ایک مسئلے کی حیثیت سے آپ کو عقیدے کی تلقین مقصود ہے۔

بتائیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اس زندگی میں ہوا تھا یا وفات کے بعد؟ یہ خواب تھا یا بیداری؟

اسی طرح بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی یا نہیں۔ اب سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے تمام انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے جا چکے تھے۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام جو اپنی حقیقی حیات میں تھے اور وہ آسمان سے بیت المقدس میں اُتارے گئے۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیداری میں بھی فوت شدہ بزرگوں کے ساتھ ملاقات ہو سکتی ہے۔

یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو عطاء ہوا اور جو چیز معجزے سے صادر ہو سکتی ہے وہ کرامت سے بھی صادر ہو سکتی ہے۔ اب جو چیز کرامت یا معجزہ سے صادر ہو جائے وہ عقلاً و شرعاً ممتنع نہیں ہوتی۔ اگر ممتنع ہوتی تو وہ چیز واقع ہی نہ ہوتی کیونکہ چیز وہی واقع ہوا کرتی ہے جو ممکن ہو اور جو ممتنع ہو اُس کا وجود نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے میں نے ایک معروف واقعہ کی طرف اشارہ کر کے آپ کو بتا دیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اسی زندگی میں، اسی زمین پر اور اسی حیات میں اُن تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جو موت کا مزہ چکھ چکے تھے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ فوت شدہ بزرگوں کی رُوحوں کے ساتھ ملاقات ہو سکتی ہے اور یہ ممکن ہے۔

اس لیے اگر کوئی بزرگ اپنے کشف کے طور پر کسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر کرے یا واقعات میں اس قسم کی بات آئی ہو تو اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خواب کے تو بے شمار واقعات آتے ہیں۔ خواب تو آپ حضرات کو بھی آ سکتا ہے۔

جبکہ مرنے کے بعد ارواح سے ملاقات کی صراحت حدیث میں موجود ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ارواح سے ملاقات ہوتی ہے، وہ مرنے والے کی رُوح کو ملتے ہیں اور اُس سے اپنے بعض عزیز و اقارب کے احوال بھی پوچھتے ہیں کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے؟ یہ بھی اس بات کی علامت

ہے کہ مرنے کے بعد بھی اُن کی دنیا کے حالات کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ رہتی ہے۔

موت کے بعد ورثاء کا یاد کرنے کا ذکر قرآن میں

قرآن کریم کے دو مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کو

پیچھے کی طرف کچھ خیال رہتا ہے۔ ایک مقام تو سورۃ یاسین میں ہے جس میں رجل

یسعی کا ذکر ہے جس نے انبیاء کی حمایت میں اپنی قوم کو سمجھایا تھا۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى.....

جب وہ وفات پا گیا یا شہید ہو گیا تو اُس نے اپنی تمنا کا یوں اظہار کیا:

يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ.....

اے کاش میری قوم کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے

عزت والے لوگوں میں شامل کر لیا ہے تاکہ وہ بھی میرا طریقہ اپنائیں اور کفر و شرک سے

باز آجائیں۔ اُس نے اپنی قوم کو یاد کیا اور تمنا کی..... یہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

اور دوسرے مقام پر سورۃ ال عمران میں جہاں شہداء اُحد کا ذکر ہے۔ فرمایا:

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا.....

اس کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ.....

بشارت ہے اُن کے لیے جو ابھی لاحق نہیں ہوئے اُن کے ساتھ اور جن کو

پیچھے جہاد کرتا ہوا چھوڑ آئے ہیں اُن کا خیال کر کے یہ خوش ہوتے ہیں کہ وہ بھی ایسے

طریقے پر چل رہے ہیں کہ وہ بھی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت حاصل کریں گے..... اُن

کے حال پر یہ شہید ہونے والے خوش ہیں..... معلوم ہوا پچھلوں کے حال پر خوش ہونا

قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ.....

یہ اُن کے حال پر خوش ہیں کہ وہ اُسی طریقے پر چل رہے ہیں جس پر چلتے

ہوئے ہم آخرت میں آگئے اور اللہ نے ہمیں خوش حال کر دیا ہے وہ ہمارے بھائی جو

پیچھے ہیں جب ہمارے راستے پر چلتے ہوئے آئیں گے تو وہ بھی اللہ کا فضل حاصل کریں گے۔ اس بات کا خیال کر کے وہ خوش ہوتے ہیں۔

## ورثاء کو یاد کرنے کا ذکر حدیث میں

اسی طرح صحیح روایات سے بھی ثابت ہے کہ جب قبر میں انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے اور فرشتے آکر اُس سے وہ تین مشہور سوالات کرتے ہیں جو آپ پڑھتے رہتے ہیں:

من ربک.....؟ ما دینک.....؟ وما تقول فی هذا الرجل.....؟

یہ تین سوال ہیں اُس پرچے کے جو برزخ میں آپ کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اور یوں سمجھیں کہ وہ پرچہ آوٹ کر دیا گیا ہے اور تینوں سوالوں کا آپ کو پتہ بھی چل گیا کہ کیا سوال ہونے والے ہیں؟ جن کا جواب مہیا کرنا ضروری ہے..... جواب وہاں عملی زندگی کے ساتھ آئے گا یہ نہیں کہ آپ یہاں یاد کر لیں کہ.....

✽ من ربک.... کا جواب ہے..... ربی اللہ ....

✽ ما دینک کا جواب ہے..... دینی الاسلام.....

✽ ما تقول فی هذا الرجل کا جواب ہے... هذا محمد رسول اللہ

اتنا یاد کر لینا کافی نہیں، وہاں..... ربی اللہ؛ تب ہی کہہ سکو گے جب دنیا میں اللہ کو رب سمجھا ہوگا۔ اور وہاں دینی الاسلام..... تب ہی کہہ سکو گے جب اسلام کو دنیا میں اپنایا ہوگا۔ اور هذا محمد رسول اللہ... اسی وقت کہہ سکو گے جب اُن کی رسالت پر اعتماد کرتے ہوئے اُن کے طریقے اپنائے ہوں گے، اور اگر نبی کے طریقوں پر چلے نہیں ہوں گے..... دنیا کی زندگی میں اسلام کو اپنایا نہیں ہوگا..... اور اللہ کو رب سمجھا نہیں ہوگا..... تو پھر انسان یہ جواب نہیں دے سکے گا..... جواب تب ہی دیا جاسکے گا جب اس عقیدے کے مطابق انسان نے اپنی زندگی گزاری ہوگی۔

جب اُس کو پاس قرار دے دیا جاتا ہے تو فرشتے اُس سے کہتے ہیں کہ ہمیں تو

تیری شکل ہی دیکھ کر معلوم ہو گیا تھا کہ تو کامیاب ہو جائے گا۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو میں اپنے پچھلوں کو بتاؤں کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں اور میں نے امتحان پاس کر لیا ہے۔ اُن کو بتاؤں کہ میری حالت اچھی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والوں کو پچھلوں کا کچھ نہ کچھ خیال رہتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور اس قسم کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

## اہل برزخ اور اہل دنیا کا تعلق!

یہ بات آپ کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا سے بالکل نہیں کٹ جاتا بلکہ برزخ والوں کا اس دنیا سے اور اس دنیا والوں کا برزخ والوں سے کسی نہ کسی درجے میں رابطہ رہتا ہے۔ بالکل انسان اس دنیا سے کٹ کر ایسا نہیں ہو جاتا کہ اُس کا ادھر سے کوئی تعلق نہ رہے۔ ان آیات و روایات کے علاوہ اور بھی بہت روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ:

جب فوت ہونے والا دنیا آدمی جاتا ہے تو پہلے والے بڑی خوشی مناتے ہیں جیسے کسی کا کوئی رشتہ دار ایک عرصہ بعد سفر سے لوٹا ہو تو ملاقات کر کے خوشی ہوتی ہے اسی طرح اُن کو بھی خوشی ہوتی ہے۔ اور جب وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے، فلاں کا کیا حال ہے؟ اور یہ کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے آچکا ہے تو پھر وہ سب افسردہ ہو جاتے ہیں کہ جب وہ پہلے آ گیا ہے اور ہم سے ملاقات نہیں ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کھاتے میں چلا گیا۔

تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو بخشی ہوئی رُو حیں ہوتی ہیں اُن کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے اور جو عذابِ قبر کی گرفت میں آ گیا اُس کی رُو ح اُن نیک اور اچھے لوگوں سے نہیں مل سکتی۔ اس لیے وہ بیچارے غمزدہ ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ پہلے آچکا ہے اور ہم سے ملاقات نہیں ہوئی تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ دوسری طرف چلا گیا۔

## مردے کا حق

بہر حال جان نکل جانے کے بعد زندہ لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے اُس مرحوم بھائی کو غسل دیں، اُسے کفن پہنائیں، اُس کی نماز جنازہ ادا کریں اور اُسے احترام کے ساتھ دفن کریں۔

بہت سی روایات ایسی آتی ہیں کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتی ہے کہ مجھے کون غسل دے رہا ہے، اتنا شعور اُس کو ہوتا ہے۔ یعنی بظاہر اُس کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنے غسل دینے والے کو پہچانتی ہے کہ کفن کون پہنا رہا ہے، غسل کون دے رہا ہے؟ اُس کو شناخت ہوتی ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ غسل کا بتایا اُس کے مطابق اُسے غسل دیتے ہیں۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ کفن کا بتایا اُس کے مطابق اُسے کفن دیتے ہیں اور اُس کے بعد جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کا سکھایا اُس کے مطابق اُس کا جنازہ پڑھا جاتا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں کا جنازہ پڑھا۔ جنازے کے لیے اذان نہیں کہی جاتی۔ جنازہ کے لیے صرف تکبیر ہوتی ہے، میت کو سامنے رکھا جاتا ہے اور صف بندی کی جاتی ہے۔

## نماز جنازہ

صف بندی کے بارے میں حدیث شریف میں تین روایتیں آتی ہیں

✽ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کا جنازہ چالیس مسلمان پڑھ لیں وہ بخش دیا جاتا ہے اس روایت میں صفوں کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ صفیں کتنی ہونی چاہیں۔ صرف چالیس آدمیوں کا ذکر ہے۔



✽ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کا جنازہ سو مسلمان پڑھ لیں تو اُس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ اس روایت میں بھی نمازیوں کی تعداد کا ذکر ہے کہ وہ تعداد میں سو ہوں۔ صفوں کا ذکر نہیں ہے۔

✽ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص کے جنازے میں مسلمانوں کی تین صفیں ہوں اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اس روایت میں صفوں کا ذکر ہے۔ تعداد کا ذکر نہیں ہے۔

اس لیے تینوں روایتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کوشش کی جاتی ہے کہ جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں۔ جس کے جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن مومنوں کی سفارش سے اُس کو بخش دیتے ہیں۔

### طاق صفوں کی رعایت

البتہ تیسری روایت میں چونکہ تین صفوں کا ذکر آیا ہے اس لیے عام طور پر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ جنازہ میں صفیں تین بنائی جائیں۔ تعداد کا معاملہ نہیں ہے۔ لوگ تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ لوگ اگر تھوڑے ہوں تو بھی تین صفیں بنالی جائیں کیونکہ صفوں کی لمبائی کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ صف کتنی لمبی ہونی چاہیے۔ اور جب تین صفیں مکمل ہو جائیں تو اُس کے بعد پھر صفیں گننے کی ضرورت نہیں ہے کہ گیارہ ہو گئی ہیں، پندرہ ہو گئی ہیں، انیس ہو گئی ہیں یا اکیس۔ تین صفوں کے بعد جتنی زیادہ صفیں ہو جائیں اُن میں طاق کی رعایت رکھنا ضروری نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں ہم پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں جو فرض عین ہے۔ صفوں کا طاق ہونا اُن نمازوں میں بھی مستحب نہیں کہ ہم رعایت رکھیں کہ صفیں طاق ہوں اور تین ہوں، پانچ ہوں یا سات؟ تین کی رعایت اس لیے رکھی جاتی ہے کہ اُن کا روایت میں ذکر ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ میں تین صفیں ہو جائیں اللہ اُس کی مغفرت فرمادیتے

ہیں..... روایت میں اس لفظ کے آجانے کی وجہ سے تین کی رعایت رکھی جاتی ہے ورنہ دو روایتیں جو میں نے دوسری ذکر کی ہیں اُن میں جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد مذکور ہے کہ آدمی چالیس ہوں یا سو ہوں..... صفوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت کی رعایت رکھتے ہوئے جتنے لوگ موجود ہوں اُن کو تین صفوں میں تقسیم کر دیں۔

## غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

بد قسمتی سے آج دور ایسا آگیا ہے کہ کچھ لوگوں نے عبادات کو بھی اپنی سیاست چمکانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ غور فرمائیں کہ کتنے بزرگ روز مرتے ہیں، کتنے عزیز مرتے ہیں کوئی غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوتی..... کسی غائبانہ نماز جنازہ کا اعلان نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں کوئی سیاسی چکر ہو یا خود نمائی کا پروپیگنڈہ مقصود ہو کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ہم بھی کشمیر کے جہاد میں حصہ لے رہے ہیں اور ہمارا بھی ایک آدمی وہاں شہید ہو گیا ہے تو اُس کے لیے شاید پورے ملک میں اشتہار بازی ہو کہ فلاں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں صحیح روایات کے اعتبار سے صرف ایک واقعہ ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا غائبانہ جنازہ پڑھایا..... نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا اور حبشہ ہی میں فوت ہوا تھا..... یہ پہلے عیسائی تھا..... مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے کچھ صحابہ حبشہ گئے تو اُس نے اُن کی بہت دلداری کی..... نجاشی نے اسلام کے بارے میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر سنی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُم حَبِیۃ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں یہ بھی ہجرت کر کے حبشہ گئی ہوئی تھیں ان کا شوہر بھی ساتھ تھا جس کا وہیں انتقال ہو گیا ام حبیبہ کا نکاح نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور مہر بھی اپنی طرف سے ادا کیا اور اُم حَبِیۃ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیجا..... جب نجاشی فوت ہوا تو اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صحابہ کو بتایا کہ نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اس پر آپ باہر نکلے، صف بندی کی اور اس کا جنازہ پڑھایا۔

### حضور نے کسی صحابی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھایا

باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ارد گرد بہت سے صحابہ فوت ہوئے آپ کو معلوم ہوگا مدینہ منورہ جانے کے بعد جہاد شروع ہوا۔ بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ غزوہ رجب میں دس صحابی شہید ہوئے اور بیر معونہ میں ستر صحابی شہید ہوئے۔ اور یہ دونوں واقعے ایسے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔

غزوہ رجب اور بیر معونہ دونوں کے مقامات اصفہان کے قریب ہیں جو مکہ کی طرف سے قریب ہیں مدینہ سے دور ہیں۔ اُن کی شہادت کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شہید کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا..... نہ غزوہ رجب والوں کا اور نہ بیر معونہ والوں کا.....

اسی طرح صحیح بخاری میں غزوہ موتہ کے بارے میں آتا ہے کہ اس غزوہ ہے لئے مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تینوں کو بالترتیب ہدایت فرمائی تھی کہ ایک کی شہادت کے بعد دوسرا جھنڈا اٹھالے اور جب دوسرا بھی شہید ہو جائے تو تیسرا اٹھالے..... چنانچہ جب غزوہ موتہ میں اسی ترتیب سے یہ تینوں جام شہادت نوش کر گئے تو اُن کے لئے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو بہائے لیکن نہ اپنے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا نہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا، نہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا۔ کسی شہید کا غائبانہ جنازہ حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

## نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی وجہ

باقی رہا یہ مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ کیوں پڑھا تھا؟ اس بارے میں ہمارے شارحین یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مملکت عیسائی تھی اور اُس کے ارد گرد بھی سب کے سب عیسائی لوگ تھے..... اسلامی طریقے کے مطابق اُس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منکشف ہوا اس لیے آپ نے اُس کا جنازہ ادا کیا۔ اس لیے کم از کم حدیث کی رو سے شہداء کے غائبانہ جنازہ کا ہمارے سامنے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہذا یہ سب سیاسی چکر ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور نہ ان کو کوئی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

## جنازے کے بعد دعا کرنے کی حقیقت

جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا دعا کرنے کا بھی کوئی ثبوت حدیث اور فقہ میں نہیں ہے اس لیے آپ لوگ دیکھتے رہتے ہیں کہ ہم جنازہ پڑھانے کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرتے۔ یہ سنت کے مطابق جنازہ ہو گیا۔

## میت کا کلام کرنا

میت کا قبرستان کی طرف لے جاتے ہوئے کلام کرنا حدیث سے ثابت ہے بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے

بَابُ كَلَامِ الْمَيِّتِ عَلَى الْجَنَازَةِ.....

یہ باب ہے چار پائی پر موجود میت کے کلام کرنے کے بارے میں۔  
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میت کو اٹھا کر قبرستان کی طرف چلتے ہیں تو اچھے اور نیک آدمی کو احساس ہو جاتا ہے کہ میری آنے والی زندگی اچھی ہے اور میرا انجام اچھا ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ اپنے اٹھا کر چلنے والوں سے کہتا ہے:

قد مونی..... قد مونی.....

مجھے جلدی آگے بڑھاؤ، مجھے جلدی آگے بڑھاؤ۔ اُسے شوق ہوتا ہے کہ مجھے جلدی لے جایا جائے۔

اور اگر خدا نخواستہ وہ آدمی اچھا اور نیک نہیں ہوتا تو اُس کی حالت اُس مجرم جیسی ہوتی ہے جسے پھانسی گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے اور وہ بے چارہ پیچھے کو بھاگتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کہاں لیے جارہے ہو۔؟

این تذہبون بسی؟..... این تذہبون بسی؟.....

مجھے کہاں لیے جارہے ہو؟ مجھے کہاں لیے جارہے ہو؟ یہ ہے کلام المیت علی الجنائزہ.... جس پر امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ میت کے اس کلام کو باقی سب سنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کے لیے اس کو عالم غیب میں رکھا ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے۔

اس روایت پر حضرت سیدانور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں سماع موتی کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے یوں کلام شروع فرمایا ہے:

”کہ میت کا بولنا اور میت کا سننا ایک ہی مسئلہ ہے“

سیدانور شاہ کشمیریؒ نے اس حدیث پر اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی ہے اور آپ کو معلوم ہے ہونا چاہیے کہ ہمارے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری جو اس مسئلے کے سب سے بڑے پرچارک ہیں وہ سیدانور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد ہیں..... یہ اُن کے اپنے اُستاد کا مسلک ہے جو فیض الباری میں مذکور ہے..... اگر یہ عقیدہ شرک ہے تو پھر یہ اپنے اُستاد کے متعلق بھی خیر منائیں کہ وہ اُن کے متعلق کیا کہتے ہیں؟..... اور نہ صرف یہ عنایت اللہ شاہ بخاری کے اُستاد کا مسلک ہے بلکہ اُن کے پیروں کا مسلک بھی یہی ہے۔ دونوں کی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اُستادوں کی بھی اور پیروں کی بھی اور دونوں کے مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے۔

## میت کا آخری حق

میت کو قبر میں اتارنے اور دفن کرنے کے بعد اُس کی قبر پر مٹی ڈالنا میت کا حق ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ مٹی اُس کے اوپر ڈالی تھی۔ اس لیے اپنے ہاتھوں سے میت کے اوپر مٹی ڈالنا اُس کی محبت کا حق ہے جو آخر وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ مٹی ڈالنا بھی محبت کا تقاضہ ہے جیسے کسی شاعر کا قول ہے

مٹھیوں میں خاک لے کر آئے اہل وطن  
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ساری زندگی کی محبت کا صلہ یہ ہے کہ آخری وقت میں مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کے اُس کی قبر پر ڈالی جائیں۔ بہر حال یہ بھی ایک مسنون طریقہ ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اُس پر مٹی ڈالی جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست و احباب سے فرمایا تھا کہ مجھے دفن کرنے کے بعد جلدی نہ لوٹ آنا بلکہ دفن کے بعد بھی میری قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرنا..... اتنی دیر تک ٹھہرنا جتنی دیر میں اُونٹ ذبح کر کے اُس کا گوشت بنایا جاتا ہے۔ تنحروا الجزور.. کیوں کہ اُس وقت گھڑیاں تو تھیں نہیں کہ فرماتے پندرہ منٹ ٹھہرنا، بیس منٹ ٹھہرنا، آدھا گھنٹہ ٹھہرنا، اُس وقت تو اندازے یہی ہوتے تھے کہ اُونٹ ذبح کرنے کے بعد جتنی دیر میں اُس کا گوشت بنایا جاتا ہے، اتنی دیر میری قبر کے پاس ٹھہرنا..... یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔

## جنازہ کے بعد قبر پر ٹھہرنے کی وجہ

کیوں ٹھہرنا؟ اس ٹھہرنے کا فائدہ کیا ہوگا؟ اس کی وجہ بھی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بتائی کہ تم میری قبر کے پاس ٹھہرے رہو گے تو میں تمہاری وجہ

سے اُنس حاصل کروں گا، مجھے سہارا حاصل ہوگا..... اور جب اللہ کے فرشتے مجھ سے سوال کرنے کے لیے آئیں گے تو آپ لوگوں کی موجودگی مجھے فائدہ دے گی..... مطلب یہ ہے کہ آپ میرے لیے آپ دعا کر رہے ہوں گے..... میری طرف توجہ کیے ہوئے ہوں گے تو میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو ذرا حوصلے سے جواب دوں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا اور میت کے لیے دعا کرنا فرشتوں کے جواب دینے میں میت کے لیے معاون بن جاتا ہے۔ اس لیے ہمارا معمول یہی ہے کہ دفن کے بعد جب وہ قبر بن جاتی ہے تو اُس کے بعد وہاں پر حدیث شریف کے مطابق میت کے سرہانے کی طرف سورۃ بقرۃ کی پہلی آیات اور پانچویں کی طرف سورۃ بقرۃ کی آخری آیات پڑھتے ہیں اور پھر اُس میت کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

### دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا جائز ہے

دفن کے بعد میت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیے یا نہیں؟ نمازِ حنفی۔ جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمدؒ نے لکھا ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنی چاہیے اور اسی طرح مفتی رشید احمد صاحب نے بھی احسن الفتاویٰ میں پہلے ایسے ہی لکھا تھا لیکن بعد میں اُن حضرات کی تحقیق بدل گئی۔

خیر الفتاویٰ کی جلد اول میں واقعہ لکھا ہے غالباً ابود جانہ رضی اللہ عنہ کا کہ اُن کو دفن کرنے کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی۔ اسی روایت کی بناء پر حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اور احسن الفتاویٰ میں اُن کا رجوع مذکور ہے۔ کہ اب میری تحقیق یہی ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو جائز ہے۔ مرفوع حدیث میں یہ بات آئی ہوئی ہے تو جن بزرگوں نے پہلے یہ لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ روایت اُن کی نظر سے نہیں گزری تھی اور.... فوق کل علم ذی علیم.... کے تحت اگر بعد میں روایت مل گئی اور صحیح روایت ہے تو پھر قبر بن جانے

کے بعد ہاتھ اٹھا کر کرنا درست ہے۔

## ایک واقعہ!

ہمارے ایک دوست کی والدہ فوت ہو گئی۔ میں بھی قبرستان گیا ہوا تھا اور دفن میں شریک تھا۔ دفن کے بعد اسی طریقے کے مطابق جب میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو حاصل پور سے آئے ہوئے کچھ لوگوں میں سے ایک نے مجھے پکڑا کہ یہ کیا کیا؟ اگر آپ لوگ بھی بدعات کا ارتکاب کریں گے تو پھر دوسروں کی شکایت کے کیا معنی؟ میں نے کہا بھائی کیا بات ہے؟ کہنے لگا آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کیوں کی؟ میں نے کہا یہ ناجائز ہے؟ کہنے لگا ہاں۔

ہمارے ہاں ایک بزرگ فاضل دیوبند ہیں جو ہمارے محترم ہیں میں بھی اُن سے ملا ہوں وہ تو منع کیا کرتے تھے کہ دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے کہا وہ بالکل صحیح کہتے ہیں اور مولانا خیر محمد صاحبؒ نے بھی یہی لکھا ہے اور بعض فتاویٰ کی کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ لیکن اب مفتیان کرام کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح روایت موجود ہے اور دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔ اس لیے اُن حضرات کو میرا سلام بھی کہنا کہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں یہ مسئلہ ہے اس کو دیکھ لیں مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا ہے۔ اور خیر الفتاویٰ میں بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔ اس لیے اگر کسی کا لکھا ہوا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے پہلی بات یہی تھی..... معمولی باتیں ہیں تحقیق بدل سکتی ہے، کوئی معلومات نئی بھی حاصل ہو سکتی ہیں... فوق کل ذی علم علیم..... دنیا کا اصول ہے۔ اگر پہلے روایت نظر میں نہیں آئی بعد میں نظر میں آگئی جواز کا قول کر لیا..... ہمارے اکابر کی یہی توجہ ہے۔

## صدے سے آنسو جاری ہونا

اس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور اپنی بیٹی ام کلثومؓ جو عثمان رضی



اللہ عنہ کی بیوی تھیں اُن کو دفن کرتے وقت قبر پر بیٹھے تھے صحابی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحتیں فرما رہے تھے، یہ کرو، وہ کرو اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے..... اس لئے اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ چیخنا، چلانا اور بے صبری کے کلمات زبان سے نکالنا جائز نہیں۔

## مردے کا قدموں کی آہٹ سننا

دفن کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو مردو اُن کے قدموں کو آہٹ سنتا ہے یہ بھی متفق علیہ روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يسمع خفق نعالهم .....

مردہ واپس آنے والوں کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔

مردہ ابھی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ فرشتے سوال و جواب کے لیے آجاتے ہیں۔ اس پر بھی امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے

الميت يسمع قرع نعالهم .....

کہ میت واپس لوٹنے والوں کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے..... اب اس میں بھی سننے کا ذکر آیا ہے۔

## مردوں کو سلام کرنا

قبرستان جا کر صاحبِ قبر کو سلام کرنے کا تذکرہ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ جب قبرستان جاؤ تو وہاں کے رہنے والوں سے یوں کہو.. السلام علیکم دار قوم مومنین انتم... یہ دعا مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

ان روایات کے پیش نظر ہمارے اکابر نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے ”کہ اموات باہر آنے والے کی آواز کون لیتی ہیں یا نہیں۔ دلائل کے احاطے میں اس مسئلے کی زیادہ تفصیل مقصود نہیں۔ صرف اپنا مسلک ظاہر کرنا مقصود ہے..... غالباً یہ مسئلہ پہلے بھی کسی

قدر اختصار کے ساتھ ذکر ہوا تھا کہ ہمارے ہاں قبر کے قریب جا کر میت سے السلام علیکم .... وغیرہ کی کوئی بات کی جائے۔ تو میت سن لیتی ہے اگر اللہ چاہے۔ میت کو اللہ تعالیٰ متوجہ کر دے، تو جو بات کھڑا ہونے والا کرتا ہے میت سن لیتی ہے، لیکن اس ضمن میں ضابطے کے تحت وہی باتیں آئیں گی جن کی صراحت حدیث میں آگئی جیسے پاؤں کی آہٹ کا سننا، یا سلام کا سننا۔ اس کے علاوہ باقی باتیں کسی ضابطے کی تحت نہیں ہیں لیکن اس کو عقلاً ممتنع ہم نہیں کہہ سکتے کہ بالکل نہیں سنتا..... اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ متوجہ کر دیں تو سن لے گا نہ متوجہ کریں تو نہیں سنے گا۔

ہم تو قول صرف اسی کا کریں گے جس کا ثبوت حدیث میں آیا ہے وہ دو باتیں ہیں۔ سلام کا سننا اور پاؤں کی آہٹ کا سننا، اس میں تو ہم کہیں گے کہ جی یہ ثابت ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ موجبہ جزئیہ صادق آجائے تو سالبہ کلیہ غلط ہوتا ہے سالبہ کلیہ وہاں نہیں ہوتا، یہ کہنا کہ بالکل نہیں سنتے، کسی قسم کا سماع نہیں ہے یہ بات غلط ہے۔ ہم اس میں سلب کلی کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہم اس میں ایجاب کلی کے قائل ہیں۔

### سلب کلی کا مطلب

غالباً پہلے میں نے اس طرح کے ایک دو لفظ بولے تھے تو بعضوں نے کہا تھا کہ تقریر بہت سخت کی ہے۔ اس کو سمجھ لیجیے سلب کلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بالکل کسی کی نہیں سنتا، نہ قریب سے نہ دُور سے۔ اور ایجاب کلی کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر کسی کی ہر بات سنتا ہے، قریب سے بھی اور دُور سے بھی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

### سماع فی الجملة

بعض باتیں سن لے اور قریب سے سن لے اس کا ثبوت ہے جس کو ہم سماع فی الجملة سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر کا مسلک یہ ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر بات کو سن لیتا ہے اور دُور سے بھی سن لیتا ہے۔

## سماع باری تعالیٰ!

الوہیت کا عقیدہ یاد رکھیے..... اللہ تعالیٰ کے سماع میں اتنی باتیں آئیں گی کہ وہ:

❁ ہر وقت.....

❁ ہر بات.....

❁ ہر کسی کی.....

❁ ہر جگہ سے.....

سنا ہے..... یہ سنا خصوصیت الہ میں سے ہے۔ کسی زندہ کے بارے، کسی مردہ کے بارے، یہ عقیدہ رکھو گے تو یہ عقیدہ شرک ہے۔ یہ چار لفظ یاد رکھنا۔ ہر وقت..... ہر بات..... ہر کسی کی..... ہر جگہ سے..... سنا یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ اگر یہ عقیدہ کسی اور کے متعلق بھی رکھا جائے تو یہ شرک ہے..... قریب سے سنا اور دور سے نہ سنا، کوئی بات سنا اور کوئی بات نہ سنا۔ یہ اللہ کی صفت نہیں ہے۔ اس لیے اگر یہ عقیدہ کسی کے متعلق رکھا جائے تو شرک لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سماع کو سماع کلی کہتے ہیں اور یہ صرف الہ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ:

❁ چاہے فرشتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھو.....

❁ چاہے نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو.....

❁ چاہے ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھو.....

❁ چاہے زندہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو.....

❁ چاہے مردہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو.....

یہ عقیدہ شرک ہے، ہر جگہ سے سنا، ہر کسی کی سنا، ہر بات سنا، ہر وقت سنا، یہ الہ کا کام ہے جو الہ نہیں اس کے لیے اس قسم کا سماع نہیں ہے۔ اور کوئی بات سنا اور کوئی نہ سنا، قریب سے سنا اور دور سے نہ سنا..... یہ اللہ کی صفات میں نہیں۔ جب یہ

اللہ کی صفات میں سے ہے ہی نہیں تو پھر چاہے کسی زندہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو، کسی مردہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔

## سماع میں اختلاف

اس بارے میں ایک خاص بات یاد رکھیے کہ یہ سماع اور عدم سماع کا اختلاف انبیاء کے علاوہ باقی اموات کے بارے میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اجماع ہے کہ اُن کی قبر کے قریب اگر اُن پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے تو انبیاء علیہم السلام سنتے ہیں، یہ مسئلہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ ہے جو اس سے انکار کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

## سماع انبیاء کی دلیل

اب میں ذرا سماع انبیاء کی دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ آیات ہیں جن میں ..دعا یدعوا... کا ذکر آیا ہوا ہے ”جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ..... جن کو تم لوگ پکارتے ہو اللہ کے علاوہ.....“ یہ غیب کا صیغہ ہے اس میں ..دعا یدعوا... کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد ہے غائبانہ پکارنا، موجود ہونے کی صورت میں نہیں غائب ہونے کی صورت میں پکارنا..... یہ آیات بہت سی ہیں ”کہ جو پکارتے ہیں بیکار ہیں..... جن کو پکارتے ہیں وہ نہیں سنتے.....“ یہ ہے غائبانہ پکار..... یہ آیات سماع موتی کے مسئلے میں زیر بحث نہیں آتیں۔ اس لیے جب بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا، جواز یا عدم جواز کے قائل ان آیات کو زیر بحث نہیں لاتے کیونکہ اس سے مراد غائبانہ پکارنا ہے اور اس کے سماع کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

## سماع موتی کے بارے میں قرآنی آیات

سماع موتی کے بارے میں جو آیات زیر بحث ہیں وہ صرف تین ہیں

اَنْكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ..... وَلَا تَهْدٰی الْعُمْیَ.

”آپ موتی کو نہیں سنا سکتے، بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو آپ راہ نہیں دکھا سکتے“ یہ آیات قرآن میں دو جگہ ہیں۔ سورۃ روم اور سورۃ نمل میں۔ انہی لفظوں کے ساتھ دو جگہ آئی ہوئی ہے۔ ایک سورۃ فاطر میں ہے۔

مَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ....

نہیں ہیں آپ اُن کو سنانے والے جو قبور میں ہیں۔

جہاں پر بھی پرانے زمانے میں سماع موتی کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے تو یہ تین آیتیں ہی زیر بحث آئی ہیں..... رہیں دعا یدعوا والی آیات جو آج کل اکٹھی کر کے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ عدم سماع پر چالیس آیات دال ہیں..... یہ موجودہ لوگوں کی تصریحات ہیں۔ پرانے زمانے میں کسی نے یہ آیتیں زیر بحث نہیں لائیں۔ جن میں دعا یدعوا کا لفظ ہے کیونکہ یہ غائبانہ پکارنے کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں، سماع موتی میں زیر بحث صرف تین آیتیں ہیں ایک آیت دو سورتوں میں ہے اُس کو ہم نے دو شمار کر لیا ہے اور تیسری آیت یہ ہے

مَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ....

کہ..... مَن فِي الْقُبُورِ .... کو آپ سنا نہیں سکتے.....

## ایک اشکال

پچھلے دنوں میرے ایک دوست کا پیغام آیا تھا کہ ہمیں اس آیت کی وضاحت چاہیے کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ.....

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ.....

کتنی صاف آیت ہے... والذین یدعون من دون اللہ... اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں:

لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا.....

وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے ہیں.....

وہم یخلقون.....

وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں..... وہ مخلوق ہیں..... اور آگے فرمایا

اموات غیر احیاء.....

وہ تو مرے ہوئے ہیں، زندہ نہیں ہیں.....

وما یشعرون، ایان یبعثون.....

اُن کو تو پتہ ہی نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے قبروں سے.....

اب یہاں پر تو آگیا کہ جن اصحاب قبور کو وہ پکارتے ہیں چاہے وہ انبیاء ہی

ہوں.... اموات غیر احیاء... ہیں۔ وہ تو مرے ہوئے ہیں، زندہ نہیں ہیں تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ زندہ ہیں؟

## جواب

میں نے اس سے پوچھا کہ... والذین یدعون من دون اللہ..... سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ اگر ان سے مشرکین مکہ کے بت مراد ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود تراشے اور بنائے جاتے ہیں..... بے جان ہیں اُن میں کوئی رُوح نہیں ہے اور وہ بے علم ہیں اُن کو کچھ پتہ نہیں..... پھر تو یہ آیت اپنی صراحت کے ساتھ اُن پر صادق آتی ہے۔ اور اگر آپ اس کو عام رکھتے ہیں کہ اس سے سب معبود مراد ہیں تو سب معبودوں میں تو:

عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں..... ❁

مریم علیہا السلام بھی ہیں..... ❁

فرشتے بھی ہیں..... ❁

جنات بھی ہیں..... ❁

مرے ہوئے انسان بھی ہیں..... ❁

اگر ان سب کو عام رکھنا ہو تو پھر اس آیت کا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں کیونکہ اگر اس کو عام رکھا جائے تو کیا عیسیٰ علیہ السلام پر اس وقت یہ بات (اموات غیر احیاء) صادق آتی ہے؟ نہیں صادق آتی تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے نکالیں گے؟ جو لوگ فرشتوں کو پکارتے ہیں اُن پر یہ آیت کیسے صادق آئے گی؟ آپ فرشتوں کو کہہ سکتے ہیں:..... اموات غیر احیاء..... جو جنوں کو پوجتے ہیں اُن کے اوپر یہ بات صادق آسکتی ہے؟ اسی طرح اگر کسی نے زندہ معبود بنا رکھا ہو جیسے فرعون کو لوگ پوجتے ہیں تو اُن زندہ معبودوں کے اوپر یہ بات کیسے صادق آسکتی ہے؟

اگر اس سے بت مراد لیے جائیں تو صراحت ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ بے جان ہیں اُن میں کوئی رُوح نہیں اور وہ بے علم ہیں۔ اُن کو کچھ پتہ نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اور اگر اس کو عام رکھنا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو یہ بھی پکارتے

ہیں:

✽ چاہے وہ فرشتے ہوں.....

✽ چاہے فوت شدہ انبیاء ہوں.....

✽ چاہے اولیاء ہوں.....

✽ چاہے کوئی اور انسان ہو.....

✽ چاہے جنات ہوں.....

یہ سب کے سب مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں بالکل صحیح بات ہے۔

## اموات غیر احیاء کا مطلب

اموات غیر احیاء.... کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر موت ضرور آئے گی ایسا نہیں کہ وہ.... حسی لایموت... ہوں۔ جن کی زندگی اپنی ذاتی ہوائپر کبھی موت نہ آئے ایسا نہیں ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی شخص.... حسی لایموت... نہیں.. حسی

لا یموت .... صرف اللہ کی شان ہے۔ جبکہ اُن میں سے کوئی ایسے ہیں جن کو موت آچکی، کوئی ایسے ہیں جن کو موت آجائے گی۔ قیامت سے پہلے سب کو موت آئے گی کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں ہے..... لہذا لازماً اموات غیر احیاء کا یہی مطلب بیان کرنا پڑے گا ورنہ فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام پر یہ آیت کیسے صادق آئے گی؟۔

اس میں کہنا یہ مقصود ہے کہ... حسی لا یموت صرف اللہ کی شان ہے..... وہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہوگا کہ یہ اموات غیر احیاء ہیں یعنی اللہ کی طرح... حسی لا یموت... نہیں ہیں۔ بعض کو موت آچکی ہے اور بعض کو موت آئے گی، ہمیشہ زندہ رہنے والا کوئی نہیں، قیامت سے پہلے ہر کوئی مرے گا، فرشتے بھی مریں گے، عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آئے گی، ہمیشہ زندہ رہنے والا کوئی بھی نہیں ہے..... کسی کی زندگی ذاتی نہیں، کسی پر موت ممتنع نہیں، جو مرنے والا ہو، جو اپنی زندگی کا مالک نہیں تو اُس کو پکارنا کیسے درست ہوگا؟ وہ تو موت و حیات میں خود اللہ کا محتاج ہے۔ اس کو تو پتہ ہی نہیں کہ قیامت کب آئے گی، نہ کسی نبی کو پتہ ہے نہ کسی فرشتے کو پتہ ہے۔ اموات غیر احیاء... کا ہمارا یہ مفہوم فرشتوں پر بھی صادق آتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اس کا سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس آیت کا تعلق ہمارے مضمون کے ساتھ نہیں ہے۔

ایسے ہی باقی روایات ہیں جن میں دعائے دعا کا صیغہ ہے وہاں غائبانہ پکارنا مراد ہے اس میں سماع موتی کا مسئلہ مفسرین کبھی زیر بحث نہیں لائے۔

## موتی کے بارے میں آیات کا مطلب

اب رہا یہ مسئلہ کہ ان آیات کا مطلب کیا ہے؟ ان کا مختصر مطلب یوں سمجھ لیں:

پہلی بات یہ ہے کہ یہاں پر موتی سے کیا مراد ہے؟ کیا موتی اسے:

حقیقتاً مرے ہوئے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیہاً کہا گیا ہے۔



حقیقتاً بہرے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیہاً کہا گیا ہے۔





❁ حقیقتاً اندھے لوگ مراد ہیں یا کافروں کو تشبیہاً کہا گیا ہے۔

اگر یہاں پر حقیقی مُردے مراد ہوتے تو پھر بات سیدھی ہوتی کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اگر حقیقی بہرے مراد ہوتے تو پھر بات سیدھی ہوتی کہ آپ بہروں کو سنا نہیں سکتے۔ اگر حقیقی اندھے مراد ہوتے تو آپ کہتے کہ آپ اندھوں کو راستہ دکھا نہیں سکتے پھر تو یہ بات بالکل منصوص درجے میں ہوتی لیکن یہاں پر ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ مُردوں کو سنا نہیں سکتے، بہروں کو سنا نہیں سکتے، اندھوں کو راستہ دکھا نہیں سکتے۔ تو کیا ہے کوئی ایسا واقعہ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں مُردوں کو سنانے کے لئے کبھی تقریر شروع کر دی ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو مُردوں کا نہیں تم سنا سکتے یہاں تقریر کرنے کا کیا فائدہ؟..... یا کبھی آپ گونگوں بہروں کے سکول میں چلے گئے ہوں اور وہاں خطاب شروع کر دیا ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو بہرے نہیں سنا کرتے اور بہروں کو تم نہیں سنا سکتے..... یا کبھی آپ نے اندھوں کو اکٹھا کر کے چاند دکھانا شروع کر دیا ہو جس پر اللہ نے کہا ہو کہ چھوڑو اندھوں کو تم چاند نہیں دکھا سکتے..... کیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا؟ غور کیجئے:

❁ اگر قبرستان میں منبر بچھا کر وہاں تقریر کر رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ مُردوں کو کو کیا سنا رہے ہو، مُردے بھی کبھی سنا کرتے ہیں؟

❁ اگر اندھوں کو اکٹھا کر کے اُن کو چاند دکھا رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ اندھوں کو کیا دکھاتے ہو، اندھے بھی کبھی دیکھا کرتے ہیں؟

❁ اگر بہروں کو اکٹھا کر کے اُن کو وعظ سنا رہے ہوتے پھر تو آپ کہتے کہ بہروں کو کیا سنا رہے ہو، بہرے بھی کبھی سنا کرتے ہیں؟

لیکن جب پوری سیرت میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں وعظ کہا ہو یا بہروں میں تقریر کی ہو، یا اندھوں کو چاند دکھانے کی کوشش کی ہو تو معلوم ہوا کہ یہاں حقیقی مُردے، بہرے، اندھے مراد نہیں ہیں۔ بلکہ کافروں کو مُردے، اندھے اور بہرے تشبیہاً کہا گیا ہے۔ جیسے قرآن کریم کے شروع میں آیا:

صم بکم عمنی فہم لایرجعون

آپ کے مخاطب یہ سب کے سب کافر بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں۔ یہ اپنے مسلک سے کبھی نہیں لوٹیں گے۔ تو یہاں کافروں کو اندھے گونگے اور بہرے تشبیہاً کہا گیا ہے۔ اس کی دلیل بھی قرآن حکیم میں موجود ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ.....

یہ آیت جب پوری ہوتی ہے تو آگے آتا ہے.....

ان تسمع الامن یؤمن بایاتنا.....

آپ اُن کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو... انک لا تسمع الموتی!.... کے مقابلے میں آیا ہے... ان تسمع الامن یؤمن بایاتنا.... جس سے معلوم ہو گیا کہ مومن مومنوں کو سنا سکتا ہے مُردوں کو نہیں سنا سکتا.... مومنوں کے مقابلہ میں مُردوں سے مراد کافر ہیں..... اس سے حقیقی مرد ہے مراد نہیں ہیں۔ یہ تقابل سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

یعنی جب یہ کہا جائے کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے آپ زندوں کو سنا سکتے ہیں تو بات بڑی آسان ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ زندوں کے مقابلہ میں مُردوں کا ذکر آیا ہے اس لیے یہاں پر حقیقتاً مُردے مراد ہیں لیکن جب یہ کہا گیا کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے مومنوں کو سنا سکتے ہو تو پھر یہ تقابل کیسے قائم ہوگا؟

ایسی صورت میں ماننا پڑے گا کہ یہاں مُردوں سے مراد کافر ہیں لہذا اس آیت کا یہ مفہوم متعین ہوگا جس کا مطلب ہوگا کہ آپ کافروں کو نہیں سنا سکتے آپ مومنوں کو سنا سکتے ہیں.....

بات ذرا ثقیل ہو جائے گی۔ لیکن آپ کے لیے کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اس کو ذرا علمی طریقے سے سمجھئے..... جہاں پر تشبیہ پائی جائے وہاں پر تین باتیں ہوتی ہیں۔

ایک مشبہ..... ایک مشبہ بہ..... اور ایک وجہ تشبیہ..... یہاں پر مشبہ ہیں کفار کہ کفار کو تشبیہ دی گئی ہے۔ مشبہ بہ ہیں مومن کہ مُردوں کو تشبیہ دی گئی ہے وجہ تشبیہ کیا ہے؟

## وجہ تشبیہ

اگر وجہ تشبیہ یہ ہو کہ کان میں آواز نہیں پہنچتی تو آپ دیکھتے ہیں کہ کافروں کے کان میں تو آواز پہنچتی تھی یہ وجہ تشبیہ تو کافروں میں موجود نہیں۔ ابو جہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن سنتا تھا تو اُس کے کان میں آواز نہیں جاتی تھی؟ اگر وجہ تشبیہ یہ ہو تو پھر کافروں پر صادق نہیں آتی تو پھر تشبیہ دینا ٹھیک کیسے ہوگا؟

اس لیے وجہ تشبیہ یہاں ہے فائدہ اٹھانا کہ جس طرح یہ کافر لوگ آپ کی آواز سے فائدہ اٹھا کر سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے اسی طرح اگر آپ ان سے بات بھی کریں گے تو یہ اپنے مسلک کو چھوڑ کر آپ کی بات نہیں سنیں گے۔

## اسماع کا معنی!

تو یہاں اسماع سے قبول کروانا مقصود ہے جس کو سننے کے بعد وہ عمل کرنا شروع کر دیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا جیسے سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ”یہاں پر اسماع سے مراد منوانا ہے“ کہ جس طرح آپ مُردوں کو نہیں منوا سکتے کہ وہ توبہ کر کے نماز پڑھیں، مُردوں کو آپ نہیں منوا سکتے کہ وہ کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں، جس طرح اُن میں ماننے کی صلاحیت نہیں عدم صلاحیت کے اعتبار سے یہ کافر بھی مردوں جیسے ہو چکے ہیں۔

اس لیے یہاں کان میں آواز پہنچنے یا سن لینے کی نفی کرنی مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں پر معنی یہ ہوگا آپ ان کافروں کو نہیں منوا سکتے جو مردوں کی طرح ہیں..... آپ ان کافروں کو نہیں منوا سکتے جو بہروں کی طرح ہیں..... آپ ان کافروں کو نہیں منوا سکتے جو اندھوں کی طرح ہیں.....

صم بکم عمی جیسے قرآن میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ لفظ آیا ہے۔ اور آپ ان کافروں کے سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتے جو اندھوں کی طرح ہیں جیسے

اندھا اشارے سے راستہ نہیں سمجھتا، بہرہ کسی بات کو نہیں سنتا، اسی طرح کافر بھی آپ کی بات کو سن کر ماننے والے نہیں۔ یہاں پر اسماع سے مراد اسماع قبول ہے۔ سننے سے متاثر ہونے کی نفی مقصود ہے۔ کان تک آواز پہنچنے کی نفی مقصود نہیں کیونکہ کافر جو آپ کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے وہ بالیقین آپ کی بات کو سنتے تھے۔

یہ ہے عام طور پر جو اس آیت کی توجیہ کی جاتی ہے کہ موتی سے یہاں حقیقی موتی مراد نہیں آپ عربی تفاسیر اٹھا کر دیکھیں وہاں پر علماء نے لکھا ہے کہ موتی کا معنی ہے موتی القلوب..... ایسے لوگ جن کے دل مرے ہوئے ہوں..... اُن کو آپ نہیں سنا سکتے۔ دوسرے لفظوں میں کہہ لیجیے کہ اسماع نافع کی نفی مقصود ہے قطعاً آواز پہنچنے کی نفی مقصود نہیں ہے۔

حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فیض الباری میں ان آیتوں کی تقریر کرتے ہوئے یہی کچھ فرمایا ہے جو کچھ میں آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں..... سماع ہمارے ہاں دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک اپنے حقیقی معنی میں کہ کوئی سنتا نہیں دُور ہے یا اُسے آواز نہیں پہنچ رہی یا بہرہ ہے سن نہیں رہا..... اور دوسرے جیسے میں کہوں میں نے تمہیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ تم دیواروں پر لکیریں نہ لگایا کرو لیکن تم میری بات سنتے ہی نہیں..... تمہارے ماں باپ تمہیں کہیں کہ تمہیں ہزار دفعہ سمجھایا ہے لیکن تم ہماری ایک نہیں سنتے۔ تو وہاں پر ایک نہیں سنتے کا کیا معنی ہوتا ہے تم سب بہرے ہو؟ تمہارے کان میں آواز نہیں آتی۔

وہاں بالاتفاق معنی یہ ہوا کرتا ہے کہ جب سن کے قبول نہیں کریں تو سننا نہ سننا برابر ہے تو یہاں پر سننے سے مراد قبول کرنا ہوتا ہے.... لایسمعون... کا معنی قبول نہیں کرتے۔ تو جس وقت سن کے قبول نہیں کرو گے تو سننا نہ سننا برابر ہے۔ اور یہ بات محاورے کے مطابق ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں تم میری بات سنتے ہی نہیں تو سنتے نہیں کا مطلب یہ ہے کہ تم قبول نہیں کرتے۔ تو اس طرح سے کافروں کو منوالینا میرے بس کی بات نہیں ہے

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ.... من یومن... کے ساتھ اس کا تقابل صراحتاً ثابت کرنا ہے کہ موتی سے مراد کفار ہیں حقیقی موتی مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح صم سے کافر مراد ہیں حقیقی صم مراد نہیں ہے۔ اور قرآن پاک نے ان کافروں کا صم بکم عمی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کہ یہ اندھے بھی ہیں، بہرے بھی ہیں، گونگے بھی ہیں حالانکہ وہ کافر اچھے بھلے دیکھتے، سنتے اور بولتے تھے تو بھی اُن کو صم بکم عمی کہا جاتا ہے کیونکہ حق بات زبان سے بولتے نہیں..... حق بات کان سے سنتے نہیں..... حق بات آنکھ سے دیکھتے نہیں..... جیسے کوئی گونگا ہو، کوئی بہرا ہو، کوئی اندھا ہو۔ اُن کا بھی یہی حال ہے۔ اس لیے ان آیتوں کی یہ توجیہ کی جائے گی۔

ایک اور اہم بات یاد رکھئے.... قرآن کریم میں کوئی ایسی صاف آیت اس مسئلہ میں موجود نہیں ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو..... اگر اس قسم کی کوئی آیت ہوتی تو اسلاف میں اس مسئلہ کو زیر بحث نہ لایا جاتا اور کبھی اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ اسلاف میں اختلافی اقوال کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہو..... ورنہ منصوص بات میں تو اختلاف نہیں ہوا کرتا۔ اختلاف ہمیشہ مستنبط بات میں ہوا کرتا ہے۔ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے بلکہ تشبیہ کے تحت یہاں اس کو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کفار موتی کے مشابہ ہیں کہ جیسے موتی کے لیے سماع (انتفاع) نہیں اُن کے لیے بھی سماع (انتفاع) نہیں۔ کیونکہ تشبیہ میں اگر وجہ تشبیہ یہ لیں کہ کانوں تک آواز نہیں پہنچتی تو یہ وجہ تشبیہ کفار میں موجود نہیں۔ اس لیے وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے کہ آپ کی تقریر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جس طرح مُردے نہیں اٹھا سکتے۔

لہذا یہ آیتیں عدم سماع کے اوپر دلالت نہیں کرتیں بلکہ اُلٹا اس کا عکس ان سے ثابت ہوتا ہے..... وجہ تشبیہ کے تحت یہ بات اس طرح سے صاف ہو جاتی ہے۔

## زیارت قبور کے آداب!

قبرستان میں جانا، جا کر سلام کرنا، بہت سی روایات میں آیا ہے۔۔۔ اسی طرح قبرستان جا کر دُعا کرنے کا ذکر بھی روایات میں موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع جاتے تھے اور وہاں جا کر اہل بقیع کے لیے دعا بھی کیا کرتے تھے۔

## والدین کی قبر کی زیارت

والدین کی قبر کی زیارت کی ترغیب حدیث شریف میں موجود ہے کہ جو ہفتہ میں ایک مرتبہ اپنے والدین کی قبر کی زیارت کیلئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ تو اپنے والدین، اپنے بڑوں، اپنے اساتذہ اور اپنے بزرگوں کی زیارت قبور کے لیے جانے کی ترغیب موجود ہے۔۔۔ جائیں تو اس طرح جائیں گویا وہ تشریف فرما ہیں۔۔۔ ادب و احترام کا انداز اپنائیں۔۔۔ پابندی کی طرف سے جائیں، قبلہ کی طرف جا کر کھڑے ہوں جیسے کوئی لیٹے ہوئے ہیں اور آپ اُن کے سامنے کھڑے ہیں۔ قبر کے ساتھ بھی ظاہری ادب ویسے ہی رکھا جانا چاہئے جس طرح کسی زندہ بزرگ کی ملاقات و زیارت کے وقت انسان رکھتا ہے۔۔۔ یہ زندوں کی طرح ادب و آداب کی رعایت رکھنے کی تلقین میں اپنی طرف سے نہیں کر رہا اس کا ثبوت بھی حدیث میں موجود ہے۔ آپ بھی سن لیجیے:

ایک دفعہ ایک آدمی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تؤذ صاحب القبر

اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔ اس طرح تم ٹیک لگا کے بیٹھتے ہو تو صاحب قبر

تکلیف محسوس کرتا ہے، یہ اُس کی بے ادبی اور توہین ہے۔ اس سے منع فرمایا اور مشکوٰۃ شریف باب الزیارة القبور میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے حجرے میں مدفون ہو گئے تو میں اندر جاتے ہوئے اپنے کپڑے سمیٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ میں مجھتی تھی کہ یہ میرا خاوند ہے یہ میرا باپ ہے اُن کے سامنے سر ننگا ہو گیا تو کوئی بات نہیں۔ لیکن جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے میں حجرے میں اپنے کپڑے سنبھال کے داخل ہوتی ہوں.... حیاء عن العمر... عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کرتے ہوئے۔ لہذا جب میں حجرے میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے سمیٹ لیتی ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے سے انسان کو ادب و احترام کا معاملہ کرنا چاہیے جس طرح اس کی زندگی میں ہوتا ہے ادب کے ساتھ کھڑے ہوں۔۔ وہاں جا کر شور نہ مچائیں۔۔ اُچھلیں کو دیں نہیں۔۔ سلام کر کے دُعا بھی کریں اور کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب بھی کریں۔ باقی تعظیم کے عنوان سے قبروں کو سجدہ کرنا۔۔ اُن کا طواف کرنا۔۔ اُن کو چومنا۔۔ اُن کو چھونا۔۔ اُن سے لپٹنا۔۔ اُن پر چراغاں کرنا۔۔ چادریں بچھانا وغیرہ سب خرافات ہیں جن کی اجازت نہیں ہے۔

### ترتیب قبور کا حکم

قبر پر کنکریاں ڈالنا، اُس کو مناسب طریقے سے سنوارنا بالکل درست ہے تاکہ اُس کا نشان باقی رہے..... مدینہ منورہ میں جانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے فوت ہوئے..... اُن کے فوت ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں چوما، اُن کا بوسہ لیا، پھر اُن کو جنت البقیع میں دفن کیا..... دفن کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اشارہ کیا کہ وہ پتھر اٹھا کے لائے وہ پتھر وزنی تھا وہ اٹھانے لگا تو اُس سے اٹھا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے بازو چڑھائے اور جا کر اُسے اٹھالائے۔

راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ چمکتے ہوئے ہاتھ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے ہیں کہ کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازو چڑھائے اور جا کر پتھر کو اٹھایا اور لا کر قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس سے نشان لگاتا ہوں اپنے بھائی کی قبر پر..... اگر آئندہ کوئی میرے خاندان میں سے فوت ہو تو میں اُسے یہیں آس پاس دفن کروں گا۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے بھائی کی قبر پر نشان رکھتا ہوں..... تو قبر کا نشان باقی رکھنا جس سے پتہ چلے کہ یہ فلاں کی قبر ہے۔ یہ مطلوب ہے تاکہ انسان اپنوں کی زیارت یا دعا وغیرہ کرنے جائے تو اُس کو قبر کا پتہ ہو۔ اس لیے قبر پر جائیں، ادب کے ساتھ کھڑے ہوں۔۔ وہاں جا کر شور نہ مچائیں۔۔ اُچھلیں کودیں نہیں۔۔ سلام کر کے دُعا بھی کریں اور کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب بھی کریں۔ لیکن اس قسم کا ادب نہیں کہ جس سے بدعات اور شرک کی باتیں شروع ہو جائیں یہ درست نہیں۔ چراغ جلانا جائز نہیں، چادر چڑھانا جائز نہیں، قبر کو پختہ بنانا اور چونا گچ کرنا ٹھیک نہیں، البتہ حفاظت کے لیے اُس کے اوپر کنکریاں ڈالنا تاکہ مٹی نہ اڑے یہ جائز ہے۔ یہ ہے ہمارا صحیح مسلک جو حدیث کے مطابق ہے..... اور فقہ کے مطابق ہے..... انہیں باتوں کی رعایت ہمیں رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کے مطابق زیارتِ قبور کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





# اولیاء کی گستاخی کا انجام

بہ موقع ۸ ختم صحیح البخاری شریف

بہ مقام ۸ جامعہ اسلامیہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ اگست 2004ء

## اولیاء کی گستاخی کا انجام

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَنُفَسِّنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

أَمَّا بَعْدُ!

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى  
مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ  
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ.

\*\*\*\*\*

تمہید

## حدیثِ دلبراں

جامعہ امدادیہ کے بانی برادرِ مکرم مولانا نذیر صاحب رحمہ اللہ جب جامعہ ربانیہ ضلع ٹوبہ میں جو اُس وقت ایک چھوٹی سی تحصیل تھی داخلہ کے لئے تشریف لائے ہیں تو میں بھی اُسی سال جامعہ ربانیہ میں داخل ہوا تھا۔

عزیزم مولانا محمد طیب صاحب نے قصہ چھیڑ دیا تو گزری ہوئی باتیں ذہن میں لوٹ آئیں۔ میں ان سے معذرت اس لئے کر رہا تھا کہ میرے دماغ پر خیالات کا اتنا ہجوم ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہاں سے شروع کروں؟ کیا کہوں؟ مولانا ظریف احمد صاحبؒ اور ان عزیزوں کے ماموں مولانا ظہور احمد صاحب وہ بھی اُسی سال جامعہ ربانیہ میں آئے تھے..... ہم نے صرف کی ابتداء اکٹھے کی تھی..... یہ سب تو سکولوں سے میٹرک کر کے آئے تھے جبکہ میں مڈل کر کے آیا تھا..... ہم دو سال وہاں اکٹھے رہے۔ ایک سال بعد مولانا عبد المجید صاحب بھی آ گئے۔ (مولانا عبد المجید صاحب انور جو اب برطانیہ کے ایک ادارہ میں شیخ الحدیث ہیں) یہ حضرات دوسرا سال ختم ہونے سے دو تین مہینے پہلے ہی جامعہ ربانیہ چھوڑ گئے تھے۔

## جامعہ ربانیہ سے روانگی

امام کوٹ میں ہمارے ایک بزرگ مولانا کرم الہی صاحب تھے جو مولانا نذیر احمد صاحبؒ کے ماموں تھے..... اُن کے دو بیٹے ضیاء الرحمن اور عبید الرحمن بھی جامعہ ربانیہ میں پڑھتے تھے۔ طالب علمی کے دور میں میرا تعلق مولانا نذیر احمد صاحب کے ساتھ انتہائی گہرا اور بیحد محبت کا تھا۔ اُس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ جس دن مولانا نذیر احمد صاحب اپنے دیگر چار ساتھیوں عبید الرحمن، ضیاء الرحمن، محمد اشرف اور محمد اسلم

کے ہمراہ جامعہ ربانیہ سے جا رہے تھے تو ہم انہیں رخصت کرنے سڑک تک آئے۔ یہ سڑک جو سمندری سے ٹوبہ کی طرف جا رہی ہے یہ اُسی وقت تازہ تازہ بنی تھی اور کوئی ایک آدھ گاڑی اس پر چلتی تھی۔ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اُن کو بس پر سوار کرانے کے بعد میں صدمہ سے نڈھال ہو گیا اور اُس سڑک کے کنارے بیٹھ کر بے تحاشا رونے لگا مولانا ظریف احمد صاحب مجھے تسلی دے رہے تھے اور میں بے تحاشا روزہا تھا..... اگلے سال میں بھی جامعہ ربانیہ کو چھوڑ کر اُن کے پاس چلا گیا۔ پھر ہم تین سال تک اکٹھے رہے..... یہاں سے پھر مولانا نذیر احمد خیر المدارس چلے گئے اور مجھے اُن کے بڑے بھائی حاجی محمد طفیل صاحب نے جو کہ میرے سرپرست تھے قاسم العلوم ملتان بھیج دیا۔

### رفاقت کا زمانہ:

گویا ہماری رفاقت آج سے عربی مہینوں کے مطابق 57 سال اور انگریزی مہینوں کے حساب سے 55 سال پہلے شروع ہوئی۔ یہ مارچ 1949ء کا مہینہ تھا۔ پاکستان بنے ہوئے دوسرا سال تھا..... اتنے عرصے میں عربی مہینوں میں اور انگریزی مہینوں میں ڈیڑھ پونے دو سال کا فرق ہو جاتا ہے۔ اُس وقت سے ہمارے آپس میں وثیق روابط رہے..... بہترین تعلقات رہے..... پھر کسی درجہ میں رشتہ داری بھی ہو گئی..... ملنا جلنا رہا..... الحمد للہ بہت اچھا دور گزرا۔

### جامعہ امدادیہ کی بنیاد:

1403ھ میں مولانا نے دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر جامعہ امدادیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ مجھے یہ سال اچھی طرح یاد ہے کیونکہ اُسی سال سید جاوید حسین شاہ صاحب ہمارے باب العلوم کو چھوڑ کر دارالعلوم میں شیخ الحدیث بن کے آئے تھے اس لئے مجھے وہ سال اچھی طرح یاد ہے۔

ابتداءً جامعہ امدادیہ کوٹھی میں شروع ہوا تھا اور بعد میں جب یہ پلاٹ خریدا گیا

(شاید پرانے حضرات کو یاد ہوگا) تو دورہ حدیث شریف کے افتتاح کا جلسہ اسی پلاٹ پر ہوا تھا لیکن ابھی رہائش اور تدریس کا سلسلہ وہیں پر جاری تھا۔ تو اس میدان میں سب سے پہلے افتتاح بخاری کے لئے حضرت مولانا مرحوم نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے ہی دعوت دی تھی..... گویا اس میدان میں بخاری کا افتتاح سب سے پہلے میں نے کروایا..... الحمد للہ..... اور اس میدان میں بخاری کا پہلا سبق میں نے پڑھایا تھا..... اس سے آپ میرے اور اُن کے تعلق کی نوعیت دیکھ لیں..... اگلے سال چھپر کی شکل میں یہاں پر مسجد بنالی تھی لیکن پھر بھی افتتاح نہیں فرمایا۔

✽ اب مولانا ذریا احمد صاحب بھی چلے گئے۔

✽ اب مولانا ضیاء القاسمی صاحب بھی چلے گئے۔

✽ اب مولانا ظریف احمد صاحب بھی چلے گئے۔

رفقاء ایک ایک کر کے چلے گئے اور میں پیچھے لڑھکتا پھر رہا ہوں..... اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر کرے اور اُن رفقاء صالحین کی آخرت میں معیت نصیب فرمائے..... یہ چند ایک جملے حق محبت ادا کرتے ہوئے میں نے ذکر کر دیئے۔

میں جنازہ بھی میں شریک ہوا تھا..... اُس دن بھی صاحبزادگان کا بہت اصرار تھا کہ میں سنیچ پر کچھ کہہ دوں..... لیکن اُس دن میرے بس میں نہیں تھا کہ کوئی بات کرتا۔ اس لئے میں نے اُن سے دست بستہ معذرت کر لی تھی اور یہاں جلسے پر آنے کے لئے کہا تو میں نے کہا کہ آؤں گا ضرور لیکن بیان کا کوئی وعدہ نہیں ہے..... کیونکہ میری طبیعت میں بہت ہیجان ہے، اور خیالات کا بہت دباؤ ہے..... اس لئے اس ادارے سے تعلق محبت کی بنا پر میں آؤں گا ضرور.....

اللہ تعالیٰ سے خلوص دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو تاقیامت باقی رکھے..... اور اس کو آباد کرے اور جیسے اللہ تعالیٰ نے اس میں رونق عطا فرمائی ہے اس میں دن و گنی ترقی ہو..... اور یہ علمی باغیچہ اسی طرح پھلتا پھولتا رہے..... یہ تذکرہ چھیڑوں تو بہت لمبا ہو جائے گا..... اس لئے میں چاہتا ہوں کہ دو چار باتیں موقع محل کے مطابق عرض کر دوں۔

## حدیث قدسی:

یہ روایت جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ حدیث قدسی کا ایک حصہ ہے۔ اہل علم نے تو اس کا ترجمہ سمجھ لیا ہوگا اور ترجمہ نہ سمجھنے والے حضرات کے لئے ترجمہ کردوں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اللہ فرماتا ہے کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے میری طرف سے اُس کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے“ یاد رکھ لیں اچھی طرح۔

## اللہ کے اعلان جنگ کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے جنگ کے اعلان کا کیا مطلب؟ اس کو سمجھانے کے لئے تاکہ ہر کسی کی سمجھ میں بات آجائے آپ کے سامنے ایک واقعہ عرض کردوں تقریباً میرے اندازے کے مطابق یہ چالیس سال پہلے کی بات ہے..... اسی فتنے کے تذکرے میں حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا ایک بیان شائع ہوا تھا..... اُس میں مولانا ہزاروی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے سنا ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

لاہور میں ایک غزنوی خاندان ہے جس خاندان سے مولانا داؤد غزنویؒ ہیں۔ غالباً اُن کے والد تھے یا اُن کے خاندان میں کوئی اور بڑے شخص تھے عبدالجبار غزنویؒ..... یہ خاندان مسلک اہل حدیث تھا لیکن بہت معتدل تھا..... اور یہ تصوف کے بھی قائل تھے..... اور پیری مریدی بھی کرتے تھے..... حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان آیا..... جیسے بعض گستاخ قسم کے نوجوان ہوتے ہیں..... خاص اس طبقے سے تعلق رکھنے پر بہت ہی زبان کھولتے ہیں..... اُس نوجوان نے آکر مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے سامنے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تذکرہ نہایت گستاخانہ انداز میں کیا..... جس طرح آج بھی آپ اس

طبقہ کے بعض گستاخ قسم کے نوجوانوں کی باتیں سنتے رہتے ہیں..... بلکہ حضرت مولانا عاشق الہیؒ بلند شہری جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے..... انہوں نے ایک مرتبہ ایک تحریر پاکستان بھیجی تھی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ یہاں پر بعض نوجوان ابو حنیفہؒ نہیں کہتے..... ابو حنیفہ کہتے ہیں..... حنیفہ، حنف سے ہے اور اس کا معنی ہے باطل سے حق کی طرف آنے والا، سب سے ہٹ کر حق کی طرف آنے والا..... اس لئے کہتے ہیں ملت ابراہیم حنیف اور حنیف کہتے ہیں حق سے باطل کی طرف مائل ہونے والے کو من خاف من مو ص جنفاً یہ لفظ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے تو وہ ابو حنیفہ گو..... ابو حنیفہ نہیں..... ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

### اہل اللہ کی گستاخی کا انجام:

جب اُس نے گستاخی کا لب و لہجہ اختیار کیا تو مولانا عبد الجبار صاحبؒ نے ناراض ہو کر کہا میرے پاس سے اٹھ جاؤ..... دفعہ ہو جاؤ..... مجھے تم سے بے ایمانی کی بو آتی ہے..... انہوں نے اس نوجوان کو دھتکار دیا..... جیسے میں نے عرض کیا کہ یہ بڑا اعتدال والا خاندان تھا..... ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ وہ نوجوان مرزائی ہو گیا..... مرتد ہو گیا..... قادیانی ہو گیا..... حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مولانا عبد الجبار صاحبؒ سے یہ واقعہ ذکر کر کے کہا کہ حضرت! آپ نے جس سے فرمایا تھا کہ مجھے تجھ سے بے ایمانی کی بو آتی ہے وہ نوجوان تو بے ایمان ہو گیا ہے..... وہ تو مرتد ہو گیا ہے..... اس کا ایمان سلب ہو گیا ہے..... قادیانی ہو گیا ہے..... آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا تھا؟ آپ کو کس طرح احساس ہوا کہ اُس سے بے ایمانی کی بو آتی ہے؟ اس پر مولانا نے فرمایا..... وہ بد بخت امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گستاخی کر رہا تھا..... اور میں ابو حنیفہؒ کو اللہ کا بہت مقبول بندہ سمجھتا ہوں..... اللہ کا ولی سمجھتا ہوں..... اُس وقت فوراً میرے ذہن میں یہ حدیث آئی کہ اللہ فرماتا ہے..... جو میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے اُس کے ساتھ میری طرف سے اعلان جنگ ہے..... اور اعلان جنگ

کسی کی طرف سے جب کسی کے خلاف ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے دشمن کی سب سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچاتا ہے۔

### سب سے قیمتی چیز:

دنیا میں بھی جنگیں ہوتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کی قیمتی سے قیمتی چیزیں تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ اللہ کے ہاں اس دنیا میں ایمان سے زیادہ کوئی قیمتی چیز نہیں ہے..... اس لئے دفعتاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ایمان کی دولت چھین لے گا..... کیونکہ یہ اللہ کے ولی کی شان میں گستاخی کر رہا ہے..... اور جو اللہ کے ولی کی شان میں گستاخی کرے اس کے لئے اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے..... جب اعلان جنگ ہے تو دشمن کی قیمتی سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچایا جاتا ہے..... اور اللہ کے نزدیک ایمان سے قیمتی کوئی چیز نہیں..... اس لئے فوراً میرے ذہن میں آیا کہ اس نوجوان کے پاس ایمان نہیں رہے گا..... چنانچہ ایمان سلب ہو گیا..... یہ معنی ہے من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب کا..... یہ مطلب سمجھانے کے لئے میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا۔

### ایمان کی قدر و قیمت:

اب اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی بات یہ کہ اللہ کے ہاں انسان کے پاس موجود اشیاء میں سے سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ ایمان کتنا قیمتی ہے؟ اگر آپ کو اس کا تعارف کراؤں تو قرآن کریم کی ایک ہی آیت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر آخرت میں جس وقت عذاب کو دیکھیں گے اُس وقت اگر اُن کے پاس ”مسل الارض ذہباً“ پوری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو..... صرف ایک پہاڑ نہیں..... دنیا کے پہاڑوں کو آپ دیکھیں کتنے زیادہ اور کتنے بڑے ہیں؟..... لیکن اُن سے بھی زمین بھری ہوئی نہیں ہے..... زمین بھری ہوئی ہو اور زمین سے لے کر آسمان تک سونا ہی سونا



ہوا اگر وہ دے کر عذاب سے جان چھڑانا چاہیں گے تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا..... وہاں عذاب سے اگر جان چھوٹے گی تو ایمان کی برکت سے چھوٹے گی۔

اُس وقت پتہ چلے گا کہ مل الارض ذہباً سے بھی انسان کا ایمان زیادہ قیمتی ہے۔ یہ اتنی قیمتی چیز ہے..... اور ایمان کی دولت کہاں سے ملتی ہے؟ یہ اہل اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے سے ملتی ہے..... اور انہیں مدارس میں جہاں پر قرآن کریم و حدیث کی صحیح تعلیم ہوتی ہے ایمان کی دولت تقسیم ہوتی ہے..... یہاں سے اس دولت کو حاصل کیجئے..... اور پھر اُس کی حفاظت کی کوشش کیجئے..... اور اُس کی حفاظت کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ اہل اللہ کے متعلق اپنی زبانوں کو سنبھال کر رکھیے۔ کسی اللہ کے ولی کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہیں ہونی چاہیے..... اہل اللہ..... اللہ کے ولی..... اللہ کے دوست وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اس دور میں:

✽ اپنے دین کی خدمت کیلئے منتخب کر لیا۔

✽ قرآن و حدیث کی خدمت کے لئے جس کو منتخب کر لیا۔

✽ اور ایمان کی دولت تقسیم کرنے کے لئے منتخب کر لیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کا ولی ہے اور اللہ کا مقبول بندہ ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ساری خصوصیات ہیں..... اُن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ عالم آدمی کے لئے:

✽ پرندے بھی استغفار کرتے ہیں۔

✽ سمندر کی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔

✽ اپنے بلوں میں چیونٹیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔

اس لئے کبھی کبھی میں سوچا کرتا ہوں کہ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے اگر

اُس سے خطا ہو بھی جائے لیکن اگر وہ علم پھیلاتا ہے۔

✽ لوگوں کے سامنے علم کی دولت رکھتا ہے۔

✽ لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

✽ لوگوں کے سامنے دین کی باتیں کرتا ہے۔

تو ساری کائنات اُس کے لئے اللہ سے استغفار کرتی ہے کتنا خوش نصیب ہے یہ انسان اس اعتبار سے۔

اللہ اپنے کرم کے ساتھ اُن لوگوں کو نوازتا ہے جو دنیا میں ایمان کو تقسیم کرتے ہیں۔ اُن کے لئے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اُن کے ساتھ محبت رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہی بات ہے جس کو میں مزید پھیلا کر کہنا چاہتا تھا لیکن اب وقت میں گنجائش نہیں۔

### کافروں کا پروپیگنڈہ:

اور اس وقت تمام دنیا میں علماء کا عوام سے تعلق توڑنے کے لئے ساری دنیائے کفر متحد ہے اور سارا میڈیا اس پروپیگنڈہ کو پھیلاتا ہے۔

✽ علماء کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

✽ دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

تاکہ عوام کے دل دماغ میں

✽ علماء کی عظمت نہ رہے۔

✽ علماء کی عزت نہ رہے۔

کیونکہ یہ جب تک

✽ علماء سے ملتے رہیں گے۔

✽ ان مراکز علم کے ساتھ جڑے رہیں گے۔

اُس وقت تک ان کے پاس ایمان کی دولت موجود رہے گی۔

### ایمان جاننا باری سکھاتا ہے:

ایمان کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ مومن آدمی حق کے لئے مرنے اور جان دینے سے ڈرتا نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے جو ایمان کی برکت سے نصیب

ہوتی ہے کہ مومن آدمی باطل کے مقابلے میں حق کا ساتھ دیتا ہوا اور اس کفرستان میں..... اور اس کفر گھر میں..... حق کی اذان دیتا ہوا مرنے مارنے سے ڈرتا نہیں ہے..... موت اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں رہتی..... اور کفر کے لئے سب سے بڑی تکلیف وہ بات یہ ہے کہ اس ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں جانبازی آ جاتی ہے اور یہ جانبازی ان میں سے اُس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُن کا رابطہ علماء سے ختم نہ ہو..... اس لئے اس قسم کی بے دینی اختیار کرنے کے لئے یہ جس طرح کے حیلے استعمال کرتے ہیں..... ان سب سے بچاؤ ان مدارس اور علماء کے ساتھ رابطے میں ہے آخر میں ایک دلچسپ اور انتہائی فکر انگیز بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں..... کراچی کے ماہنامہ ”نوائے احتشام“ کے شمارہ جون 2004ء کے ایک صفحے کا فوٹو سٹیٹ ایک دوست نے مجھے بھیجا..... ہو سکتا ہے یہ رسالہ آپ حضرات میں سے کسی کے پاس آتا ہو..... ہمارے ہاں کھروڑ پکا میں یہ پرچہ نہیں آتا..... اس لئے میرے ذہن میں تھا کہ پوچھوں گا کہ اگر یہاں پر جامعہ امدادیہ میں آتا ہو تو مجھے وہ دکھائیں تاکہ فوٹو سٹیٹ کی بجائے میں وہ اصل پرچہ دیکھ لوں..... البتہ وہ فوٹو سٹیٹ میں نے پڑھا ہے آپ بھی دیکھ لیں تاکہ اس بات کی تصدیق ہو جائے۔

اپنے اس پرچے میں اُنہوں نے آنے والے وقت کے متعلق پیش گوئیاں ذکر کی ہیں..... بعض علاماتِ قیامت کے متعلق پیش گوئیاں کی ہیں۔

### ہندوستان کے بارے میں پیش گوئی:

اُن میں سے ایک پیش گوئی یہ بھی ہے کہ آٹھ سو سال قبل ایک بزرگ غالباً نعمت اللہ نامی شخص گزرے ہیں..... وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا..... ایک حصہ ہند ہوگا..... اور دوسرا حصہ مملکتِ اسلامیہ ہوگا..... تقسیم کے بعد جو حصہ مملکتِ اسلامیہ کہلائے گا اُس میں:

چوری۔ ❁

- ✽ ڈاکہ۔
- ✽ قتل۔
- ✽ زنا۔

اس قسم کے جرائم کی بہت کثرت ہو جائے گی اور اُس مملکت کے حکام بظاہر مسلمان کہلائیں گے لیکن حقیقت میں کفر کے ایجنٹ ہوں گے یا کافروں کے ایجنٹ ہوں گے..... یہ نوائے احتشام کی عبارت سنارہا ہوں آپ کو..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عادلانہ فیصلہ ہوگا..... اُس کے بعد بہت خوزیزی ہوگی..... ہندو مملکت اسلام پہ پر ٹوٹ پڑیں گے اور مملکت کے ایک بہت اہم شہر کو وہ برباد کر دیں گے..... اور اُس کے بعد مسلمانوں کی فوجیں پورے جوش و خروش کے ساتھ اٹھیں گی اور اتنی شدید گھمسان کی لڑائی ہوگی کہ دریا سندھ کا پانی خون کے ساتھ سرخ ہو جائے گا..... اتنی قتل و غارت ہوگی..... اور یہ واقعہ دو عیدوں کے درمیان میں ہوگا..... اب یہ اللہ بہتر جانے کہ یہی آنے والی دو عیدیں ہیں یا ابھی اس میں کتنے سالوں کا فاصلہ باقی ہے۔

بہر حال ہمارے لئے ڈرنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ مملکت اسلامیہ کے حکام بظاہر مسلمان ہوں گے لیکن حقیقت میں کفر کے ایجنٹ ہوں گے..... ہمیں اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں ہے..... اس لئے اب ڈرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے خوب اچھی طرح استغفار کرنا چاہئے..... اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے جس کو اس پیش گوئی کے اندر پیش کیا گیا ہے..... اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں تبلیغ کرو، اور ان کو برائیوں سے بچانے کی کوشش کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، یہ تو بہت پرانے بزرگوں کی پیش گوئی ہے۔

### حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی پیش گوئی:

لگے ہاتھوں آپ کو ایک اور پیش گوئی بھی سنا دیتا ہوں جس سے اپنے بزرگوں کی فراست کا پتہ چلتا ہے۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو آپ سب جانتے ہیں.....  
 حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے بعد شیخ الاسلام کا لقب انہیں کیلئے تھا..... انہوں نے  
 اپنی خودنوشت مختصر سوانح آثار ظفر کے نام سے تحریر کی ہے..... چھوٹے چھوٹے دو اجزاء  
 میں..... میرے پاس باب العلوم میں یہ دونوں جزء موجود ہیں..... اُس میں حضرت  
 فرماتے ہیں (جس دن میں نے وہ پڑھی مجھے اپنے بزرگوں کی فراست پر پہلے سے زیادہ  
 اعتماد ہو گیا اور میں ان کی فراست کا پہلے سے زیادہ قائل ہو گیا) کہ حکیم الامت مولانا  
 اشرف علی تھانویؒ نے ایک دن فرمایا (یہ حضرت کے سگے بھانجے ہیں اور حضرت بات  
 کرتے وقت اُن کو مولوی ظفر سے خطاب کرتے تھے) مولوی ظفر یہ لیگ والے وعدے  
 تو بہت کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام نافذ کریں گے..... پتہ نہیں یہ اسلام نافذ کریں  
 گے یا کمال اتاترک کی طرح دین میں تحریف کریں گے۔؟ اب سالہا سال گزر جانے  
 کے باوجود دلوں میں نفاق ہے اور اسلام لیگ والوں سے نافذ ہونا تھا اور نہ ہوا!!

### حضرت رائے پوری کی پیش گوئی:

حضرت رائے پوریؒ کے ملفوظات میں ہے کہ ان کا یہ پروگرام تو پہلے دن سے تھا  
 کہ ہم نے پاکستان کا حال.....

کمال اتاترک والا کرنا ہے۔

یہاں سے علماء کو ختم کرنا ہے۔

یہاں سے دین کو ختم کرنا ہے۔

اسے سیکولر اسٹیٹ بنانا ہے۔

اسے یورپی معیار پر لے جانا ہے۔

ہمارے علماء..... اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو منور کرے..... جنہوں نے اُن کا

ساتھ دیا..... اُن کی حیات اُن کی آنکھوں میں تھی جب تک وہ زندہ رہے اُن کی شرم کرتے  
 رہے بے دینی علی الاعلان انہوں نے لانے کی کوشش نہیں کی۔

اللہ کی طرف سے تحفظ یہ ہوا کہ پاکستان بننے کے بعد ہی انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگیں پھینچنی شروع کر دیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ دوسروں کو بھول گئے ورنہ سب سے پہلے یہ بات سکندر مرزا نے کہی تھی کہ میں علماء کے لئے کشتی تیار کر رہا ہوں ان سب کو سمندر میں غرق کروں گا لیکن اللہ نے اُسی کا بیڑا غرق کر دیا۔

### اکابر کی فراست

لیکن اللہ بھلا کرے کتنے سالوں کے بعد بالآخر وہ حاکم بھی آ گیا جس نے دل کی بات اپنی زبان سے کہہ دی..... اُس نے اپنی پہلی تقریر میں کہہ دیا کہ میرے لئے مصطفیٰ کمال اتاترک آئیڈیل شخصیت ہے..... مطلب یہ ہے کہ وہ میرے لئے نمونہ ہے..... میں نے حکومت ویسے کرنی ہے..... جیسے کمال اتاترک نے کی تھی..... جس دن یہ بات سامنے آ گئی..... حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے وہ الفاظ میرے لئے مزید بصیرت کا باعث بن گئے کہ دیکھو ہمارے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسی بصیرت دی ہوئی تھی؟ کہ ان کے دل کے اندر کھٹکنے والی بات آج واقعہ بن کر سامنے آرہی ہے۔ اس لئے اُن کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرو۔ کہ اللہ اُن کو ہدایت دے اور اگر اُن کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ پاکستان اور مسلمانوں کی اُن سے جان چھڑائے۔

ان مدارس کو آباد رکھنے کی کوشش کیجئے۔ ان کے لئے خوب خوب دعائیں کیجئے۔ اصل میں میں اپنے مرحوم بھائی کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کرنے کے لئے آپ کے سامنے آ بیٹھا تھا..... الٹی سیدھی دو چار باتیں کر دی ہیں..... اگر زبان سے کوئی اچھی بات نکلی ہے تو اللہ قبول فرمائے..... اور اگر کمی بیشی ہے تو اللہ معاف فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



# فصلیہ ذکر

بہ موقع (X) محفل ذکر

بہ مقام (X) خانقاہ حضرت پیر  
یا عمر الدین خان خاوانی

وقت (X) بعد عشاء

تاریخ (X) ۲۶ محرم المظفر ۱۴۲۷  
۲۵ فروری ۲۰۰۶ء بروز جمعہ

## فضیلت ذکر

لَسِبْنَا لِلَّهِ عِبَادًا يَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
يُغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا وَيَهْدِي لَنَا سَبِيلًا وَمَنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَلَا  
يَضِلُّ عَنْهُ وَبَارِكْ لَهُ فِي عِزِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
مُشْرِكًا لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

### اما بعد!

عن أبي اسامة قال إن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم

ما إلا يمان ؟ قال إذا سرتك حسنتك

وساء لك سيئتك فأنت مؤمن..

قال ما إلا ثم ؟ قال إذا خاك في صدرك شئ فذعه

اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد وآله وأصحابه

وبارك وسلم كما تحب وترضى عدد ما تحب وترضى

استغفر الله ربى من كل ذنب وأتوب إليه..





## حضرت لاہوریؒ کا معمول:

ہمارے اکابرین میں سے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے متعلقین کو لاہور میں ہر چاند کی پہلی جمعرات کو جمع کیا کرتے تھے..... وقت متعین تھا اس لئے کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی..... مجلس ذکر سے پہلے حضرت کا عام معمول تھا کہ اُس مجلس میں ایک حدیث اکثر و بیشتر بیان کیا کرتے تھے اور اُس کے بعد وعظ فرماتے تھے..... چونکہ وہ مجلس ذکر خدام الدین میں چھپا کرتی تھی اور میں اُس کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا تھا یہ آج سے تقریباً 45 سال پہلے کی بات ہے۔

چنانچہ حدیث پاک کے حوالے سے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں خاص ڈیوٹیاں متعین کی ہوئی ہیں مثلاً کاتب اعمال، اور اُس کے علاوہ دوسرے بھی جن کی مختلف ڈیوٹیاں متعین ہیں..... لیکن کچھ فرشتوں کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ اہل ذکر کی مجلس کو تلاش کریں جہاں پر ذاکرین اکٹھے ہوں..... لہذا وہ زمین کا چکر لگاتے ہیں اور جہاں اللہ کا ذکر کرنے والے کچھ لوگ جمع ہوں وہاں پر اکٹھے ہوتے ہیں..... بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ دوسرے فرشتوں کو بھی آواز دیتے ہیں کہ..... آ جاؤ، آ جاؤ..... تمہارا مطلوب یہاں ہے..... اور اتنے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک فضا بھر جاتی ہے..... مجلس برخاست ہوتی ہے تو وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتے ہیں جیسے کہ اللہ نے اپنی حکمت کے تحت ایک نظم قائم کر رکھا ہے۔

## فرشتوں سے سوال:

تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں میرے بندوں کو تم نے کس حال میں پایا..... فرشتے کہتے

ہیں یا اللہ وہ:

تیری تسبیح پڑھ رہے تھے۔

✽ تیرا ذکر کر رہے تھے۔

✽ تجھے یاد کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود اُن فرشتوں سے کہتے ہیں مجھے وہ یاد کر رہے تھے، کیا اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ آپ کو دیکھا تو نہیں..... فرمایا کہ جب اُن کا بن دیکھے یہ حال ہے کہ مجھے یاد کرتے ہیں اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟

اگلا سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ مانگتے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں جی ہاں جنت مانگتے تھے..... اللہ فرماتے ہیں کہ کیا اُنہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں..... اللہ فرماتے ہیں کہ بن دیکھے اُن کو جنت کا اس قدر شوق ہے اگر وہ اُسے دیکھ لیتے تو اُن کے شوق کا کیا حال ہوتا؟ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا وہ کسی چیز سے پناہ بھی مانگتے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جی ہاں جہنم سے پناہ مانگتے تھے؟ اللہ فرماتے ہیں کہ کیا اُنہوں نے جہنم دیکھی ہے جس سے ڈر کے وہ پناہ مانگتے تھے وہ کہتے ہیں کہ نہیں..... فرمایا کہ اُن کو بن دیکھے اس قدر خوف اور ڈر ہے اگر وہ جہنم کو دیکھ لیتے تو اُن کا کیا حال ہوتا؟

### اہل ذکر کے لئے بشارت:

یہ باتیں کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب گواہ ہو جاؤ..... اُس مجلس کے اندر جتنے افراد بیٹھے تھے میں نے اُن سب کو بخش دیا..... جس وقت اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ جو اُس مجلس میں شریک تھے میں نے سب کو بخش دیا..... اُس وقت ایک فرشتہ بولتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ فلاں آدمی اُس مجلس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آیا تھا..... وہ تو اپنے کام سے آیا تھا اتفاقاً بیٹھ گیا یا کسی کے متعلق کہا کہ وہ تو بہت گناہ گار ہے اُس نے بہت بڑے بڑے جرم کئے ہوئے ہیں اُس کو بھی بخش دیا اب نے؟ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں اُس کو بھی بخش دیا۔

ہو لاء قوم لایشقیٰ جلیسہم  
کہ یہ لوگ ہی ایسے ہیں جو اُن کے پاس بیٹھ گیا وہ وہ بد نصیب نہیں ہوتا (سبحان اللہ)

### روایت کا مقصد:

اس روایت کو اس وقت پیش کرنے کا مقصد آپ کو اور اپنے آپ کو یہ بشارت سنانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجلس کی برکت سے جو بالیقین ذاکرین کی مجلس ہے..... اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے صدقے ہم سب کی مغفرت کر دے۔ (آمین)

### اللہ سے ہم نشینی کا ذریعہ:

ایک روایت میں آتا ہے اللہ فرماتے ہیں انا جلیس من ذکرنی  
جو مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوں، میں اُس کے ساتھ ہوں۔

مولانا رومیؒ نے ان الفاظ کو اپنے اس ترجمے کے ساتھ ذکر کیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا  
ہم نشینی در حضور اولیاء

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ اولیاء اللہ کی مجلس میں بیٹھا کرے  
مطلب یہ ہے کہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کی ہم نشینی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس اجتماع میں جو کہ ذاکرین کا ہے اور ہم سب ذکر کے عنوان سے ہی اکٹھے  
ہیں ایک دفعہ پہلے حاضر ہونے کا موقع ملا۔ اور دوسری دفعہ آج حاضر ہوا ہوں.....  
یہاں پر اس مجمع کو دیکھ کر اور ذوق اور پیار کو دیکھ کر شیخ سعدیؒ کی بات یاد آتی  
ہے..... آپ فرماتے ہیں۔

کس نہ بیند تشنگان حجاز  
کہ بربل شور گرد آئند  
ہر کجا بود چشمہ شیریں  
مردم و مرغ و مور گرد آئند

حجاز کے علاقے میں پانی کی پہلے بہت قلت تھی اب تو ماشاء اللہ پانی کی نہریں بہتی ہیں..... اُس وقت پانی کی بہت قلت تھی..... شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ حجاز کے پیاسے کسی نے نہیں دیکھے کہ کڑوے پانی کے ارد گرد جمع ہو جائیں..... ہر کجا چشمہ بود شیریں..... اور جہاں پر میٹھا چشمہ ہوتا ہے تو..... مرغ و مور گرد آیند..... وہاں پر پرندے سانپ اور کیڑے مکوڑے سب جمع ہو جاتے ہیں..... انسانوں نے تو آنا ہی ہے ہر مخلوق اُدھر کو بھاگتی ہے۔ جہاں چشمہ شیریں ہوتا ہے..... اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کا سایہ تادیر سلامت رکھے..... یہ چشمہ شیریں ہونے کی کتنی بہترین دلیل ہے کہ مختلف حصوں سے..... دور دراز سے کس طرح لوگ جمع ہوئے ہیں..... سچی بات یہ ہے کہ اس نسبت میں یہ کشش ہے..... اور اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہمیں چشمہ شیریں ملا ہوا ہے..... اللہ کریم ان کی عمر دراز فرمائے..... اور مخلوق کے لئے ان کی ذات کو مزید ہدایت کا ذریعہ بنائے..... جنگل میں منگل تو آپ سنتے رہتے ہیں..... الحمد للہ یہاں آنے کے بعد یہ منظر بالکل آنکھوں کے سامنے ہے..... اس مجمع کو دیکھ کر جو ایک سرور کی کیفیت تھی اُس کا میں نے اظہار کیا ہے..... اور جو روایت میں نے پڑھی ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان میں موجود ہے۔

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ایمان کی نشانی کیا ہے؟ بہت اہم سوال ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں اور اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت دے رکھی ہے۔

### ایمان کیا ہے:

ایمان ایک دل میں چھپی ہوئی چیز ہے..... ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ وہ تو آپ سب جانتے ہیں..... کیونکہ ایمان مفصل اور ایمان مجمل آپ پڑھتے ہیں..... کچھ عقیدوں کا نام ہے..... جو دل کی تہہ میں بیٹھے ہوئے ہیں..... جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے تو انہوں نے بھی عرض کیا تھا اخبـرنـی عن

الایمان؟..... مجھے بتائیے ایمان کیا چیز ہے؟ وہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا کہ:

✽ ایمان ہے اللہ کو ماننا۔

✽ اللہ کے رسولوں کو ماننا۔

✽ اللہ کی کتابوں کو ماننا۔

✽ اللہ کے فرشتوں کو ماننا۔

✽ اللہ کی تقدیر کو ماننا۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبرائیل میں تفصیل بیان فرمائی جیسے کہ آپ حضرات میں علماء طلباء کی کثرت نظر آ رہی ہے اور حدیث جبرائیل آپ کے سامنے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا جواب عقائد کی تفصیل کے ساتھ دیا تھا کہ یہ عقیدے اختیار کر لئے جائیں تو یہ سمجھ لو کہ دل میں ایمان آ گیا۔

### ایمان کی نشانی:

لیکن جب ایمان ایک مخفی حقیقت ہے اور آنکھوں سے نظر نہیں آتا تو سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ اس کی نشانی اور اس کی علامت کیا ہے؟ کہ جس سے ہم سمجھ جائیں کہ یہ شخص مومن ہے..... یہ ایمان کو پہچاننے کے لئے بہت اہم سوال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب نیکی کر کے تیرا دل خوش ہو اور اگر کوئی برا کام ہو جائے تو تجھ پر غم طاری ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تو مومن ہے..... (سبحان اللہ) اس بات کو دو چار لفظوں میں سمجھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں:

✽ دیکھنے کے لئے آنکھیں دی ہیں۔

✽ سننے کے لئے کان دیئے ہیں۔

✽ آنکھیں دیکھنے کے لئے دی ہیں

✽ ہاتھ چھونے پکڑنے کے لئے دیئے۔

✽ زبان بولنے کے لئے دی ہے۔

قوت لامسہ ہے، قوت سماعت ہے، قوت بصارت ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حواس رکھے ہیں ان میں سے ایک حاسہ ذوق بھی ہے اُس کا تعلق زبان کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ہم کسی چیز کا مزہ چکھتے ہیں۔ مزہ زبان سے محسوس ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان صحت مند ہو اور اُس کی زبان کا ذائقہ ٹھیک ہو تو کڑوی چیز کو کڑوی محسوس کرے گا۔ میٹھی چیز کو میٹھی محسوس کرے گا۔ مٹھائی کھائے گا تو اُس کو میٹھی لگے گی۔ مرچ وغیرہ کھائے گا تو کڑوی لگے گی۔ یہ انسان کے ذائقہ کے درست ہونے کی علامت ہے۔ لیکن ابھی بھی صفراوی بخار کی حالت میں انسان کے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے تو آپ جانتے ہیں اگر اُس وقت انسان جلیبی اور گڑ بھی کھائے تو کڑوا لگتا ہے۔ کیونکہ اُس کا ذائقہ بگڑ گیا اور ایسے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو سانپ کاٹ جائے اور سانپ کا زہر بدن میں چڑھ جائے تو اس کو اک اور نیم جیسی کڑوی چیزیں بھی اُس کو میٹھی لگتی ہیں۔ کڑوی نہیں لگتیں۔ یہ بھی ذائقہ کے خراب ہونے کی علامت ہے۔ اُس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ انسان کی ذائقے والی حس خراب ہو گئی ہے پھر آپ علاج کرواتے ہیں منہ کا ذائقہ ٹھیک کروانے کے لئے اور طبیب و ڈاکٹر کی دوائی لینے کے ساتھ آپ کی حس ٹھیک ہو جائے گی جس طرح اللہ تعالیٰ نے زبان میں یہ حس رکھی ہے جس سے کڑوے اور میٹھے کا فرق محسوس ہوتا ہے۔

### باطنی حس کی خرابی:

اسی طرح ایک باطنی حس بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلب کے اندر ایک باطنی حس بھی رکھی ہے۔ وہ ٹھیک بھی ہوتی ہے بگڑتی بھی ہے۔ اگر قلب صحیح ہو اور اُس کی حس بھی درست ہو تو نیکی کا صادر ہونا ایسے ہے جیسے آپ نے مٹھائی کھالی اور اُس کے کھانے کے بعد طبیعت میں سرور آ گیا۔ اللہ کی طرف سے اگر نیکی کی توفیق ہو جائے تو انسان کو ایسے ہی سرور آتا ہے۔ اور اگر یہ حس خراب ہو جائے۔

✽ نافر کے ذریعے سے۔

✽ شرک کے ذریعے سے۔

✽ گناہ کے ذریعے سے۔

تو پھر گناہ میں لذت آتی ہے اور نیکی کرتے ہوئے اُس کی طبیعت پر انقباض طاری ہوتا ہے۔ اور ایسے ہے کہ جیسے اُس کی طبیعت مضطرب ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ سادہ لفظوں میں سمجھیں۔۔۔ آپ کے سامنے ایسے لوگ ہوں گے جن کو مسجد میں پانچ منٹ بھی بیٹھنا پڑ جائے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ٹی وی پر بٹھادیں تو ساری رات بیٹھے ڈرامہ دیکھتے رہیں گے۔ گویائی وی میں جو خرافات ہوتی ہیں وہ اُن کی طبیعت کے ساتھ اس ہیں۔ وہاں گھنٹوں بھی بیٹھنا پڑ جائے تو انقباض محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر مسجد میں بیٹھنا پڑ جائے تو پانچ منٹ بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اُن کے دل کی حس خراب ہو گئی ہے۔ اُن کے لئے برائی مرغوب فیہ ہو گئی اور نیکی اُن کے لئے تنفر کا باعث بن گئی۔ اُن کے لئے:

✽ قرآن کریم کی تلاوت مشکل ہے۔

✽ بزرگوں کے حالات کی کتابیں دیکھنی مشکل ہیں۔

✽ وعظ و نصیحت کی کتاب پڑھنی مشکل ہے۔

اور اگر کوئی ناول ہاتھ میں آ جائے تو ہوش ہی نہیں ہوتا کہ کہاں ہیں کہاں نہیں ہیں۔ گھنٹوں گھنٹوں بیٹھ کر پڑھتے رہیں گے اور طبیعت ذرا بھی نہیں اُکتاتی۔ اور قرآن کریم پڑھنے کو طبیعت مانتی ہی نہیں۔ بس یوں سمجھیں کہ اُنکی باطنی حس خراب ہو گئی ہے۔ جب نیکی اور بدی کی تمیز نہیں رہتی تو اس وقت دل کی حس خراب ہو جاتی ہے۔

### باطنی حس کا علاج:

ولا ناروی رحمۃ اللہ علیہ یہی مثال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

کہ صحت ایں حس بجوید از طبیب

و صحت آں حس بجوید از حبیب

کہ ظاہری حس خراب ہو جائے تو طبیب تلاش کرو کہ وہ تمہاری حس ٹھیک کر دے لیکن اگر باطنی حس خراب ہو جائے تو پھر دو طبیبوں سے نہیں، جیبوں سے لیا کرو۔ اس لئے اُن سے تعلق ہو جانا، اور اُن کی مجلس میں شریک ہونا ایمان کے محفوظ ہونے کا سب سے اچھا ذریعہ ہے۔ اور اُس کے ذریعہ سے ایمان والی حس بیدار ہوتی ہے۔ دل روشن ہوتا ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ اور اللہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ زیادہ اہمیت ہے صحبت صالح کی۔ اچھی صحبت، اچھا تعلق اور اچھی مجلس اختیار کی جائے تو اُس کے ذریعہ سے انسان کی باطنی حس بیدار ہوتی ہے اور اُس کو نیکی اور برائی کی تمیز ہوتی ہے۔

ظاہری اور باطنی حس کا فرق اس طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کے ساتھ تعلق دیا اور اُن کی مجلس نصیب فرمائی اور اُن مجلسوں کے بغیر، صالحین کی صحبت اختیار کئے بغیر، دین کا رنگ نہیں چڑھتا اس پر بھی حضرت لاہوریؒ کی ایک بات سناتا ہوں۔

### علماء و صوفیاء کی مثال:

حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے جو میں نے خود اُن کی زبان سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک ہوتا ہے رنگ ساز جیسے فیکٹری یا کارخانہ جو رنگ بناتے ہیں۔ اور ایک رنگ فروش ہوتا ہے جو بازار میں دکان پر بیٹھ کر رنگ فروخت کرتا ہے۔ آپ وہاں پر جائیں آپ کو جو رنگ چاہیے مل جائے گا۔ اور ایک ہوتا ہے رنگ ریز جو کپڑے پر رنگ چڑھاتا ہے۔ آپ یہ تین طبقے بیان فرمایا کرتے تھے۔

دین اللہ نے بنایا، صبغة الله ومن احسن من الله صبغة، اس آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ رنگ ساز ہے اُس نے رنگ بنادیا علماء رنگ فروش ہیں۔ اُن سے مسئلہ پوچھو جو چاہو یہ آپکو مسئلہ بتا دیں گے۔ حضرت کا معمول یہ تھا کہ رمضان شریف سے لے کر عید الاضحیٰ تک ترجمہ پڑھایا کرتے تھے اور ترجمہ پڑھنے کے لئے فارغ التحصیل علماء داخل فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میرے پاس ایسے ایسے



فارغ التحصیل علماء آتے ہیں کہ اُن کو نماز تک کی عادت نہیں ہوتی۔

اگر اُن سے کہو کہ فضائل تہجد پر تقریر کرو تو کم از کم دو گھنٹے لگا دیں گے لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا اس وقت سوئے ہوئے ہوں گے۔ اُن سے تقریر سن لو بڑی زوردار تقریر ہوگی۔ فرماتے تھے کہ جب یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر جاتے ہیں تو تہجد کے بھی پابند ہوتے ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ علماء رنگ فروش ہیں یہ آپ کو مسئلہ تو بتا سکتے ہیں۔ اور صوفیا رنگ ریز ہوتے ہیں۔ رنگ چڑھانا صوفیاء کا کام ہے۔ اُن کے پاس بیٹھنے سے انسان کے اوپر دین کا رنگ چڑھتا ہے۔ دین وہی جو قرآن و حدیث میں ہے اس میں کوئی شک نہیں اور علماء قرآن بھی بیان کریں گے حدیث بھی بیان کریں گے لیکن اُس کو دل دماغ کے اندر رچا بسا دینا یہ اہل اللہ کا کام ہے۔

### حضور ﷺ کی چار شانیں:

اور یہی وہ شان ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کو قرآن کریم نے ذکر کیا ہے..... تلاوت کتاب..... تعلیم کتاب..... تعلیم حکمت..... اور تزکیہ نفس..... یہ حضور ﷺ کے منصب ذکر کئے گئے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ ساری باتیں جمع تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری باتیں بیان فرمائیں۔

لیکن جیسے جیسے اُمت کا پھیلاؤ ہوا مشغولیت بڑھی۔ ہر فن نے ترقی کی تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چار شانیں بھی تقسیم ہو گئیں۔ تلاوت کتاب یہ حافظوں اور قاریوں کے حصے میں آگئی..... تعلیم کتاب و حکمت مدارس کے حصے میں آگئی..... اور تزکیہ نفس کے کام کے لئے یہ خانقاہیں بن گئیں گویا خانقاہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تزکیہ نفس والی شان کے مرکز ہیں۔ یہاں پر آ کر عملی زندگی اختیار کی جاتی ہے۔

یہاں بیٹھو گے نماز کی پابندی ہوگی۔ ❀

یہاں پر بیٹھو گے تہجد کا شوق ہوگا۔ ❀

## اللہ سے محبت کا ذریعہ

اہل اللہ کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنی حرارت عشق رکھی ہوئی ہے وہ اُن کے پاس بیٹھنے والوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اللہ کا عشق اور اللہ کی محبت دلوں کے اندر جاگزیں ہوتی ہے۔ اور جب دل میں جاگزیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں اختیار کرو گے۔ اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے نفرت کرو گے۔ اور یہ دولت اولیاء اللہ کے قرب سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں اور آپ سب کو اہل اللہ کی مجلس میں آنے کی توفیق دی۔

ایک آخری بات آج کل کے ماحول سے عرض کروں..... عیسائیوں اور یہودیوں کی بد تمیزی کی بناء پر جس طرح ساری دنیا میں اودھم مچا ہوا ہے۔ جیسے نماز سے پہلے ایک مولانا صاحب آپ کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے یہ بہت ذل آزار واقعہ پیش آیا..... اور پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بیٹھا تھا کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ اس گستاخی کی بنا پر غصے میں ہے ناراضگی میں ہے..... جلے و جلوسوں اور تحریر و بیانات کے ذریعہ سے اس پر لعنت بھیج رہے ہیں اور نفرت کا اظہار کر رہے ہیں..... یہ قصہ پوری دنیا میں جاری ہے۔

## عیسائی اور یہودی اسلام کے دشمن ہیں:

یہ عیسائی اور یہودی پہلے دن سے ہی اسلام کے مقابلے میں ہیں۔

لن ترضی عنک الیہود ولا النصارى حتی تتبع ملتہم .

اللہ فرماتا ہے کہ یہ عیسائی اور یہودی کبھی بھی آپ پر خوش نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کا دین اور مذہب اختیار نہ کرو گے..... لیکن جس کو ایک دفعہ اسلام نصیب ہو جائے وہ آپ جانتے ہیں کہ سخت سے سخت آفتیں برداشت کر لیتا ہے..... اس دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

یہ ناشکرے لوگ ہیں اور اللہ کی طرف سے اس ناشکری پر ان شاء اللہ العزیز ان کو سزا ملے گی..... ناشکرے کس طرح؟ یہودی کائنات کی خبیث ترین مخلوق ہے۔

ضربت علیہم الذلة والمسکنة و باء و ابغضب من اللہ  
یہ دلیل ہے کہ مسکنت آمیز دھوپ دی گئی اور اللہ کا غضب اُن کے ساتھ چمٹا ہوا ہے..... اب اُنہوں نے عیسائیوں کو بھی دھوکہ دے کر اپنے ساتھ شامل کیا ہوا ہے۔

### عیسائیوں پر افسوس:

افسوس تو عیسائیوں پر ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کا کلمہ پڑھا ہے جبکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہیں..... حضرت مریم علیہا السلام ہمارے لئے ویسے ہی باعزت ہیں..... جس طرح اُمہات المؤمنین ہیں..... اسی لئے ہم جب بھی اُن کا نام لیتے ہیں ہمیشہ ادب کے ساتھ نام لیتے ہیں..... یہودیوں نے اُن کو بدکردار قرار دیا اور اُن پر تہمت لگائی..... وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریف انسان ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور نعوذ باللہ کہتے تھے کہ حضرت مریم نے غلطی کی اور یہ غلطی کا نتیجہ ہے..... اسی وجہ سے وہ اُن کے دشمن تھے اور اُن کو پھانسی دینے اور صلیب پر چڑھانے کی اُنہوں نے کوشش کی بلکہ مدعی ہوئے کہ ہم نے اُن کو پھانسی دے دی اور اُن کو قتل کر دیا..... اور فخریہ طور پر اپنے آپ کو قاتل عیسیٰ قرار دیتے تھے..... قرآن کریم جب آیا تو اُس نے حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کا دامن صاف کیا..... عیسائیوں پر سب سے بڑا احسان سرور کائنات ﷺ کا ہے..... اگر قرآن کریم نہ آتا اور سرور کائنات ﷺ تشریف نہ لاتے تو یہ حضرت مریم علیہا السلام کو شریف عورت ثابت نہ کر سکتے..... یہ عیسیٰ علیہ السلام کو شریف انسان ثابت نہ کر سکتے..... قرآن کریم اور سرور کائنات ﷺ نے آکر اُس ساری بات کی صفائی دی اُنہیں تو رسول اللہ ﷺ کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا اور اُس شکرگزاری کی وجہ سے اُن کی عداوت یہود کے ساتھ ہونی چاہئے تھی..... لیکن اُن کی بدکرداریوں کی وجہ سے اُن پر ایک لعنت مسلط ہوئی ہے کہ اُن کو بھی اچھے برے کی تمیز نہیں رہی۔

## قرآن کریم میں حضرت مریم کی صفائی:

میں ایک دفعہ میں ملتان میں اپنے باب العلوم کے مہتمم جناب الحاج غلام محمد عباسی صاحب کی کوٹھی پر بیٹھا ہوا تھا دو چار آدمی اور بھی تھے..... اُن میں سے جیسے پڑھے لکھے جاہل ہوتے ہیں..... ایک کہنے لگا..... قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کے تو فضائل بیان کئے ہیں..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا تذکرہ تک نہیں کیا..... جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم علیہا السلام کی شخصیت بہت بلند ہے..... قرآن کریم نے اُن کا کتنے اچھے الفاظ میں ذکر کیا..... میں نے کہا بھائی قرآن کریم نے حضرت مریم علیہا السلام کی صفائی دی ہے..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ پر نہ کسی نے تہمت لگائی نہ صفائی دینے کی ضرورت پیش آئی..... حضرت مریم علیہا السلام پر لوگوں نے تہمت لگائی تو صفائی دینے کی ضرورت پیش آگئی..... ورنہ کون سا اور نبی ہے جس کی والدہ کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے۔؟

## عیسائیوں پر اسلام کا احسان:

اس لئے ان عیسائیوں پر اسلام کا بہت بڑا احسان ہے لیکن یہ بدتمیزان باتوں کو نہیں سمجھتے..... یہ دونوں عیسائی اور یہودی جیسے اکٹھے ہو کر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں..... ان شاء اللہ العزیز ان کی تباہی اسی طرح آئے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں فارس اور روم یہ دو بڑی بڑی سلطنتیں تھیں..... ہر طرح کے اسلحہ سے لیس..... مال و دولت ڈھیروں..... اور یہ عرب کے مساکین جو رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد جمع ہوئے تھے..... اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کے ذریعہ سے دونوں سلطنتوں کا بیڑہ غرق کیا..... فارس بھی ختم ہوا..... اور روم بھی ختم ہوا۔

قیصر بھی گیا..... کسریٰ بھی گیا..... اور اب اس دور میں یہ یہودی اور عیسائی جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور ہم ساری دنیا کے اوپر قابض ہیں لیکن عنقریب

یہ بھی روس کی طرح رسوائی اور تباہی کا شکار ہوں گے..... ان شاء اللہ۔  
 آپ کو معلوم ہے۔ روس کی ٹانگیں اللہ نے افغانستان کے مساکین سے تڑوا دیں  
 اور اُس کی ٹانگیں توڑتے توڑتے سولہ سال لگ گئے..... یہ وہی روس تھا جس کے متعلق  
 مشہور تھا کہ اُس کے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ پوری دنیا کو تیس مرتبہ تباہ کر سکتا ہے لیکن نہتے  
 افغانی مساکین کے ہاتھوں نہ صرف خود تباہ ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی اور  
 اس قدر رسوا ہوا کہ عبرت کا سامان بن گیا۔

اب اُس کے بعد دوسرا نمبر امریکہ اور اُس کے یاروں کا ہے..... اُن کا دعویٰ ہے  
 کہ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم جس کو چاہیں جس وقت چاہیں بھسم کر کے رکھ  
 دیں۔ اُن کا تکبر بھی اللہ تعالیٰ نے اُن مساکین کے ذریعہ سے توڑا ہے۔ جیسے اُس وقت  
 قیصر وکسریٰ کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو  
 پوری دنیا پر اُجاگر کیا تھا۔ ان شاء اللہ روس کے بعد اب اُن کا نمبر ہے۔ اب اُن کی  
 طاقت پاش پاش ہوگی۔

آخر وہ وقت آجائے گا جیسے حدیث میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

”دین واحد ہوگا، اسلام سب پر غالب آجائے گا نہ یہودیت رہے گی نہ نصرانیت“

عیسائیوں یہودیوں سے نفرت کا سب سے اچھا طریقہ:

ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن سے نفرت کا اظہار کریں..... نفرت کے اظہار کا صرف یہ  
 معنی نہیں ہے کہ سکرے پر کھڑے ہو کر آپ ان کے خلاف نعرے لگائیں اور اُن کو گالیاں  
 دیں..... نفرت کے اظہار کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اُن کی تہذیب کی مخالفت  
 کر کے اسلامی تہذیب کو اپنائیں..... کیونکہ یہ سب کھیل عیسائیت کو غالب کرنے کے  
 لئے ہی کھیلے جا رہے ہیں..... اس لئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر اسلامی تہذیب کو  
 اُجاگر کریں۔

کس قدر فسوس ہے کہ اسلامی ملک میں چار چار سال کے بچوں کے گلوں میں بھی ٹائیاں

لنگی ہوئی ہیں..... وہ سمجھتے ہیں کہ ساری مسلمان نسل ہماری ماتحت ہے.....

✽ ہماری برتری کے قائل ہیں۔

✽ ہمارے لباس کو اچھا سمجھتے ہیں۔

✽ ہماری بود و باش کو اچھا سمجھتے ہیں۔

اس لئے اُنہوں نے سمجھا کہ جس طرح ہم نے ان کی تہذیب چھین لی ہے ان کا نبی بھی ان سے چھین لیں۔ لیکن اُنہوں نے دیکھ لیا کہ نبی کے ساتھ گستاخی کرنے سے اُمت مسلمہ کس طرح اُٹھ کھڑی ہوئی ہے..... اب یہ موقع ہے کہ اُمت مسلمہ کا رخ اس بات کی طرف پھیرا جائے کہ نصرانی تہذیب کو ختم کریں..... اُن کے ایک ایک نشان کو ختم کریں اور اسلامی تہذیب کو اجاگر کریں..... اصل کے اعتبار سے اُن خبیثوں سے نفرت کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہے..... اور اگر ہم نے تہذیب تو اُن کی اپنائی ہوئی ہو اور زبان سے اُن کی مذمت کریں..... یہ بات درست نہیں ہے۔ لہذا:

✽ اپنے اپنے علاقے میں۔

✽ اپنے اپنے گھر میں۔

✽ اپنے اپنے ماتحتوں میں۔

نصرانی تہذیب کی مخالفت کریں اور اسلامی تہذیب کو اپنانے کی کوشش کریں۔  
اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور ہمیں اپنی زندگی میں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا..... اغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون..... ہم نے تمہارے دیکھتے دیکھتے اُن فرعونوں کا بیڑا غرق کر دیا۔ ان شاء اللہ ایک دن ہم بھی کہیں گے اور اللہ ہمیں بھی یہ بشارت دے گا کہ:  
اغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون..... اللہ یہ وقت جلدی لائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



# فلسفہ حج

بہ موقع ۸ حج مبارک

بہ مقام ۸ منیٰ (سعودی عرب)

وقت ۸ صبح

تاریخ ۸ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ ۸ جنوری ۲۰۰۶ء

## فلسفة حج

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

### أما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي  
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ  
أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ.

صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم.

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَذَّةً مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ.





### تمہید

یہ ایام ایام حج ہیں اور ہم سب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر..... کاروبار مال و اسباب کو چھوڑ کر..... تمام تعلقات توڑ کر..... اس عمل کے ادا کرنے کے لئے آئے بیٹھے ہیں۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے کہ حج کی ابتداء کیسے ہوئی؟ کعبہ اللہ کی بناء کس طرح ہوئی؟ مکہ آباد کس طرح ہوا؟ یہ تاریخی واقعات اکثر و بیشتر آپ حضرات سنتے بھی رہتے ہیں اور عام اردو کی کتابوں میں پڑھتے بھی رہتے ہیں..... اس لئے ان واقعات کو تاریخی انداز میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ:

✽ بار بار آپ نے سنے ہوئے ہیں۔

✽ بار بار آپ نے پڑھے ہوئے ہیں۔

استحصار کے لئے اگرچہ اُن کا تکرار مفید ہوتا ہے کہ ذہن حج کی تاریخ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ ہمارے گروہ میں زیادہ طبقہ تعلیم یافتہ ہے اور پڑھے لکھے لوگ ہیں اس لئے اُن واقعات کو دہرانے کا کوئی زیادہ فائدہ محسوس نہیں ہو رہا۔ واقعات سے قطع نظر ہر عمل کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔

### عمل کے درجات

✽ ایک درجہ اُس کے فضائل بیان کرنے کا ہے۔

✽ دوسرا درجہ اُس کے مسائل کے تذکرے کا ہے۔

✽ تیسرا درجہ اُس کی حقیقت کو بیان کرنے کا ہے۔

فضائل غیب کے لئے ہوتے ہیں تاکہ اُس عمل کا شوق پیدا ہو..... حج کے فضائل اتنے ہیں کہ اگر اُن کو بیان کرنا شروع کر دیا جائے تو وقت میں گنجائش نہیں..... اتنا یقین رکھیں کہ اگر یہ عمل اللہ کے ہاں قبول ہو گیا تو سرور کائنات کے فرمان کے

مطابق سب سے بڑی اُس کی فضیلت یہ ہے کہ حاجی ایسے حال میں پاک و صاف ہو کر گھر کی طرف لوٹتا ہے جیسے کہ آج ماں نے اُن کو جتنا ہو..... اس سے زائد آپ کو اُس کی کیا فضیلت چاہیے جس دن ماں نے آپ کو جتنا تھا آپ کے ذمے کوئی گناہ نہیں تھا، آپ معصوم تھے، پاک تھے، صاف سترے تھے..... اس لئے اس عمل کی قبولیت کے بعد اس کی سب سے بڑی ایک ہی فضیلت آپ یاد رکھیں کہ ہم ایسے گھر لوٹ کر جائیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیوم ولدته امہ..... جس دن اُس کی ماں نے اُس کو جتنا تھا..... اس طرح حاجی اپنے گھر کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ سب سے بڑی بات ہے کہ اللہ قبول فرمائے۔

## حج مقبول کی علامت

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ  
کہ جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو متعین کرے اُسے چاہیے کہ وہ:

لا رَفَثَ.....

رَفَث نہ کرے..... وہ کوئی کام نہ کرے جس کا اشارہ خاوند بیوی کے تعلقات کی طرف نکلتا ہو..... اس کو رَفَث کہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بے حجابی کی گفتگو سے بچے جس میں زوجین کے اختلاط کی طرف کچھ اشارہ ہوتا ہو۔

لا فُسُوقَ.....

فُسُوق و فجور والا کوئی کام نہ کرے اور فسق و فجور والے کام کون کون سے ہیں؟ یہ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ ہر وہ عمل جو شریعت کے خلاف ہے وہ فسق کی حدود میں آ جاتا ہے..... فسق اصل میں نافرمانی کو کہتے ہیں جو کام خلاف شریعت ہو وہ فسق کے زمرہ میں آتا ہے۔

لا جِدَالَ.....

لڑائی جھگڑانہ ہو..... جدال کا معنی ہے آپس میں لڑنا بھڑنا، جھگڑا کرنا۔ حج میں یہ کام نہیں ہونے چاہئیں۔

لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب چیزوں میں سے زیادہ..... جدال..... اہمیت واضح کی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا  
ما الحج المبرور؟.....

حج مبرور کیا ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مالا جدال فیہ.....

حج مبرور وہ ہے کہ جس میں کبھی لڑنے جھگڑنے کی نوبت نہ آئے..... آپ جانتے ہیں یہ سفر کا معاملہ ہوتا ہے۔ یہاں ہر آدمی جذباتی ہو جاتا ہے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا شروع کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا ہر قسم کا جھگڑا..... چاہے وہ:

✽ اپنے رفقاء کے ساتھ ہو۔

✽ اپنے منتظمین کے ساتھ ہو۔

✽ اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ ہو۔

حج مبرور کے خلاف ہے..... صلح صفائی کے ساتھ، محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خیر خواہی کرتے ہوئے اس عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے..... کسی معاملہ میں بھی لڑائی جھگڑے والی کوئی بات نہ ہو..... حج مبرور کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی علامت بیان فرمائی ہے۔ اس لئے اس کا خاص خیال رکھیں..... یہ بات تو آپ کے سامنے حج کی فضیلت کے عنوان سے کر دی۔

### مسائل جاننے سے عمل سنورتا ہے:

دوسرا نمبر میں نے مسائل کا ذکر کیا تھا۔ مسائل کسی بھی عمل کی ظاہری شکل کو سنوارنے کے لئے ہوتے ہیں..... کسی عمل کی مقبول صورت اُس وقت بنے گی جب

آپ شریعت کے مسائل کی رعایت رکھیں گے..... اگر آپ نے شریعت کے مسائل کی رعایت نہ رکھی تو عمل کی صورت بگڑ جائے گی اور بگڑا ہوا عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا..... یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے..... عمل سنورتا ہے مسائل پر عمل کرنے سے..... جبکہ مسائل کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے عمل کی شکل خراب ہو جاتی ہے..... اور نتیجتاً ایسا عمل اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتا..... اس لئے مسائل کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے۔ اور مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اُن کو اس تقریر میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی بیان کرنا چاہئے کیونکہ ہر شخص کا مسئلہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے بسا اوقات ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں سمجھنے والا غلط سمجھ جاتا ہے۔ وہ مسئلہ اس سے متعلق نہیں ہوتا اور وہ اُس پر عمل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ کی کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ کو جو مسئلہ پیش آئے وہ اپنے علماء سے پوچھو..... اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کے اس مجمع میں اچھے سے اچھے مفتی اور اچھے سے اچھے عالم موجود ہیں..... اب جو کام کرتا ہے اُن سے پوچھ کر اُن کی ہدایات کے مطابق کیجئے تاکہ اُس عمل کی ظاہری صورت ٹھیک ہو جائے..... ویسے فضائل کا شعبہ سب سے زیادہ اچھا ہمارے بھائی فروز صاحب نبھاتے ہیں..... اور مسائل کا شعبہ سب سے زیادہ بہتر مفتی سعید احمد صاحب نبھاتے ہیں..... اُن سے رہنمائی حاصل کریں اور پھر اُس پر عمل کریں ہم تو اُن کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

### اعمال کی مثال:

اب اس اگلی بات کو آپ حضرات ذرا توجہ سے سن لیں..... اس ضمن میں جو کہنا چاہتا ہوں..... اس کو فہم کے قریب کرنے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں۔

مثلاً آپ بادام خریدنا چاہتے ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بادام میں تین چیزیں ہوتی ہیں..... ایک اُس کے اوپر کا موٹا چھلکا..... ایک اُس کے اندر کی گری جسے مغز بادام کہا جاتا ہے..... ایک اُس کے اندر کا روغن جو آپ کو آنکھ سے نظر نہیں آتا

.....جب آپ بادام خریدنے لگتے ہیں تو آپ کی نظر سب سے پہلے چھلکے پر پڑتی ہے اگر وہی خراب ہو یعنی اُس کی شکل اچھی نہ ہو تو آپ اُس کو نظر بھر کے نہیں دیکھتے اور اُس سے نظر پھیر لیتے ہیں..... چونکہ اُس بادام کا اوپر والا چھلکا خوبصورت نہیں ہے وہ بادام آپ کو پسند نہیں آئے گا اور آپ اُس کو نہیں خریدیں گے..... اگر آپ نے کوئی صاف ستھرا بادام دیکھ کر لے لیا لیکن جب اُس کو توڑا تو اندر سے مغز کو کیڑا لگا ہوا ہے، جس کو بھی توڑتے ہیں وہ اندر سے خراب ہے، تو آپ دکاندار سے کہیں گے کہ یہ بادام کسی کام کے نہیں، ان میں تو سارا چھلکا ہی چھلکا ہے، مغز تو ان سب کا خراب ہے..... آپ یہ بات اُن باداموں کو توڑے بغیر نہیں جان سکتے تھے اس لئے آپ اُن کو توڑ کر دیکھیں گے..... اب اگر ہم میں کوئی ایسی بصیرت ہوتی یا ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہوتا کہ ہم اُن باداموں کو توڑے بغیر دیکھ لیتے کہ اُن کے مغز میں کیڑا لگا ہوا ہے تو ہم اُن کی ظاہری شکل پر کبھی فریفتہ نہ ہوتے اور ہم اُن کو کبھی نہ لیتے۔

### ہمارا علم ناقص ہے:

لیکن چونکہ ہمارا علم ناقص ہے۔ اسلئے ہم نے جب تک اُس کو توڑ کر نہیں دیکھا ہمیں کچھ نہیں دکھائی دیا..... اور اگر آپ نے اُس کو توڑ لیا اور اُس میں سے صاف ستھرا مغز نکل آیا لیکن جب اُس کو چکھ کر دیکھا تو وہ کڑوا تھا..... اب آپ اُس کا روغن نکالیں گے تو کڑوا نکلے گا اور آپ جانتے ہیں کہ کڑوے بادام کا روغن بھی زہریلا ہوتا ہے مفید نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس بادام کے اندر موجود روغن کڑوا ہے تو نہ آپ اُس کی کٹھلی کے موٹے ہونے کو دیکھیں گے نہ آپ اُس کے چھلکے کے خوبصورت ہونے کو دیکھیں گے بلکہ وہ بادام آپ کے نزدیک بالکل مردود ہوگا۔ اور اُس کا کڑوا ہونا آپ کو چکھنے سے پتہ چلے گا۔ آپ اُس کو دیکھ تو سکتے نہیں جیسے میں نے یہ تین درجے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں کہ:

بادام کی ظاہری شکل بھی اچھی ہے۔

❖ بادام کے اندر کا مغز بھی اچھا ہے۔

❖ اور بادام میں روغن بھی اچھا ہے

تو اُس بادام کو خرید کر آپ کا جی خوش ہوگا کہ ہم نے بڑی مفید چیز خرید لی ہے اور آپ اُس کو انتہائی محبت و پیار کے ساتھ رکھیں گے اور بوقت ضرورت اُس کو استعمال کریں گے

### عمل کا ظاہر و باطن:

بالکل اسی طرح سمجھئے کہ ایک ہمارے عمل کا ظاہر ہے..... وہ یہ ہے کہ ہم نے پاک کپڑے، پہنے وضو کیا، اُس کے بعد قبلہ کی طرف منہ کیا، تکبیر کہی اللہ اکبر، چار رکعتیں پڑھیں، سجدہ و رکوع بالکل ٹھیک کیا، یہ ایسے ہے کہ جیسے آپ نے اُس عمل کو شریعت کے مطابق ادا کر کے ایک خوبصورت شکل دے دی..... آپ حج کے لئے آئے ہیں اس کا ظاہر یہ ہے کہ ہم نے تلبیہ پکارا ہے، ہم نے سلے کپڑے اُتار کر بغیر سلے پہنے ہیں اور حاجیوں والی شکل بنالی۔

### حاجی کسے کہتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تھا یا رسول اللہ ما الحاج؟.....  
کامل درجے کا حاجی کون ہوتا ہے؟..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
الشائس التفل..... میلا کچھلا جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔  
کیونکہ حج ایک عاشقانہ عمل ہے اور عاشق ہمیشہ دیکھنے میں بد حال ہوا کرتا ہے۔  
اور عشق کا مارا ہوا آدمی اپنے آپ کو سنوارا نہیں کرتا اس لئے:  
❖ جتنے اُس کے بال بکھرے ہوں گے۔  
❖ جس قدر وہ میلا کچھلا ہوگا۔  
❖ جس قدر غبار آلود اور بد حال ہوگا۔

اور دیوانوں کی طرح بھاگا پھرتا ہوگا..... کبھی اُس دیوار کے پاس جا رہا ہے.....  
 کبھی اُس پتھر کو چوم رہا ہے..... کبھی اُس گلی میں بھاگا پھر رہا ہے کہ معشوق کہاں مل  
 جائے گا..... اور کہاں اُس کی رضا حاصل ہو جائے گی..... اس قسم کا سر پھرا عاشق قابل  
 قدر ہوا کرتا ہے۔ یہ عبادت عاشقانہ عبادت ہے۔

## حج ایک عاشقانہ عمل ہے:

اور یہی وجہ ہے کہ یہاں پر عقل نہیں دوڑائی جاتی..... کوئی آپ سے پوچھے کہ  
 عرفات کیا لینے جاتے ہو؟

وہاں پر کوئی باغ ہے جس کی سیر کے لئے جاتے ہو۔

وہاں پر کوئی پھول سوگنھنے جاتے ہو۔

وہاں پر خوشنما سینریوں کو دیکھنے جاتے ہو۔

وہاں پر خوش نما وادیوں کو دیکھنے جاتے ہو۔

مزدلفہ میں رات کے وقت کیوں دھکے کھا رہے ہو؟

وہاں نہ وضو کی جگہ ہے۔

وہاں نہ بیٹھنے کی جگہ ہے۔

اور ذرا مجھے عقل سے سمجھاؤ کہ تم کیا لینے جاتے ہو اور عقل کس طرح اس دیوانہ  
 پن کی اجازت دیتی ہے؟ یہاں پر تو قدم قدم پر عقل کو جوتے پڑتے ہیں۔

آج یہاں پر منیٰ میں آئے بیٹھے ہو، کیا مقصد ہے آپ کا؟ عقل سے اس کی کوئی  
 وجہ بیان کی جاسکتی ہے؟ یہ سارا کا سارا سر پھرے عاشقوں کا کھیل ہے جو اپنے معشوق  
 کے آثار دیکھتے پھرتے ہیں..... اور اپنے معشوق کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ مارے  
 مارے پھرتے ہیں نہ لباس کی خبر ہے چاہے پسینہ چھوٹ رہا ہو چاہے بدن سے بدبو  
 آ رہی ہو (آج کل تو سفر کی آسانیاں اتنی ہو گئیں یہاں پر پہنچ کر ابھی وہ خوشبو بھی ختم  
 نہیں ہوئی۔ یہ میں اُس وقت کی بات کر رہا ہوں جب لوگ چھ چھ ماہ کا سفر کر کے آیا

کرتے تھے۔ اصل کے اعتبار سے عاشقانہ جذبات اُن کے نمایاں ہوا کرتے تھے۔ اب ہم:

❁ کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں کمرہ اچھے سے اچھا ملے۔

❁ کوشش کرتے ہیں کہ لباس ہمارا اچھے سے اچھا ہو۔

❁ کوشش کرتے ہیں کہ ہم بالکل صاف ستھرے اور مہکتے مہکتے نظر آئیں۔

یہ بھی اللہ قبول کر لے اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن اصل کے اعتبار سے یہ عاشقوں کا حال نہیں ہے..... یہ تو وہ بات ہے کہ قدم قدم پر انسان اپنے عقل و ہوش کے ساتھ چل رہا ہے۔ جبکہ حج اپنے عقل و ہوش کے ساتھ چلنے کا نام نہیں بلکہ اصل کے اعتبار سے یہ سر پھرے عاشقوں کا کام ہے۔

اس لئے زمین پر لیٹنا پڑ گیا، زمین پر لیٹ گئے..... اور کپڑے پہننے کی اجازت نہیں..... خوشبو لگانے کی اجازت نہیں..... صابن لگانے کی اجازت نہیں..... یہ سب کا سب حال مدہوش عاشقوں والا ہے..... اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل حاجی وہ ہے کہ جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور میلا کچھلا ہو۔

## کامل حج کی علامت:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کامل حج کون سا ہوتا ہے؟ فرمایا:

### الحج والٹح

جس میں کثرت کے ساتھ تبلیہ پڑھا جائے..... اور جس میں اللہ کے راستے میں خون بہایا جائے..... میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے..... اس کو سنواریے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ وہی بات جیسے میں نے کہی کہ مسائل شکل کو سنوارنے کے لئے ہوتے ہیں اگر آپ نے نماز شریعت کے مطابق پڑھی ہے..... وضو شریعت کے مطابق کیا ہے..... رکوع اور سجود شریعت کے مطابق کیا ہے..... اور مسائل کی آپ نے رعایت رکھی ہے اور کوئی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی تو آپ کی نماز



ایک خوبصورت شکل اختیار کر گئی۔

## عمل کی روح:

اب اس کے بعد اگلی بات یہ ہے کہ شکل تو بن گئی لیکن کیا اُس کے اندر رُوح بھی ہے یا نہیں؟ اور آپ جانتے ہیں کہ اصل کمال تو رُوح کے ساتھ پیدا ہوتا ہے..... اور وہ رُوح اخلاص عمل ہے..... کہ جو کچھ آپ کریں اللہ کے لئے کریں..... نہ شہرت مقصود ہو..... نہ دنیا کا کوئی مفاد مقصود ہو..... یہ اخلاص ہے..... اور اخلاص کے ساتھ عمل میں جان پڑتی ہے یہ عمل کی رُوح ہے..... اب اخلاص ہے یا نہیں؟ یہ ہمیں نظر نہیں آتا کیونکہ یہ دل میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن اس علیم بذات الصدور کے سامنے سب کچھ ہے، جو دل کے اندر چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے اس پر کچھ مخفی نہیں ہے..... زبان غلط ترجمانی کر سکتی ہے کہ میں کہوں کہ میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کرنے آیا ہوں اور درحقیقت:

✽ آیا ہوں میں تجارت کرنے کے لئے۔

✽ آیا ہوں میں شہرت کی طلب کے لئے۔

یہ آپ نہیں دیکھ سکتے مگر میرے دل کے اندر اخلاص ہے یا نہیں؟ لیکن اللہ کے سامنے سب کچھ نمایاں ہے اگر اخلاص نہیں ریا اور ربا و دکھلاوا مقصود ہے تو یوں سمجھو کہ چھلکے کے اندر کا مغز کیڑا خوردہ ہے اور آپ کا ظاہری عمل کسی کام کا نہیں ہوگا۔

## دل کا عقیدہ:

اور اس سے آگے بڑھ کر ایک اور چیز بھی ہے جو سب سے اہم ہے اور وہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اول سے لے کر آخر تک پوری زندگی کا درس ہے..... وہ اخلاص کا شعبہ ہے لیکن میں اُس کو دوسرا عنوان دے رہا ہوں کہ وہ دل کا عقیدہ ہے۔ اگر عقیدہ درست ہے تو آپ کا اخلاص بھی ٹھیک اور آپ کا عمل بھی قبول..... اور اگر عقیدہ ٹھیک نہیں جیسا کہ عمل کی سب سے بڑی بنیاد عقیدہ ہے اور اسی کی تبلیغ حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے کی اور اس کی اپنے عمل کے ساتھ بھی ترغیب دی اور اپنے قول کے ساتھ بھی ترغیب دی..... وہ لا الہ الا اللہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں..... یہ ہے قولی اور عملی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ..... اگر دل میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ موجود ہے اور توحید نہیں ہے تو آپ ہزار دفعہ اللہ کے لئے کام کریں تو بھی مردود چاہے ظاہری طور پر کتنا ہی شریعت کے مطابق ہو۔

جس عمل میں اللہ کے ساتھ توحید کے عقیدے کا تعلق نہیں وہ عمل مردود ہے..... آپ کو معلوم ہے کہ حج تو مشرک بھی کرتے تھے..... نمازیں غلط عقیدے والے لوگ بھی پڑھتے ہیں..... عمل میں اثرات پیدا ہوتے ہیں عقیدہ توحید سے جو بالکل دل کے اندر کی مخفی چیز ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا..... اس لئے اپنے دل کو اللہ کے ساتھ جوڑو اور آپ کا دل مخلوق سے ٹوٹا اور کٹا ہوا ہو اور اللہ کے علاوہ انسان کسی کو معبود نہ سمجھتا ہواصل کے اعتبار سے یہ عقیدہ توحید ہے۔

### عقیدہ کے بغیر عمل صفر ہے۔

عمل ایک صفر ہے اور عقیدہ توحید ایک عدد ہے۔ اب اگر عدد قائم کئے بغیر آپ پچاس صفریں لگا دیں تو کوئی عدد بنتا ہے؟ صفروں میں صفریں جمع کرتے جاؤ تو کوئی عدد نہیں بنتا البتہ جب عقیدہ درست ہو یعنی آپ نے ایک عدد بنا دیا اب ایک عمل کرو گے دس ہو جائے گا.....

❖ دوسرا کرو گے سو (100) ہو جائے گا۔

❖ تیسرا کرو گے ہزار (1000) ہو جائے گا۔

❖ چوتھا کرو گے دس ہزار (10000) ہو جائے گا۔

❖ پانچواں کرو گے لاکھ (100000) ہو جائے گا۔

ایک ایک صفر کے ساتھ ڈھیر لگتے چلے جائیں گے..... جتنے آپ صفر بڑھاتے جائیں گے اتنا عدد بڑھتا چلا جائے گا..... لیکن اگر عدد قائم نہیں ہے تو صرف صفریں

اکٹھی کرنے سے کچھ نہیں ہوتا..... اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ عقیدہ توحید ہو..... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول سے لے کر آخر تک اسی بات کی تعلیم دی ہے اور اسی کی آپ کو مشق کروانی مقصود ہے۔

### ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا درس:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا درس جو اپنے گھر میں ہوا..... اُس میں سے ایک بات نقل کرتا ہوں جس کی آج کے دور میں بہت اہمیت ہے..... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد کو خطاب کرتے ہوئے عملاً یہ بتایا کہ گھر کی رسمیں..... والدین کا رسم و رواج کوئی حجت نہیں ہے جب تک علم کے ساتھ اُس کی تائید نہ ہو جائے..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ایک ماحول تھا..... اُن کے والدین کا بھی ایک ماحول تھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کا ماحول نہیں اپنایا۔ بلکہ اپنے والد کو دعوت دی اور اُس دعوت میں سب سے اہم بات یہ کہی۔

یا ابت انه قد جاء نى من العلم ما لم ياتك فاتبعنى اهدك صراطاً سوياً

اے میرے والد..... میرے پاس علم آ گیا جو تیرے پاس نہیں ہے..... اس لئے اب یہ خیال نہ کر کہ تو باپ ہے میں بیٹا ہوں اور بیٹے کو چاہئے باپ کی مانے نہیں..... باپ ہو کر تو میرے پیچھے چل..... کیونکہ میرے پاس علم ہے اور وہ تیرے پاس نہیں ہے..... میں تجھے سیدھے راستے پر چلاؤں گا..... اس سے معلوم ہوا کہ عمر میں یا کسی اور چیز میں کوئی بڑا ہو اور وہ علم سے بے بہرہ ہو تو اس کو علم والوں کے پیچھے چلنا چاہئے..... اور جو کام کرے علم والوں سے پوچھ کر کرے..... یہ پہلا سبق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا کہ اہل علم کی اتباع کرو، اپنے آپ کو اہل علم کے ساتھ جوڑو، اور جب بھی کوئی کام کرنا ہو ہدایات اہل علم سے لو..... آج ہر آدمی مفتی ہے جس سے پوچھو کسی نہ کسی چیز کا فتویٰ دے دے گا..... چاہے کسی چیز کا پتہ ہو یا نہ ہو اور اپنی رائے پر چلنے کی آج کل بہتات ہے..... یہ بہت خطرناک چیز ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ایک توحید کے عقیدے کو غالب کرنے کے لئے گھر کے ماحول سے لے کر پوری قوم کے ساتھ ٹکری۔ اور پوری قوم سے بڑھ کر پھر آگے حکومت سے ٹکری۔ حکومت کی طرف سے جو زیادہ سے زیادہ سزا تجویز کی جاسکتی تھی وہ تجویز ہوئی۔ اور وقت کے بادشاہ نے جو رب بنا بیٹھا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کا پروگرام بنایا لیکن ابراہیم نے اُس کو بھی برداشت کیا۔ زندہ بھی آگ میں کودنا پڑا تو کود گئے یہ۔ حضرت ابراہیم کی زندگی کا حاصل ہے۔ اول سے لے کر آخر تک قربانی ہی قربانی ہے۔ پھر اللہ کے حکم کے ساتھ بیوی بچے کو کہاں بٹھایا؟ بیت اللہ کو کیسے بنایا؟ بڑی بڑی آزمائشوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے اترے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی امامت کا درجہ دیا۔ اس کے بعد جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے آئے۔ بنی اسرائیل کی شاخ میں آئے اور بنی اسماعیل کی شاخ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قیادت دی۔ لیکن دی اُن آزمائشوں کے بعد اور کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں ہے جس کی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نہ لی گئی ہو۔

❁ اپنی بیوی کی قربانی دی۔

❁ اپنے بیٹے کی قربانی دی۔

❁ اپنے وطن کی قربانی دی۔

❁ حکومتوں سے ٹکراؤ ہوا۔

❁ نمرود کی آگ میں کودنا پڑا۔

یہ ہے اصل کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری تاریخ..... ہر حج

کے دوران انسان کے ذہن میں رٹنی چاہیے۔

❁ اپنی خواہشات کا خاتمہ۔

اپنے مفادات کا خاتمہ۔

اور ہر وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہو اور اللہ کی رضا کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دینی پڑ جائے تو انسان اس سے گریز نہ کرے جس کی ظاہری علامت یہ جانور کا ذبح کرنا بھی ہے..... اس لئے حضرت ابراہیم کا لقب ہے موحد اعظم..... سب سے بڑے اللہ کی توحید کا پرچار کرنے والے۔

### عقیدہ توحید کی اہمیت:

توحید کیا ہے اور اُس کے تقاضے کیا ہیں شرک کیا ہے؟ اور شرک سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں آپ علماء سے مل کر ان سب باتوں کو پہچانا کرو کیونکہ توحید کے عقیدے کے بغیر کوئی عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہمیں اللہ تعالیٰ اس حج کے عمل سے یہ سبق حاصل کرنے کی توفیق دے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدقے سے یعنی یہ عمل جس کی ابتداء حضرت ابراہیم سے ہوئی اور اُس کی تکمیل ہوئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم اُسی عمل کی نقل اتار رہے ہیں اللہ اس نقل کو اصل بنادے اور قبول فرمائے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق جب ہم گھر جائیں تو ہمارے سب گناہ معاف ہو چکے ہوں اور ہم ایسے پاک صاف ہو جائیں جیسے کہ دنیا میں آنے کے وقت پاک صاف تھے قبولیت کی دعا ہر وقت کرتے رہیں باقی اصل فضیلت کا دن عرفہ وہ کل آرہا ہے۔

زوال سے اُس کا وقت شروع ہوگا غروب تک آپ نے وہیں رہنا ہے اُس کے بعد پھر مزدلفہ کی طرف آنا ہے اس لئے کوئی وقت ضائع نہ کریں اگر تلاوت کا شوق ہے تلاوت کریں اگر درود شریف میں دل لگتا ہے تو وہ پڑھیں تسبیحات میں دل لگتا ہے وہ پڑھیں نوافل میں دل لگتا ہے وہ پڑھیں عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص عمل ذکر نہیں کیا کہ اُس کا کرنا ضروری ہے ہاں البتہ یہ فرمایا کہ قبولیت دعا کا سب سے بڑا افضل دن عرفہ ہے۔

## ایام حج میں سب سے افضل دعا

جتنی دعائیں مجھ سے لے کر انبیاء تک کرتے رہے ان میں سب سے افضل دعا

ہے۔

لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك

وله الحمد وهو علی کل شیء قدير

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو اپنی تمام دعاؤں میں سے افضل قرار دیا ..... جبکہ ذکر کے طور پر سب سے افضل تلبیہ ہے

لیک اللهم لیکن لیکن لا شریک لک لیکن ان الحمد والنعمة  
لک والملک لا شریک لک.....

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تلبیہ اور اس دعا میں سوائے اقرار توحید کے اور کچھ نہیں ہے تو گویا اقرار توحید کو ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل ترین دعا قرار دیا۔

### اشکال:

بسا اوقات ذہن میں ایک اشکال آیا کرتا ہے کہ اس میں تو دعا کا کوئی لفظ نہیں ہے جس طرح کہ سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ہیں جنہیں ہم رکوع و سجدہ میں پڑھتے ہیں حالانکہ حدیث میں ترغیب آئی ہے کہ سجدے میں دعا کیا کرو قبول ہوتی ہے اور ہم دعا نہیں کرتے بلکہ تسبیح پڑھتے ہیں؟ یہ ظاہری اشکال ہوا کرتا ہے۔

### جواب

لیکن یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک ہے کسی کو جا کے کہنا کہ مجھے پانی پلا دے، مجھے دودھ دے دے، مجھے کپڑا دے دے۔ ایک یہ طریقہ ہے مانگنے کا..... اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تعریف کرو۔ اُس کے ساتھ محبت کا اظہار کرو کہ آپ بڑے غریب پرور ہیں، غریبوں کی آپ بہت سرپرستی کرتے ہیں۔ جب آپ اُس کی تعریف کریں گے تو

وہ آپ سے خود پوچھے گا کہ تمہیں کوئی ضرورت ہے تو بتاؤ؟ اس لئے کہتے ہیں۔

ثناء علی الکریم دعاء.....

نہی کے پاس جا کر اُس کی تعریف کرنا یہ بھی مانگنا ہوتا ہے..... اس لئے جتنا آپ اللہ تعالیٰ سے حمد و ثناء کے انداز میں مانگیں گے وہ زیادہ قبولیت کا باعث ہے..... لہذا اس کا خوب خوب اہتمام کریں..... باقی جہاں تک مسائل کا تعلق ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً علماء آپ کے سامنے بیان کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس عمل کو ظاہری طور پر بھی اچھے انداز میں ادا کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت بھی ہمیں نصیب فرمائے۔  
آمین یا رب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



# شیعہ سنی اختلاف کا حل

بہ موقع ۸ سالانہ جلسہ

بہ مقام ۸ جامع مسجد مائی والی میلیسی شہر

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ



## شيعة سني اختلاف كاحل

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يَقتُلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ  
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ-

صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم-

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ-



### تمہید

سب سے پہلے میں آپ حضرات کی خدمت میں نئے سال کی مبارکباد پیش کرتا ہوں..... بڑے اور چھوٹے سب اس بات کو جانتے ہیں..... اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے..... یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ذوالحجہ ہوتا ہے۔

ہم میں عیسائی تہذیب اس طرح غلبہ پاگئی کہ ہم اپنی تاریخ کو بھی فراموش کر بیٹھے..... سکولوں کالجوں میں پڑھنے والے بچے یا عام لوگ اپنی تاریخ کو جانتے تک نہیں..... آپ ان سے پوچھیں سال کے کتنے مہینے ہیں؟ وہ کہیں گے بارہ..... اور سال شروع کہاں سے ہوتا ہے؟ وہ کہیں گے جنوری سے..... ختم کہاں ہوتا ہے؟ دسمبر پر۔ اور بارہ مہینے فر فر آپ کو سنا دیں گے کہ یہ ہیں بارہ مہینے..... خط و کتابت میں ہم یہی تاریخ لکھتے ہیں، آج جنوری کی اتنی تاریخ ہے اور آج فروری کی اتنی تاریخ ہے..... یہی ہماری زبانوں کے اوپر چڑھا ہوا ہے..... حالانکہ اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ بہت کم خوش نصیب لوگ ہیں جن کو بارہ اسلامی مہینوں کے نام یاد ہیں۔ آپ جب چاہیں تحقیق کر کے دیکھ لیں اکثر افراد کو یہ نام یاد نہیں ہیں اور جنوری فروری خوب یاد ہیں..... یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو بھولے بیٹھے ہیں۔

جنوری شروع ہوتا ہے تو اخباروں، رسالوں میں مبارکباد، مبارکباد کے اشتہار شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک شور مچا ہوا ہوتا ہے..... اور جب ہمارا اپنا نیا سال شروع ہوتا ہے اُس وقت کسی کو مبارکباد تو کیا دینی ہے بلکہ جس حال میں ہم اپنے سال کی ابتداء کرتے ہیں وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں..... یہ نشست افتتاحی ہے اس لئے میں سادگی کے ساتھ آپ کو دو چار یا تین سمجھاتا ہوں..... باقی جہاں تک کربلا کے واقعات کا تعلق ہے یا کچھ دیگر امور۔ وہ آئندہ تین راتیں مسلسل آپ مقررہ اور واعظوں سے سنتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

## محرم عظمت والا مہینہ:

محرم کا مہینہ عظمت والا مہینہ ہے..... اس کی عظمت سرور کائنات ﷺ نے بیان فرمائی ہے..... اس مہینے کو عظمت واقعہ کر بلا سے نہیں ملی..... یاد رکھئے کر بلا کا واقعہ 60ھ میں پیش آیا..... یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد..... 10ھ میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور 60 ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے..... گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو 50 سال گزر چکے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا..... حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ دس محرم کا روزہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔

## دس محرم کا روزہ:

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی بھی روزہ رکھتے تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ فرق کرنے کے لئے فرمایا کہ نویں کا روزہ رکھ لیں..... علماء کہتے ہیں نویں کو دسویں کے ساتھ ملا کر دو روزے رکھ لو اور اگر کوئی نویں کا نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو۔ تاکہ یہود سے عبادت میں ہمارا اختلاف ہو جائے..... حضور ﷺ نے پوری طرح یہ کوشش کی ہے کہ ہماری عبادت میں یہود کے ساتھ تشبیہ نہ پائی جائے۔ مشابہت آپ ﷺ نے عبادت میں بھی پسند نہیں کی۔ یہود سے آپ ﷺ نے سنا تھا کہ ہم دسویں کا روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور اُن کی قوم کو فرعون اور اُس کے لشکر سے نجات دی اور فرعون کیوں کا بیڑا غرق ہوا تھا۔ اور فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ڈوب گیا تھا۔ وہ اس خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے تعلق ہمارا زیادہ ہے اس لئے ہم بھی شکر کے طور پر یہ روزہ رکھیں گے۔ لیکن یہود کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نویں کا روزہ رکھوں گا..... علماء کہتے ہیں کہ دسویں کے ساتھ ملا کر نویں کا روزہ بھی رکھنا ہے۔

## دس محرم کو اہل و عیال پر وسعت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس محرم کو جو شخص اپنے اہل و عیال پر کھانے پینے کی وسعت کرے اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتے ہیں..... اس مہینہ کے بارے میں یہ دو باتیں حدیث شریف کے اندر آتی ہیں..... اہل و عیال پر وسعت کرو..... اور روزہ رکھو۔

باقی ایک اتفاقی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا..... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول..... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم..... حضرت عثمان بن عفان خلیفہ سوم..... اور حضرت علی خلیفہ چہارم..... ان چار کیلئے ہم خلافت راشدہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں..... اس کے بعد چھ ماہ کے لئے حضرت حسن بھی خلیفہ ہوئے..... اور پھر حضرت حسن نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کر لی تو حکومت مکمل طور پر حضرت امیر معاویہ کے قبضے میں آ گئی اور مسلمانوں کا آپس میں اتفاق ہوا..... اور پھر حضرت امیر معاویہ کی وفات کے بعد محرم میں یہ واقعہ پیش آیا جس میں اہل بیت کے اکثر و بیشتر افراد شہید ہو گئے۔ یہ واقعات کی رفتار ہے۔

## محرم کس طرح منانا چاہئے:

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان واقعات کے پیش آنے کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے قرآن و حدیث کی رو سے کیا روشنی مہیا ہوتی ہے..... ہمیں اس محرم کو کس طرح منانا چاہئے اور اس میں کیا سوچنا چاہئے، اور اس میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟ سمجھدار آدمی اس بات کو اخذ کرنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک حضور ﷺ کی آل و اولاد کا تعلق ہے وہ سب کے سب ہمارے محبوب ہیں..... ہم اُن سے محبت کرتے ہیں ہماری نماز پوری نہیں ہوتی جب تک ہم اللہ کے رسول پر اور رسول کی آل و اولاد پر درود شریف نہ پڑھ لیں..... جب بھی ہم نماز پڑھتے

ہیں تو تشہد میں اللہ کے رسول اور آپ کی آل پر درود شریف پڑھتے ہیں..... اس کے علاوہ بھی ہم کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں اور درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آل رسول کا تذکرہ بھی آتا ہے صلوٰۃ وسلام ہمارا جیسے اللہ کے رسول پر ہوتا ہے ایسے ہی آل رسول پر بھی ہوتا ہے۔

### آل نبی ﷺ سے محبت:

کوئی سنی کوئی اہل سنت والجماعت آل نبی سے عداوت نہیں رکھتا..... سب کے سب آل رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ محبت رکھنا ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضہ ہے کہ جب ہم آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو آپ کی آل و اولاد سے بھی کریں گے۔

### حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت حسینؑ کے واقعہ میں ہمارے لئے سبق کیا ہے؟ آج ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جانے کے بعد دوسری صدی میں غزوہ بدر پیش آیا..... غزوہ بدر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے..... پہلا بیٹا پیدا ہوا حضرت حسن رضی اللہ عنہ..... گیارہ مہینے کے فصل کے ساتھ دوسرا بیٹا پیدا ہوا حسین رضی اللہ عنہ..... چونکہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا کوئی بیٹا نہیں تھا آپ ﷺ اُن کے ساتھ بیٹوں کی طرح پیار کرتے تھے اور اُن کی والدہ حضور ﷺ کی اس وقت اکلوتی بیٹی تھیں۔

✽ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جلدی فوت ہو گئیں۔

✽ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی جلدی فوت ہو گئیں۔

✽ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی جلدی فوت ہو گئی تھیں۔

اُس وقت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی رہ گئی تھیں۔ تین بیٹیاں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہو گئیں..... ایک باقی رہ گئیں اس اکلوتی بیٹی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی محبت کی..... اور اُس کی اولاد کے ساتھ بھی انتہائی محبت کی..... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و صورت پر تھیں..... اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ دونوں بیٹے اپنی ماں کی شکل پر تھے..... جس کا مطلب یہ ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ شکل و صورت کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

### حسن و حسینؑ کا حلیہ:

جب بھی ذکر آتا تو کہا جاتا کہ حسنؑ اور حسینؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہیں..... اُن کا حلیہ، اُن کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی ہے..... اور وجہ میں نے آپ کو بتادی کہ یہ ماں کی شکل پر تھے اور اُن کی ماں اپنے باپ کی شکل پر تھی..... تو نواسوں کی شکل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتی تھی۔

### کر بلا سے پہلے حضرت حسینؑ کی زندگی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو حضرت حسینؑ کی عمر اس وقت سات سال تھی اور حضرت حسنؑ کی آٹھ سال تھی..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ اور وہاں سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کا زمانہ حضرت حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہما نے مدینہ میں گزارا..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ اپنے باپ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے..... جب کر بلا میں حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے اس وقت آپ کی عمر تقریباً ستاون سال تھی..... اس وقت بڑھاپے کا دور آ جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ نے 57 سال کی عمر کیسے گزاری؟ یہ ہم بھول جاتے ہیں ہم اُن کی ولادت کا تذکرہ کر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تذکرہ کر کے، سیدھے کر بلا

پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی بات کو زیر بحث لے آتے ہیں..... اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ درمیان کے 57 سال حضرت حسینؑ نے کیسے گزارے۔ آخر ان کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

### حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب:

حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں..... اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب آپ سب جانتے ہیں کہ وہ اسد اللہ الغالب ہے..... جس کا معنی ہے، اللہ کا شیر، غلبہ پانے والا..... حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے شیر تھے اور اپنے مد مقابل پر غلبہ پانے والے تھے..... یہ ان کا لقب ہے۔  
پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ اگرچہ تاریخی روایات رطب و یابس ہوتی ہیں لیکن قرآن کی تفسیریں۔

✽ اور حدیث کی تشریح۔

✽ اور احادیث و روایات۔

ان سب پر آپ نظر ڈالیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پوری موافقت رکھی..... کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جہاں پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی لڑائی جھگڑے کی بات کی ہو..... موافقت کے ساتھ وقت گزارا اسد اللہ کا بھی اور ان شیر کے بچوں کا بھی۔

✽ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔

✽ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔

✽ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ موافقت رہی۔

✽ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو موافقت ہونی ہی تھی۔

اور پھر اُس کے بعد بیس سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور موافقت

کیساتھ گزرا..... ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ انہوں نے کسی قسم کا دعویٰ کر کے یا مقابلہ میں آ کر کوئی لڑائی جھگڑا کیا ہو یا کوئی آپس میں بد مزگی کی ہو..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخر تک تاریخ خاموش ہے اور اُن کی طرف سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

### ہم حسینی ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ ہم حسینی ہیں؟ اختلاف ہوا ہے یزید کے زمانے میں..... حسین اور یزید کے اختلاف میں ہم حسینی ہیں اور ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں..... لیکن حضرت حسین کی زندگی کا یہ اُسوۂ ہے کہ:

✽ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔

✽ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔

✽ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔

✽ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بولے۔

آخر یہ اُسوۂ کون اپنائے گا؟

✽ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلاف بولنا حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔

✽ حضرت عمرؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔

✽ حضرت عثمانؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔

✽ حضرت معاویہؓ کے خلاف بولنا یہ بھی حضرت حسینؓ کے اُسوۂ کے خلاف ہے۔

اس بات پر غور کرنے کے بعد آپ دیکھیں گے حسینی ہم ہیں یا دوسرے؟

✽ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں

✽ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔

✽ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔

✽ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی زبان کھولتے ہیں۔



یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ستاون سال کی سیرت ہم نے اپنائی ہے یا دوسروں نے اپنائی ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس سیرت کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے موافقت رکھی ہم بھی موافقت رکھیں۔ جیسے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے موافقت رکھی ہم بھی موافقت رکھیں..... اُن کے خلاف انہوں نے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی..... جب انہوں نے نہیں کی تو اُسوہ حسین رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ سب اکابر کے ساتھ بڑائی والا معاملہ کیا جائے، اُن کو بڑا سمجھا جائے اور ان کی مخالفت میں کوئی کسی قسم کا لفظ نہ بولا جائے..... نہ حسین رضی اللہ عنہ نے بولا، نہ حسینیوں کو بولنا چاہیے۔ یہ اُن کی اس سیرت کا تقاضا ہے۔

### شیر کا بیٹا شیر ہوتا ہے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں اپنی جان کا نذرانہ بھی دیا اور اپنی اولاد کی جان کا نذرانہ بھی دیا..... کربلا میں تقریباً اس خاندان کے بہتر افراد شہید ہوئے..... کربلا سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کتنے اولوالعزم آدمی تھے؟..... شیر کا بیٹا شیر تھا..... جب ایک بات کو طے کر لیا کہ باطل کے سامنے نہیں جھکنا ہے اُن کے خیال کے مطابق یزید کو امیر مان لینا یہ باطل کی اتباع تھی تو پھر اُس پر ایسے ڈٹے کہ خاندان تو قربان کر دیا لیکن اپنا سر نہیں جھکایا یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نمونہ پیش کیا ہے۔

اس سے اپنی عقل کے ساتھ ذرا اتنا تو سوچو کہ جو شخص اُس زمانے میں اپنے موقف پر اس قدر ڈٹا کہ سب خاندان کو قربان کر دیا اگر اُس سے پہلے لوگ بھی غلط ہوتے اور اُن کا موقف غلط ہوتا تو کیا اُن کا باپ جو اللہ کا شیر تھا، اسد اللہ الغالب تھا، اور یہ شیر کے بچے بھی اُس کے ساتھ تھے، اُس وقت کیا وہ اُن کی مخالفت نہ کرتے؟..... ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر یہ غلط ہوتے تو یہ اُن کے مقابلے میں بھی جہاد کرتے..... اور اگر یہ لوگ کربلا میں حق کے لئے

اپنی اولاد قتل کروا سکتے ہیں تو اُس سے پہلے دور میں کیوں نہ کرتے۔؟ پہلے والے لوگوں کے خلاف نہ بولنا اور اُن کے خلاف کسی قسم کی لڑائی برپا نہ کرنا یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ حضرات حق پر تھے..... تو اُن شیر کے بچوں کی اُن کے ساتھ موافقت تھی..... اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو مدینہ میں کربلا برپا ہو جاتا..... کوفہ میں کربلا برپا ہو جاتا..... اور علی رضی اللہ عنہ کا خاندان اپنی جان کا نذرانہ پہلے دے چکا ہوتا..... لہذا کربلا کا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن کے ساتھ:

✽ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔

✽ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔

✽ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی موافقت ہوئی۔

یہ سب حق پر تھے باطل پر نہیں تھے..... اگر یہ باطل پر ہوتے تو یہ خاندان کسی صورت بھی اُس کو قبول نہ کرتا..... اُسوہ حسینی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے گزرے ہوئے افراد سب کے سب حق پر تھے..... اس لئے اس خاندان نے اُن کے ساتھ موافقت رکھی..... یہ بہت بڑا سبق ہے جو آپ کربلا سے حاصل کر سکتے ہیں..... یہ اللہ کے شیر تھے اور شیر کی فطرت دنیا نہیں ہے..... شیر اور لومڑی میں یہی تو فرق ہے جیسے کہ شاعر کہتا ہے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

لومڑیوں والا کردار شیر نہیں ادا کیا کرتے..... جو اللہ کے شیر ہوتے ہیں وہ حق گوئی اور بے باکی والے ہوتے ہیں..... حق گوئی و بے باکی اُن کا کام ہوا کرتا ہے وہ لومڑیوں کی طرح مکاری نہیں کرتے۔

اس کربلا کے واقعہ نے پچھلی ساری تاریخ کو صاف کر دیا کہ خلفاء راشدین سب کے سب حق پر تھے..... اس لئے

✽ نہ حسن رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔

✽ نہ حسین رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔

❁ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔

اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو یہ لوگ کبھی بھی اُن کے ساتھ اطاعت کا معاملہ نہ کرتے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اُسوۂ سے یہ واضح دلیل مل سکتی ہے۔ اگر کوئی عقل کے ساتھ سوچے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن خلفاء راشدین کی مخالفت اُسوۂ حسینی نہیں ہے اُن کی موافقت اُسوۂ حسینی ہے۔

آج کل حالات دنیا کے تناظر میں دیکھا جائے اس وقت کفر کی قیادت یہود قوم کے ہاتھ میں ہے..... عیسائی اُن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں..... یہ بات آپ نے سنی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم نے اُن کو قتل کیا اور اُن کو سولی پر چڑھایا ہے..... عیسائی یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے تھے..... اگرچہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اور ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا..... ہاں قتل کا ارادہ کیا، قتل کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا، وہ محفوظ ہیں اور قیامت کے قریب اتریں گے..... ہم حیات مسیح کے بھی قائل ہیں اور ہم نزول مسیح کے بھی قائل ہیں..... بلکہ یہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے کہ حیات مسیح کا منکر کافر ہے اور نزول مسیح کا منکر بھی کافر ہے..... اور یہ ہمارا قطعی عقیدہ ہے ذرا اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔

لیکن یہود کہتے تھے کہ ہم نے قتل کیا ہے قرآن نے صفائی دی۔

وما قتلواہ وما صلبواہ..... نہ قتل کیا نہ سولی دی۔

لیکن عیسائی اس بات کے قائل تھے کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں..... اور آپس میں اُن کی لڑائیاں تھیں بارہا اُن کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں اور عیسائیت نے یہودیت کو بہت بری طرح شکست دی یہ در بدر دھکے کھاتے پھرتے تھے لیکن آج آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں عیسائی اور یہودی دونوں اکٹھے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

## یہودی اور نصرانی اتحاد:

چند سال پہلے کی بات ہے۔ جب اخباروں میں یہ قصہ آیا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے آپس میں موافقت کر لی..... اور اس اختلاف کی بنیاد قتل عیسیٰ کے مسئلہ کو اُن لوگوں نے یوں طے کر لیا کہ پوپ نے بیان دے دیا کہ یہودی قاتل نہیں ہیں..... اس طرح اُس نے یہود کو بری کر کے اختلاف ہی ختم کر دیا۔ اب آگے انتظار ہے ایک مسیح کا۔

✽ یہود بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔

✽ عیسائی بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔

✽ مسلمان بھی ایک مسیح کے منتظر ہیں۔

✽ ہم بھی کہتے ہیں کہ مسیح آنے والا ہے۔

✽ عیسائی بھی کہتے ہیں مسیح آنے والا ہے۔

✽ یہودی بھی کہتے ہیں مسیح آنے والا ہے۔

یہودی جس مسیح کا انتظار کرتے ہیں ہم اُس کو دجال کہتے ہیں..... اور عیسائی جس مسیح کا انتظار کرتے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ور ہم بھی اُسی مسیح کے منتظر ہیں..... ہمارے ساتھ اُن کا مقابلہ تھا..... اب اُن دونوں یہود اور نصاریٰ نے عارضی طور پر صلح کر لی کہ جب تک مسیح آتا نہیں اُس وقت تک آپس میں لڑ نہیں جب آ جائے گا تو فیصلہ کر لیں گے کہ تمہارا ہے یا ہمارا ہے؟ اس طرح دونوں اتحاد کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں آ گئے۔

## روئے زمین پر دو ذہن:

اب روئے زمین پر دو ذہن ہیں۔

✽ ۱۔ ایک ہم ہیں جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں۔

✽ ۲۔ دوسرے وہ ہیں جو اہل بیت سے محبت کا دعویٰ کر کے شیعہ کہلاتے ہیں۔

یہ دو برادریاں ہیں اور آج روئے زمین پر یہ دونوں آپس میں لڑتے ہیں۔ اور لڑانے کی کوشش یہودی کرتے ہیں۔ تاکہ جب یہ دونوں لڑیں گے مسلمان کمزور ہوں گے تو اُن پر قبضہ جمانا آسان ہو جائے گا۔ عراق میں جو صورت حال ہے وہ دیکھ لیں کس طرح عیسائی اور یہودی مسلمانوں کو برباد کر رہے ہیں اور اس میں شیعہ و سنی دونوں مر رہے ہیں اور شیعہ سنی فساد کروانے کے لئے عالمی سطح پر کتنی کوششیں ہو رہی ہیں۔

### شیعہ سنی اختلاف کا حل:

اب عیسائی اور یہودی ایران کو آنکھیں دکھا رہے ہیں..... اور ایران میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی ہیں..... اور جب یہودی حملہ کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ شیعہ نہیں مریں گے اور سنی مریں گے..... جب بمباری ہوگی شیعہ اور سنی دونوں مریں گے اور اُن کو آپس میں لڑا کر کمزور کر کے اُن پر ہاتھ ڈالیں گے تاکہ یہ آپس میں لڑیں اور یہود کے مقابلہ کی اُن میں طاقت نہ رہے..... اس لئے شیعہ و سنی فساد یہود و نصاریٰ کے حق میں جائے گا اور مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگی..... اگر مسلمان اس معاملہ میں عقل سے کام لیں..... آپس میں ایک بات پر اتفاق کر لیں جیسے عیسائیوں اور یہودیوں نے اتفاق کر لیا کہ مسیح کے آنے سے پہلے لڑنا نہیں ہے مسیح کے آنے پر فیصلہ ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ ایک بات کو سوچ لیجئے۔

اہل سنت والجماعت بھی امام مہدی کے منتظر ہیں اور شیعہ بھی امام مہدی کے منتظر ہیں..... یہ علیحدہ بات ہے کہ سنی نظریہ یہ ہے کہ امام مہدی باقاعدہ پیدا ہوں گے، جوان ہوں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کو اس منصب پر لائے گا..... جبکہ شیعہ نظریہ ہے وہ بارہ تیرہ سو سال پہلے پیدا ہو گئے ہیں اور وہ کسی غار کے اندر چھپے ہوئے ہیں وہاں سے ایک وقت آئے گا تو ظاہر ہوں گے۔

اس اختلاف کو ایک طرف رکھ دیں تو دونوں قائل ہیں اس بات کے کہ امام مہدی نے آنا ہے..... کوئی اُس کو بارہاں امام کہے یا نہ کہے، پیدا ہونے والا کہہ لے،

چھپا ہوا کہہ لے، اور جب تک مہدی نہ آئے اُس وقت آپس میں اتفاق رکھو..... جب مہدی آجائے گا اُس وقت دیکھ لیں گے کہ یہ نیا پیدا شدہ ہے یا کہیں سے چھپا ہوا نکلا ہے..... اس نقطہ پر فی الحال آپس میں اتفاق کر لو امام مہدی آئے گا اُس کے بعد دیکھ لیں گے کہ وہ کس حیثیت میں آئے ہیں؟..... جب وہ آجائیں گے ہم بھی مان لیں گے اور آپ بھی مان لیں گے۔ اس لئے اُن کے آنے تک اتفاق کر لیں۔

قرآن مجید ہمارے پاس ہے ہم کہتے ہیں یہ منزل من اللہ ہے، یہی اللہ کی جانب سے آیا ہے..... دوسرا فریق کہتا ہے کہ اصل قرآن مہدی لے کر غائب ہو گیا ہے اور جب ظاہر ہوگا اس وقت وہ لے کر آئے گا..... اس لئے جب تک امام وہ قرآن نہیں لاتا ہے اُس وقت تک اسی موجودہ قرآن پر عمل کر لو..... جب امام آئے گا تو فیصلہ ہو جائے گا کہ وہی قرآن ہے یا کوئی نیا قرآن ہے۔؟

### دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ:

ایک بات توجہ سے سنیں۔ ہمارے بزرگوں کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے۔ یہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اُستاد ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے جب دورہ حدیث کیا ہے اُس وقت شیخ الہند چھوٹے اُستاد تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب بڑے اُستاد تھے۔ ترمذی اور بخاری دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد یعقوب صاحب پڑھاتے تھے باقی کتابیں حضرت تھانویؒ نے شیخ الہند سے پڑھیں۔

ایک جگہ محرم کے موقع پر ہندوؤں اور شیعوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ کیونکہ جہاں سے شیعوں نے تعزیہ گزارنا تھا وہاں پر راستہ میں پپیل کی شاخیں رکاوٹ تھیں اور پپیل کا درخت ہندوؤں کے نزدیک بہت مقدس ہے۔ وہ اس درخت کا بہت احترام کرتے ہیں۔ جیسے گائے کا احترام کرتے ہیں، پپیل کا بھی اُسی طرح احترام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گائے پپیل کے پتے کھانے لگ گئی۔ لالہ جی کو کسی نے کہا کہ

لالہ جی گائے پیپل کو کھا رہی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ گائے کھائے پیپل کو پیپل کھائے گائے کو، ہمارے لئے دونوں محترم ہیں، ہم اُن دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ کہیں گے، میں بات رہا تھا کہ پیپل کا درخت ہندوؤں کے ہاں مقدس ہے، جب تعزیے کے راستے میں پیپل کی شاخیں رکاوٹ بنیں تو شعیوں نے تعزیہ گزارنے کے لئے اُن شاخوں کو کاٹنا چاہا تو ہندوؤں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اس صورت میں وہاں کے اہل سنت والجماعت نے دیوبند سے استفتاء کیا کہ ہم کیا کریں؟ کس کا ساتھ دیں ہندوؤں کا یا شیعہ کا یا تیسرا فریق ہو کر ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھیں کیا صورت اختیار کریں؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یعقوب

شیعہ کو مسلمان سمجھ کر مخالفت کرتا ہے۔ اگر شیعہ اس جھگڑے میں شکست کھا گئے تو ہندو کہیں گے ہم نے مسلمانوں کو شکست دی ہے۔ جب ہندو اُن کو مسلمان سمجھ کر اُن کی مخالفت کرتا ہے تو مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ اس موقع پر شیعہ کی مدد کریں تاکہ یہ لوگ ہندوؤں کے مقابلے میں شکست نہ کھائیں۔ اور ہندوؤں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ ہندو کے مقابلہ میں سنی شیعہ کی حمایت کریں۔

کیا اس وقت یہ بات نہیں سوچی جاسکتی کہ آج اگر ایران پر یہودی آتے ہیں حملہ کرتے ہیں تو مسلمان ملک سمجھ کر کرتے ہیں۔ بش کی پارٹی اگر ایران پر حملہ کرے گی تو ایران کو اسلامی ملک سمجھ کر کرے گی۔ یہ مقابلہ ہوگا عیسائیوں یہودیوں اور شیعہ سلطنت کا، لیکن وہ اُس سلطنت کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اُس فتوے کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ اُن کو اسلامی ملک سمجھ کر اُن پر حملہ کریں گے۔ اس لئے جہاں مقابلہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ آجائے وہاں پر شیعہ سنی کو ایک ہو جانا چاہئے۔ تاکہ یہود غلبہ نہ پاسکیں ورنہ اُن کا خیال یہ ہوگا کہ ہم نے مسلمانوں پر غلبہ پالیا۔

ان حالات کے تناظر میں ضروری ہے کہ سب کی سب قوم اس

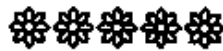
ذہن کے تحت متحد ہو کہ مقابلہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں آپس میں لڑنا یہ کسی صورت بھی مفید نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے والی بات ہوگی اور درپردہ یہود و نصاریٰ کی حمایت ہوگی۔

جس طرح اگر آپ غور کریں سعودی عرب سے ایک فتنہ اٹھا ہوا ہے۔ جن کا کام ابوحنیفہؒ کی مخالفت اور اُن کو برا بھلا کہنا ہے۔ بہت شدت کے ساتھ یہ فتنہ اٹھا تھا اب کچھ دَب سا گیا ہے۔ کیونکہ مولانا اسعد مدنی سمیت ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی موجودگی میں کانفرنس کروائی اور سعودی عرب کے سفیر کو بلایا اور اس افسوسناک صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر یہ اسی طرح احناف کی مخالفت کرتے رہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمہاری شہہ پرایا کرتے ہیں۔ ایسے میں ہم بھی بر ملا سعودی عرب کی حکومت کی مخالفت کریں گے۔ اس سے وہ شدت کسی قدر کم ہوگئی۔ اللہ کریم مسلمانوں کو عقل و فہم اور موقع کی نزاکتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

**وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔**

**سبحانک اللہم وبحمدک لا الہ الا**

**انت استغفرک واتوب الیک۔**





# شانِ اولیاء

بہ موقع ۝ تبلیغی اصلاحی جلسہ

بہ مقام ۝ عمرکچی تحصیل میلسی ضلع وہاڑی

وقت ۝ صبح

تاریخ ۝ 27 نومبر 2005ء

## شان اولياء

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ  
شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا ضَلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ  
وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ  
وَرَسُولَهُ - أَمَا بَعْدُ فَاغُوثُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

**إلا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون الذين  
أمنوا وكانوا يتقون- لهم البشري في الحياة  
الدنيا وفي الآخرة لا تبديل لكلمات الله.**

مَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَا بُنَيَّ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ  
لَا حِدٍ فَاَفْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَبْنِي هَذَا مِنْ سُنَّتِي مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي  
فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ -

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ  
صَدَّقَ اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ وَصَدَّقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنُحْنُ  
عَلَى ذَلِكَ لِمَنِ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -  
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى  
عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى اسْتَغْفِرُكَ اللَّهُ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ -



## تمہید:

میرے تو وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔ اور اس میں مجھے کچھ بیان بھی کرنا پڑے گا۔ مجھے تو اطلاع یہ ملی تھی کہ حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے اس دوست، مہربان بھائی محمد اختر صاحب خلیفہ مجاز حضرت خاکوانی صاحب کی طرف سے دعوت ہے۔ تو میں نے سوچا کہ دو کام ہو جائیں گے۔ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ اور دوستوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اب حضرت نے حکم فرمایا ہے کہ بیان تو لازماً کرنا ہے۔ چاہے پہلے کروں چاہے بعد میں کروں۔ میں چونکہ آج سارا دن مصروف رہا اور بڑا لمبا سفر میں نے کیا ہے۔ اس لئے معذرت بھی کی کہ میں تھکا ہوا ہوں۔ لیکن حضرت کا فرمان ہے کہ بیان تو لازماً کرنا ہے۔ لہذا تعمیل ارشاد کیلئے ابتداء میں اللہ کی توفیق سے اور ان حضرات کی توجہ سے دو چار باتیں عرض کر دیتا ہوں۔ صرف اس مجلس کی برکات میں شریک ہونے کے لئے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے۔ اس لئے میں نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی ہے کہ گاڑی آپ کی توجہ سے چلے گی۔

## آیت کی وضاحت

سب سے پہلے میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی آیت پڑھی۔  
 اَلَا۔ عربی میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جہاں کوئی اہم بات کہنی ہو اور سننے والے کو متوجہ کرنا مقصود ہو۔ ہماری زبان میں بھی چاہے وہ پنجابی ہے چاہے وہ اردو ہے۔ ایسے الفاظ آتے ہیں۔ ”کان کھول کر سنو“۔ ”توجہ سے سنو“۔ ”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ذرا خیال سے سن لو“۔ ایسے لفظ پہلے بولے جاتے ہیں۔ اس بات کے شروع میں جو اہم ہوتی

ہے۔ تو۔ آلا۔ جس کو ہم طالب علمانہ زبان میں حرف تنبیہ کہتے ہیں۔ اور ہم اس کا معنی کرتے ہیں خبردار۔ ہوش سے سنو۔ توجہ سے سنو.....

ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون.....  
بے شک اللہ کے دوست نہ اُن پر خوف ہوتا ہے نہ حزن۔  
ان الفاظ میں یہ سمجھو کہ شان اولیاء مذکور ہے۔ آگے آگیا۔  
الذین امنوا.....

اولیاء وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ صحیح ہوتا ہے۔  
و کانوا یتقون..... اور اللہ سے ڈرتے ہیں..... تو ان الفاظ میں اولیاء اللہ کی پہچان ہے کہ ولی کون ہوتا ہے۔ ولی کسے کہتے ہیں؟  
ان اولیاء اللہ۔ والے الفاظ میں اولیاء اللہ کی شان ہے۔ اور..... الذین امنوا  
و کانوا یتقون..... میں اولیاء کی پہچان ہے۔ اور  
لہم البشری..... کے الفاظ میں اولیاء اللہ کا انجام ہے۔ تین باتیں آئیں۔  
اولیاء کی شان..... اولیاء کی پہچان..... اور اولیاء کا انجام ہے۔ یہ آیت ان تینوں باتوں پر مشتمل ہے۔

ان میں سے ایک ایک بات تفصیل طلب ہے۔ جس کے لئے نہ مجھ میں ہمت ہے نہ وقت میں گنجائش ہے۔ آنے والے سب حضرات اس موضوع پر بیان کریں گے۔ اس لئے ان شاء اللہ العزیز ان باتوں کی پوری تفصیل اس میں آجائے گی۔

### ایمان کیا ہے؟

پہلی بات جو میں نے ذکر کی وہ ایمان ہے۔ اس میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایمان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کرتے ہوئے:  
✽ جن چیزوں کو ہماری آنکھوں نے دیکھا نہیں۔  
✽ جن چیزوں کو ہمارے کانوں نے سنا نہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسول پر اعتماد کرتے ہوئے اُن باتوں کو مان لیا جائے اور اُن پر یقین کر لیا جائے۔ اس کو ایمان کہتے ہیں۔  
ایمان میں توحید بھی ہے۔ ایمان میں رسالت پر ایمان لانا بھی ہے۔ اور آخرت پر ایمان لانا بھی ہے۔

### سب سے پہلے علم

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ جس کو ہم ولی کہنا یا ماننا چاہتے ہیں کیا اُس کے پاس ایمان ہے؟ اُس کا عقیدہ صحیح ہے؟ توحید، رسالت اور معاد پر اُس کا ایمان ہے۔ کیا وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بیان کی ہوئی باتوں پر یقین رکھتا ہے۔؟ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ باتیں تب ہی یقین میں آئیں گی جس کے پاس ان باتوں کا علم بھی ہو۔ اور اگر وہ جانتا ہی نہیں تو اُس پر یقین کیا کرے گا۔ اس لئے علم سب سے پہلے..... فاعلم انه لا الہ الا اللہ..... کہ وہ ان باتوں کی تفصیل جانتا ہو جن کو ماننا ضروری ہے۔

تفصیل جاننے کے بعد پھر اُس پر دلی یقین بھی کرتا ہو۔ یہ ایمان ہے۔

وکانوا یتقون..... اور اس میں تقویٰ بھی ہو۔

### تقویٰ کی تعریف

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ مومن متقی اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ بعض آثار میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت بڑے یہودی عالم کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے؟ اُنہوں نے کہا امیر المومنین آپ کو بھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں کانٹے دار جھاڑیاں بہت ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ اُنہوں نے فرمایا کیسے چلتے ہو؟ فرمایا دامن بچاتے ہوئے، قدم بچاتے ہوئے، احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا چلتا ہوں۔ تو فرمایا یہی تقویٰ ہے۔ کہ چلو بچ بچ کے، قدم رکھو سوچ سوچ کے، دامن کو سنجال کر چلنے کے اس طریقے اور جذبے کو تقویٰ کہتے ہیں۔

## روحانیت کے کانٹے۔

لیکن انسان کے روحانی سفر میں کون سے کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ وہ کانٹے ہیں معاصی اور گناہ:

✽ نگاہ کا گناہ۔

✽ کان کا گناہ۔

✽ دل کا گناہ۔

✽ لین دین کا گناہ۔

✽ مالیات میں ہیر پھیر کا گناہ۔

یہ سب کے سب کانٹے بکھرے ہوئے ہیں۔ تو متقی اُس کو کہتے ہیں جو ہر چیز سے بچتا ہوا چلے۔ نہ اپنی آنکھ کو کہیں اُلجھنے دے۔ نہ اپنے کان کو کسی غلط مصرف پر استعمال ہونے دے، حتیٰ کہ تقویٰ کی انتہاء یہ ہوتی ہے کہ دل کے اندر بھی غیر اللہ سے تعلق نہ رہے، معصیت کا شوق ذوق نہ رہے۔ بلکہ دل بھی متاثر ہو جائے تو ظاہر سے لے کر باطن تک انسان متقی ہو گیا۔

اور اگر کسی کی ساری زندگی سراپا معصیت ہے۔ اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، گانے سنتا ہے، غیر محرم عورتوں میں وقت گزارتا ہے، اور لوگوں سے غلط طریقوں کے ساتھ مال سمیٹتا ہے۔ تو یہ شخص ایسا ہے جس کو تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ایسے شخص کو ولی سمجھ لینا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اور اس دھوکے میں آ جانے کے بعد انسان خود گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ پہلے دیکھو کہ عقیدہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اُس شخص کا عمل تقویٰ والا ہے یا نہیں؟ اللہ کی معصیت سے بچتا ہے یا نہیں؟ اگر اللہ کی معصیت سے بچتا ہے، بیچ بچ کے چلتا ہے۔ اپنی ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنے دامن کو کسی معصیت کے کانٹے میں اُلجھنے نہیں دیتا تو پھر آپ کہیں گے کہ یہ مومن بھی ہے۔ متقی بھی ہے۔ اور یہ اللہ کا ولی ہے۔

## دنیاوی ساز و سامان میں وراثت

میری ایک بات ذرا غور سے سن لیں! ایک ہماری یہ مادی زندگی ہے۔ اسمیں ہمارے پاس دنیا کا مال ہوتا ہے۔ ایک آدمی کوٹھی کا مالک ہے۔ ایک آدمی مربعوں کا مالک ہے۔ ایک آدمی کارخانوں کا مالک ہے، کار کا مالک ہے۔ یہ دنیاوی سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس مال میں وراثت رکھی ہے۔ بیٹا لائق ہو تو بھی وہ وارث ہے۔ نالائق ہو تو بھی وارث ہے۔ باپ زمیندار تھا اُس کے مرنے کے بعد وہ زمین بیٹے کو مل جائے گی۔ بیٹا بھی زمیندار ہو جائے گا۔ چاہے لائق ہو چاہے نالائق ہو۔ باپ مل کا مالک ہے مرے گا مل بیٹے کو مل جائے گی۔ وہ لائق ہے چاہے نالائق ہے۔ کوٹھی ہے جب اُس کا مالک مرا تو مرنے کے بعد کوٹھی بیٹے کو مل جائے گی۔ چاہے وہ لائق ہے چاہے نالائق ہے۔ اور آج کل ہمارے زمانے میں یہی دستور ہے کہ دنیاوی ساز و سامان میں اللہ نے وراثت کا اصول رکھا ہے کہ جس وقت بڑا مرتا ہے تو وہ چیز چھوٹوں کو مل جاتی ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ پڑھے ہوئے ہیں یا جاہل ہیں۔ نیک ہیں یا بد معاش ہیں۔ عقل مند ہیں یا پاگل ہیں۔ کیسا بھی ہو۔ وراثت منتقل ہوتی ہے۔

## روحانی کمالات میں وراثت نہیں

اور ایک ہیں روحانی کمالات۔ یاد رکھئے روحانی کمالات میں وراثت نہیں ہے۔ روحانی کمالات حاصل کرنے کے لئے انسان کو خود محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر کسی کا باپ حافظ ہے اور بیٹے نے محنت کر کے قرآن یاد نہیں کیا تو وراثت میں وہ حافظ نہیں بنے گا۔ اگر باپ حاجی ہے اور بیٹے نے اپنے عمل کے ساتھ حج نہیں کیا تو باپ کے حاجی ہونے کی وجہ سے بیٹا حاجی نہیں ہوگا۔ یہ تو خیر بڑی باتیں ہیں۔ انسانی کمالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں لے لیں۔ مثلاً سائیکل چلانا یہ بھی ایک کمال ہے۔ اگر بیٹا خود محنت کر کے سائیکل چلانا نہیں سیکھے گا تو اُس کو صرف اس بنا پر سائیکل چلانا نہیں آجائے گا کہ اُس کا باپ سائیکل چلاتا تھا۔

یہ چھوٹے چھوٹے کمالات ایسے ہیں جو محض وراثتاً نہیں آتے بلکہ اُس کے لئے انسان کو خود محنت کرنا پڑتی ہے۔

### ایک بہت بڑی گمراہی

ہمارے ہاں ایک بہت بڑی گمراہی کی بات یہ ہے کہ فلاں شخص کا باپ بڑا آدمی تھا، بزرگ تھا، پیر تھا اس لئے اس کا بیٹا لازماً پیر ہے۔ چاہے وہ جاہل ہو، یا جیسا کیسا ہو۔ بس ولی کا بیٹا ولی ہے۔ آٹھ آٹھ سو سال پہلے بزرگ گزرے ہیں۔ آج اُن کے وارث چاہے جس قسم کے ہوں۔

✽ کتے لڑاتے ہوں۔

✽ ناچ گانا کرواتے ہوں۔

✽ فحاشی میں مبتلا ہوں۔

✽ عیاشی میں مبتلا ہوں۔

چاہے وہ سرے سے نماز نہ جانتے ہوں۔ بسم اللہ نہ جانتے ہوں۔ کچھ اُنہوں نے پڑھا نہیں، قرآن کریم کی تلاوت تک نہیں جانتے لیکن لوگ اُن کو سجدے کرتے ہیں، اور اُن کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ اور محنت کی کمائی لے جا کر اُن کے پلے ڈالتے ہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوں کی اولاد ہے۔ بہت سب لوگ اس وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ یہ چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں اس لئے ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو بزرگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کو تحفہ، ہدیہ دے دینا یہ الگ بات ہے۔ لیکن اس کو اپنا مقتدا مان لینا یہ عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔

روحانی کمالات خود محنت کر کے حاصل کرنے پڑتے ہیں وراثت میں

نہیں آیا کرتے۔ اس لئے ولی کا بیٹا ولی یہ کوئی اصول نہیں۔ آپ اللہ کے دوست بننا چاہتے ہیں۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ از خود محنت کرو۔ محنت



کر کے علم حاصل کرو، محنت کر کے اپنا عقیدہ صحیح کرو، محنت کر کے اپنا عمل صحیح کرو اور تقویٰ کو اپناؤ۔ اور تقویٰ کو اپنانے کے بعد اگر آپ کا باپ ولی تھا تو آپ بھی ولی بن گئے۔ اور اگر محنت کے ساتھ آپ اُن اصولوں کو نہیں اپنائیں گے تو آپ محروم رہ جائیں گے۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی خود محنت نہ کرنے کی وجہ سے کمالات سے محروم ہو گیا۔ اس لئے ایمان اور تقویٰ یہ دونوں ولایت حاصل کرنے کے اصول ہیں۔ سب سے پہلے اپنا عقیدہ درست کرو اور اس کے بعد اپنا عمل صحیح کرو۔ ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو جس کو اتباع شریعت کہتے ہیں۔ اور باطن بھی صحیح کرو جس کو ہم طریقت اور تزکیہ کہتے ہیں۔ اور جب ظاہر و باطن اصلاح ہو جاتی ہے تو انسان اللہ کے قریب ہو کے ولی بن جاتا ہے۔

### تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

تقویٰ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت آسان اصول مقرر فرمایا ہے۔ کہ اہل تقویٰ اور اہل ایمان سے محبت کر کے جب اُن سے ملنا جلنا شروع کرو گے تو آپ کو بھی یہ دولت نصیب ہو جائے گی۔ یہ تقویٰ والی نعمت بازار میں نہیں ملتی۔ یہ نعمت اُن لوگوں کے پاس ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ دیا ہے اُن کے ساتھ محبت اور اُن کے ساتھ تعلق، اُن کی صحبت میں بیٹھنا اور اُن کی زیارت کرنا، یہ چیزیں ایسی ہیں۔ جن کے ساتھ انسان کو تقویٰ بھی آتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کرنے کا طریقہ بھی آتا ہے۔ اور انسان کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور عمل بھی صحیح ہوتا ہے۔ اس لئے جو حقیقتاً اللہ کے ولی ہوں اُن کی زیارت بھی ثواب، اُن کی صحبت میں بیٹھنا بھی بہت بڑی سعادت اور اُن کے ساتھ محبت، یہ بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اس سلسلے میں میں نے آپ کے

سامنے مختصر سی روایت پڑھی۔

## حدیث کا شان و رود

المرء مع من احب.....

اس کا شان و رود۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کب فرمایا تھا حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ایک آدمی کو کسی شخص سے محبت ہے۔ لیکن لم يلحق به

وہ اُس کے ساتھ ملا نہیں۔ لاحق کے شارحین نے دو معنی کئے ہیں ایک یہ کہ وقت نہیں پایا ایک دوسرے کا زمانہ نہیں پایا اور آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ تم نے محبت لگالی اگر اُس کے ساتھ لائق نہیں ہوا، اُس کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی تو بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کر دے گا۔ محبت والے کی معیت نصیب ہو جائے گی۔ اور ایک معنی یہ ذکر کیا کہ عمل کے اعتبار سے انسان اُس کے ساتھ لائق نہیں، وہ بڑے نیک، بہت متقی، بڑے عبادت گزار، بہت قرآن کریم پڑھنے والے، اور دوسرا شخص اُن سے محبت رکھتا ہے لیکن اُس کا عمل اُس معیار کا نہیں۔ اور عملی زندگی میں وہ اُن کے ساتھ لائق نہیں ہے بلکہ بہت نیچے ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں جس وقت تمہارا محبوب اللہ کا ولی ہوگا، اُس کا جو درجہ اور مرتبہ ہے محبت کے نتیجہ میں اللہ قیامت کے دن تمہیں اُن کے ساتھ ملا دے گا۔ گویا کہ محبت سے عملی کمی کی تلافی ہو جائے گی۔ لاحق کا یہ دوسرا معنی زیادہ واضح ہے۔

## ایمان کے بعد سب سے زیادہ خوشی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان کی تھی تو اُس وقت جو لوگ وہاں موجود تھے اُن کو ایمان کے بعد سب سے

زیادہ خوشی اس بات سے ہوئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور قیامت کے دن ہمیں اُن کی معیت مل جائے گی۔ اور صحابہ کو تو سب سے زیادہ محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی یا صحابہ کو آپس میں ایک دوسرے سے محبت تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے ابو بکر و عمر سے بہت محبت ہے۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن میں اُنہیں کے ساتھ ہوں گا۔

### محبت کی پہچان کا طریقہ

محبت دل میں ہوتی ہے۔ آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ تو سوال یہ ہے کہ محبت کی پہچان کیسے ہوگی؟ کہ آپ کو اُس سے محبت ہے۔ اُس کا کوئی معیار ہے یا نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بیٹا کہہ کر بلا تے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا بُنّی ..... اے بیٹے .....

ان استطعت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد  
بیٹے اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ صبح تو اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کینہ بغض نہ ہو اور شام تو اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کینہ بغض نہ ہو۔ اگر تو ایسا کر سکتا ہے تو ایسے ہی کیا کر۔ پھر فرمایا۔

هذا من سنتی .....

یہ میرا طریقہ ہے۔ کہ میں اپنے دل میں کسی سے حسد بغض نہیں رکھتا۔ غش نہیں رکھتا۔

من احب سنتی فقد احبنی .....

جس نے میری سنت سے پیار کیا اُس نے میرے سے پیار کیا۔

ومن احبنی کان معی فی الجنة .....

اور جو میرے سے محبت کرے گا۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اس روایت

کو آپ کے سامنے پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں محبت ہے یا نہیں۔ اُس کا معیار اتباع سنت ہے۔ کہ سرور کائنات کے طریقے کو ہم دل و جان سے سب سے اچھا طریقہ سمجھیں۔ جیسا کہ حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ اپنی نظم میں فرماتے ہیں۔ اے رسول امین تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ کائنات میں سب سے ممتاز ہیں۔ تو آپ ﷺ کا طریقہ بھی کائنات میں سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ کوئی دوسرا شخص نہیں کہ جس کے طریقے کو ہم کہہ سکیں کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اچھا ہے۔ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے تو وہ ایمان سے خالی ہے۔

✽ رسول اللہ کا طریقہ سب سے بہتر۔

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سب سے بہتر۔

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں سب سے اچھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول، اولوالعزم رسول، صاحب کتاب رسول، وہ فرعون وقت کے مقابلے میں آگئے اور وقت کا فرعون اپنے آپ کو رب بنائے بیٹھا تھا۔ اور کہتا تھا۔

انا ربکم الاعلیٰ

میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ قرآن نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ مشرک تھا، بت پرست تھا، شرک پھیلاتا تھا۔ ایک تو اس فرعون کا طریقہ تھا اور ایک مقابلے میں آنے والی شخصیت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تھا۔ اب جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے اُس نے انہیں کا طریقہ اپناتا تھا۔ مصر میں ایک تہذیب فرعون کی تھی اور دوسری تہذیب موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔ تو وہ فرعون وقت اپنی قوم کو موسیٰ سے مستعمل کرنے کے لئے بتاتا ہے کہ۔

انی اخاف ان یبدل دینکم

مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ تمہارا دین نہ خراب کر دے اور ایک جگہ لفظ ہے۔

وان یدھب بطریقکم المثلیٰ

تمہارا بہترین طریقہ جس کے مطابق تم زندگی گزار رہے ہو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ

کہیں تمہارے اس طریقے کو ختم کر کے تمہاری تہذیب کو خراب نہ کر دے۔

## تاریخ خود کو دہراتی ہے

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ آج وقت کا فرعون بھی یہی کہتا ہے کہ ہماری تہذیب سب سے اچھی ہے۔ اور اسلام سے خطرہ ہے کہ کہیں ہماری تہذیب کو ختم نہ کر دے۔ یہ وہی فرعون بنو نعرہ ہے۔ جو اس وقت فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لگایا تھا۔ آج کا فرعون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہی نعرہ لگاتا ہے گویا اُن کا طریقہ اچھا نہیں اور ہمارا طریقہ اچھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اسلام پھیل کر کہیں ہماری تہذیب کو ادل بدل نہ کرے۔

اب ایک طرف تو بش ملعون کی تہذیب ہے اور ایک طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ آپ درمیان میں کھڑے ہیں۔ تو اگر آپ نے اس بش ملعون کے طریقے کو اختیار کیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کے طریقے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مقابلے میں اچھا سمجھ لیا۔ تو جو اس عیسائی تہذیب کو، اس بش ملعون کے طور طریقے کو اچھا سمجھ کر اختیار کرے اور وہ کہے کہ واقعی یہ لباس اچھا ہے یہ رہنا سہنا اچھا ہے۔ اس طرح زندگی گزارنی اچھی ہے۔ تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔

## سنت کی پابندی ہی میں نجات ہے

- جب مقابلہ آجائے تہذیبوں کا۔ تو آپ ایک ایک سنت پر پابند ہو جائیں۔
- آپ کے نزدیک شکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اچھی ہو۔
- آپ کے نزدیک لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔
- آپ کے نزدیک کھانے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔
- آپ کے نزدیک زندگی کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اچھا ہو۔

اور ہم اس بش ملعون کی تہذیب پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تو پھر اس کا اظہار ہوگا کہ آپ کو واقعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اور اُن کے دشمن سے آپ کو نفرت ہے۔ اپنے دل میں غور کرو کہ تمہارے اندر کون سی تہذیب رچی ہوئی ہے اور کس تہذیب کو تم ترجیح دیتے ہو۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مقابلے میں کوئی دوسرا طریقہ ہے جس کو آپ اپنائیں؟ لیکن تم اپناؤ تو عیسائی تہذیب، طور طریقہ تمہارا کافروں والا ہو۔ تو اس بارے میں علامہ اقبال کا فتویٰ ہے۔

### تمدن میں تم نصاریٰ

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری شکل دیکھو تو عیسائیوں والی۔ رسم و رواج دیکھو تو ہندوؤں والے۔ کیا تم وہ مسلمان ہو جن کو دیکھ کے شرماؤں یہود۔ تو علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے کہ ان سب کاموں کے باوجود تم کہو کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ جس کا انسان عاشق ہوتا ہے اُس کے طور طریقے بھی انسان کو اچھے لگتے ہیں۔ سکھ کسی جگہ کھڑا ہوا اپنی تہذیب کے اعتبار سے وہ پہچانا جاتا ہے کہ یہ سکھ ہے اور ہمارے مسلمان قائدین جو اُن کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کوئی پہچان سکتا ہے کہ یہ کون ہیں؟

دہلی میں ایک شاعر تھا آغا صاحب کے نام سے لوگ اُس کو بلاتے تھے۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت عاشقانہ نظم لکھی۔ اور وہ نظم فارسی زبان میں تھی۔ اُس کی نظم کا بہت چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ وہ نظم ایران میں پہنچ گئی۔ تو وہاں بیچارہ ایک سادہ دل آدمی تھا۔ یہ نظم پڑھ کے اُس کے دل میں آیا کہ یہ شخص جس نے یہ نظم لکھی ہے کس قدر عاشق رسول ہے۔ میں نے سنا ہے کہ پاکپتن کے سجادہ نشین کسی میلاد کے جلسے میں شریک تھے۔ اور وہاں پر کسی نعت خواں نے حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ کی نظم:

اے رسولِ امین خاتم المرسلین  
تجھ سا کوئی نہیں ! تجھ سا کوئی نہیں

پڑھی تو اُس سجادہ نشین نے پوچھا یہ نظم کس کی ہے تو اُس کو بتایا گیا کہ ایک دیوبندی بزرگ کی ہے۔ تو اُس نے برملا بھرے مجمع میں کہا کہ اگر یہ نظم کسی دیوبندی بزرگ کی ہے تو میں آج کے بعد دیوبندی ہوں۔ ہے کسی میں ہمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اس طرح کی نظم کہنے کی۔؟ تو اب اُس ایرانی آدمی کو نظم پڑھ کر اُس شاعر کو دیکھنے کا شوق ہوا۔ تو وہ دہلی اُس شاعر کی زیارت کیلئے آ گیا۔ دہلی میں آ کر اُس کا پتہ معلوم کرنا چاہا تو کسی نے کہا کہ وہ فلاں حجام کی دکان پر بیٹھے ہوئے حجامت بنوا رہے ہیں۔ وہ وہاں پہنچا۔ تو اُس نے دیکھا کہ آغا صاحب داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر اُس کے تو ہوش کم ہو گئے۔ پریشان ہو کر کہنے لگا آغا صاحب۔

آیا ریش می تراشی؟..... آغا داڑھی منڈا تے ہو۔؟ تو آغا صاحب نے جواباً کہا بلے ریش می تراشم لیکن دے کس نمی خراشم

ٹھیک ہے کہ داڑھی منڈاتا ہوں لیکن میری عادت ہے کہ میں کسی کا دل نہیں دکھاتا۔ تو وہ آدمی کہنے لگا آغا!..... دے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) می تراشی..... آغا کیا بات کرتے ہو۔ تمہاری اس حرکت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے کہ کلمہ میرا پڑھتے ہیں اور تہذیب عیسائیوں کی۔ تو لکھا ہے کہ اُس آغا نے چیخ ماری اور وہیں پر بے ہوش ہو گیا۔ اور جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا

جزاک اللہ کہ قسم باز کردی

کہ مرا بہ جان جان ہماز کردی

اللہ تجھے بدلہ دے تو نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اور واقعہ ہے کہ سنت کے خلاف کرنے کی وجہ سے جس وقت ہمارے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے یا جب ہم یہ شکل صورت لے کر روضہ اقدس پر جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے کہ میرا یہ امتی کہاں بھٹکا ہوا ہے۔؟ اس لئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح محبت کرنی ہے تو اتباع سنت کرو۔ اور اتباع سنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوگی جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## سنت و بدعت میں فرق

بہ موقع 8 ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام 8 جامع مسجد باب العلوم کھروڑپکا

وقت 8 بعد عشاء

تاریخ 8 محرم الحرام: ۱۴۲۵ھ



## سنت و بدعت میں فرق

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسَنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!

اما بعد!

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِذَعَةٍ وَكُلُّ بِذَعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ  
أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

صَدَقَ رَسُولُنَا الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ لِمَنِ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ  
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

لِلّٰهِمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ  
وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى عَذَّةً مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى

اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔



### تمہید

محرم کا مہینہ اور اس کے ابتدائی ایام ہیں۔ ان تاریخوں میں کچھ تاریخی واقعات بھی ہیں اور کچھ لوگوں نے رسم و رواج اختیار کر رکھے ہیں جن کے متعلق ضروری ہے کہ شریعت حقہ کی روشنی میں ان کی وضاحت کر دی جائے کہ ان میں سے کون سا طرز عمل درست ہے اور کون سا درست نہیں ہے۔

مجمع چونکہ طلباء کا ہوتا ہے اور مقصد بھی طلباء کے خیالات کی اصلاح ہے۔ بار بار ذکر کر چکا ہوں کہ اس ہفتہ وار بیان میں زور بیان دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ بات سمجھانا مقصود ہوتا ہے گویا یہ بھی باقاعدہ ایک تعلیم کا شعبہ ہے۔

✽ جس میں آپ حضرات کے خیالات.....

✽ جس میں آپ حضرات کے عقائد.....

✽ جس میں آپ حضرات کے اعمال.....

کے متعلق آپ کو اصلاحی ہدایات دی جاتی ہیں۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا مختصر سے وقت میں دو چار اہم باتیں آپ کے ذہن میں ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے سمجھانے کی توفیق دے۔ اللہ کی سب سے بڑی عنایت اور رحمت یہ ہے کہ اُس پر عمل کی بھی توفیق دے۔

### ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہے

پہلی بات یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں اور بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہماری نسبت علماء دیوبند کی طرف ہے۔ علماء دیوبند کی خصوصیت جو سب سے زیادہ ممتاز ہے وہ سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب ہے۔ یاد رکھنا ان الفاظ کو۔ اس لئے ہم بدعتی نہیں ہیں سنی ہیں۔ سنت کی اتباع کرتے ہیں۔ بدعت سے بچتے ہیں۔

### بدعت کسے کہتے ہیں

مختصر سے الفاظ میں بدعت کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں

آجائے۔ یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی۔ یہ باب الاعتصام میں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.....

اور ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد.....

احداث نئی چیز پیدا کر لینا۔ ہر نئی پیدا کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور پھر گمراہی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔

### نئی چیز سے کیا مراد ہے

نئی پیدا کی ہوئی چیز سے کیا مراد ہے؟ جس کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ آپ سے اگر کوئی بات کرتا ہے تو آپ جلدی سے کہہ دیں گے کہ بدعت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی اور اب ہونے لگ گئی۔ تو جاہل آدمی بھی اس پر فوراً اعتراض کر دیتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں گھڑی نہیں تھی، آپ گھڑی کیوں استعمال کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ریل نہیں تھی، آپ ریل پر سفر کرتے ہیں، اُن کا اعتراض درست ہوتا ہے، آپ کی تعریف غلط ہوتی ہے۔ اگر آپ نے صحیح تعریف کی ہوتی تو وہ یہ اعتراض نہ کرتے۔

### بدعت کی درست تعریف

بدعت کی صحیح تعریف سمجھو۔ ایک دفعہ کسی شخص نے ہمارے کسی کام پر اعتراض کرتے ہوئے میرے سامنے کہا کہ یہ کام حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ آپ کیوں کرتے ہیں یہ بدعت ہے۔ میں نے کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تو بھی نہیں تھا پھر تو بھی بدعت ہے۔ بات صاف ہے کہ اگر بدعت کی یہی نشانی ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہو تو آپ لوگ حضور ﷺ کے زمانے میں تھے؟ اس کا مطلب یہ ہوا

کہ آپ سر سے لے کر پاؤں تک مجسمہ بدعت ہیں۔ اس لئے بدعت کی یہ تعریف درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین جسے اللہ نے ہم تک پہنچایا۔ اس کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک چار دلائل ہیں۔ جن کے ساتھ دین کا مسئلہ ثابت ہو حق ہے۔

کتاب اللہ..... سے ثابت ہو حق ہے۔ سنت رسول اللہ، سرور کائنات ﷺ کی سنت..... سے ثابت ہو حق ہے۔ اجماع اُمت..... اس میں خاص طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ جو مسئلہ اُن کے نزدیک دین ہو وہ دین ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور جس پر اُمت جمع ہو جائے وہ ہدایت ہے ضلالت نہیں۔ اس لئے کسی مسئلے کے حق ہونے کے لئے تعامل اُمت مستقل دلیل ہے اور چوتھے نمبر پر ہے قیاس صحیح، ہمارا سب دین اور ہمارے مسائل ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت ہوتے ہیں:

✽ کتاب اللہ.....

✽ سنت رسول اللہ.....

✽ اجماع اُمت.....

✽ قیاس صحیح.....

پھر قیاس صحیح کے چار رکن ہیں۔ ۱۔ اصل ہو..... ۲۔ فرع ہو..... ۳۔ علت ہو..... ۴۔ حکم ہو..... پھر اس کا تعدیہ ہوتا ہے اس لئے قیاس معمولی بات نہیں ہے بلکہ اُصول فقہ میں یہ بہت مشکل بحث ہے۔ دین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے تو ان چار دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا ایسی ہر بات جو آپ نے دین اور شریعت کا مسئلہ سمجھ کر کی اور اُسے آپ نے ثواب سمجھا لیکن وہ ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے۔ میں یہ گھڑی اگر باندھتا ہوں تو دین سمجھ کر نہیں باندھتا۔ اس لئے اس پر بدعت کی تعریف سچی نہ آتی..... میں ریل پر سوار ہوتا ہوں تو اُس کو دین کا مسئلہ نہیں سمجھتا کہ قرآن میں آتا ہے یا حدیث میں آتا ہے کہ ریل پر چڑھا کرو، بس یا کار پر سفر نہ کرو یہ

ثواب ہے۔ ایسا کہتا ہے کوئی۔؟ اس لئے یہ دین کے مسائل نہیں ہیں اور جب یہ دین کے مسائل نہیں ہیں تو ان کے لئے بدعت کا لفظ بھی نہیں بولیں گے..... لاؤ ڈسپیکر ہم دین سمجھ کر استعمال نہیں کرتے بلکہ ضرورت کی وجہ سے استعمال کرتے ہیں کیونکہ مجمع کی زیادتی کی بنا پر دُور تک آواز نہیں پہنچتی اور یہ ایک ذریعہ ہے جس سے آواز اُونچی ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی اُسے استعمال کرتا ہے تو ہم اُس کو ثواب نہیں کہتے۔ نہیں استعمال کرتا تو ہم اُس کو گناہ نہیں کہتے۔ میری جگہ کسی ایسے شخص کو بٹھا دو جس کی آواز اُونچی ہو تو سپیکر کو ایک طرف کر کے رکھ دو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے لاؤ ڈسپیکر کا استعمال بدعت نہیں ہے کیونکہ کہ ہم اس کو دین کا مسئلہ سمجھ کے استعمال نہیں کرتے..... یہ موٹی سی بات سادے الفاظ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ آپ دین سمجھ کر کام کریں، اُس کے کرنے کو باعث ثواب سمجھیں، نہ کرنے کو بُرا کہیں، اور اُس کام کا دین ہونا ان چار دلیلوں میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے..... اُس کو بدعت کہتے ہیں۔

### اللہ کی منشاء بیان کرنا منصب نبوت ہے

جس طرح توحید کے مقابلے میں شرک ہے اُسی طرح سنت کے مقابلے میں بدعت ہے۔ بدعت سنت سے بغاوت ہے۔ اللہ کے نزدیک کون سی چیز پسندیدہ ہے کون سی پسندیدہ نہیں اللہ کی منشاء کیا ہے؟ اس کو بیان کرنا رسول کا منصب ہے۔ جو اللہ نے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک طریقہ بتایا کہ دین کا مسئلہ یوں سمجھا کرو کہ کتاب اللہ میں دیکھو، میرے قول و فعل میں دیکھو، میری تیار کردہ جماعت کے قول و فعل وغیرہ میں دیکھو۔

یہ دین کے سمجھنے کا طریقہ ہے اب ہم اس طریقے کے مطابق سمجھیں گے تو پتہ چلے گا کہ اللہ کے احکام کیا ہیں اور اللہ کیا چاہتا ہے؟ کیا نہیں چاہتا؟ جو آدمی ان واسطوں کو چھوڑ کر از خود کہے کہ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے یہ اصل میں درپردہ دعویٰ

نبوت ہے۔ اس لئے یہ بہت مذموم چیز ہے اور یہ شریعت کے مقابلے میں بغاوت ہے۔ اس لئے بدعت بہت بڑی چیز ہے اللہ کے دین میں ایک نیا دین بنانے والی بات ہے۔ اللہ نے دین سمجھنے کا جو طریقہ بتایا ہے اُس کے مقابلے میں ایک نئی ایجاد ہے۔

### بدعت سنت سے بغاوت ہے

ایسے اعمال جاری کرنا جن کا دین ہونا اللہ کے بیان، اللہ کے رسول کے بیان کے مطابق ثابت نہ ہو۔ یہ جعلی سکھ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس دینی سلطنت کے اندر چلایا جاتا ہے۔ چاہے اُس میں ظاہری طور پر کتنی ہی رونق ہو۔ چاہے وہ ظاہری طور پر کتنا ہی خوشنما ہو۔ لیکن یہ بغاوت ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری نہیں ہے۔ اس لئے اس پر ثواب نہیں ہوگا چاہے تم جتنا مال خرچ کرلو۔ جتنا وقت لگا لو، کتنی محنت کرلو، یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص پاکستان میں رہتے ہوئے مشرق کی طرف منہ کر کے ساری رات نوافل پڑھتا رہے۔ محنت اُس شخص نے بہت کی ہے لیکن جتنے زیادہ نفل پڑے گا اتنے جوتے زیادہ کھائے گا۔ (یہ بات ہے یا نہیں؟) یہ بدعت کا مفہوم ہے۔

### بدعت جعلی سکھ ہے

اگر آپ مزید اچھی طرح سمجھنا چاہیں تو ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ آپ کے ہاں کرنسی نوٹ چلتا ہے سوکا ہے، پانچ سوکا ہے، ہزار کا ہے۔ یہ سرکاری ضمانت کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کے اوپر وزیر خزانہ کے دستخط ہوتے ہیں۔ یہ نیا ہو تو بھی اُس کی مالیت ہے۔ پرانا ہو تو بھی اُس کی مالیت ہے۔ حتیٰ کہ پھٹ جائے تو بھی اُس کی مالیت ہے۔ اور آپ میں سے ایک آدمی اُٹھتا ہے، اس سے بہترین کاغذ لیتا ہے اور اُس پر خوبصورت رنگ روغن استعمال کرتا ہے، اور اُس پر نسبتاً سرکاری نوٹ کے زیادہ اچھے پھول بوٹے بناتا ہے اور اُس نوٹ کو بازار میں لا کر کہتا ہے کہ دیکھو میں نے نوٹ بنایا ہے، اس نوٹ سے اس کا کاغذ بھی اچھا ہے۔ پھول بوٹے بھی اچھے ہیں۔ رنگ و روغن بھی اچھا ہے۔

اس لئے تم یہ نوٹ لے لو۔ تو آپ جانتے ہیں کہ وہ نوٹ بازار میں قیمت نہیں پائے گا بلکہ ایسا نوٹ بنانے والا حکومت کا مجرم ہوگا۔ ہتھکڑی لگ جائے گی۔ جیل میں چلا جائے گا۔ اُس کا یہ کاغذ کا نوٹ چاہے خوبصورت ہے لیکن مارکیٹ میں اُس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اسی طرح بدعت جعلی سکہ ہے اور سنت کے مطابق عمل اصلی سکہ ہے جو سرکاری ضمانت سے جاری ہوا ہے وہ اگر سادی سی بھی ہوگی تو بھی اللہ کے ہاں قبول ہے۔ اجر پائے گی۔ اور بدعت روشنی کر کے، قمقمے لگا کے، سائبان لگا کے، پھول لگا کے، چاہے اُس کو کتنا پر رونق کر لو لیکن اُس کے مقابلے میں سادی سنت اللہ کے ہاں قبول ہے اور یہ روشنیوں سے بھری ہوئی بدعت اللہ کے ہاں مردود ہے..... یہ بدعت کا مفہوم ہے۔ اس لئے کام کرنے سے پہلے مومن کا کام ہے کہ سوچ لے کہ جو کچھ میں کرنے لگا ہوں اور اس کو دین سمجھ کر کر رہا ہوں۔ کیا اس کا دین ہونا ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اگر دین ہونا ثابت ہو تو خوشی سے کیجئے اور اگر دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو پھر اُس کو ترک کر دیں۔ پھر اُس پر نہ اپنا مال ضائع کریں، نہ وقت ضائع کریں، اُس سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے بدعت کی نفرت اپنے دل میں بٹھالیجئے اور سنت کی محبت دل میں بٹھالیجئے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من احب سنتی..... جو میری سنت کے ساتھ محبت کرے.....

فقد احبنی..... اُس نے میرے ساتھ محبت کی.....

ومن احبنی کان معی فی الجنة

اور جو میرے ساتھ محبت کرے گا میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اس لئے سنت کی محبت سے اللہ کے رسول کی رفاقت ملے گی اور بدعت سے اللہ اور اللہ کا رسول ناراض ہوتا ہے۔

## مسئلہ ایصال ثواب

اس تمہید کو ذہن میں رکھنے کے بعد دوسرا مسئلہ ایصال ثواب کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ کو بتا دوں کہ ایصال ثواب میں سنت طریقہ کیا ہے؟ اور اُس سنت

طریقے کے خلاف ہم کیا طریقہ اپناتے ہیں؟ جو سنت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنا سرمایہ بھی ضائع کرتے ہیں۔ وقت بھی ضائع کرتے ہیں، اس سے ہمیں کچھ نہیں ملتا تو آگے مردوں کو کیا بھیجنا ہے؟

### اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا مسلک

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایصالِ ثواب حق ہے، صحیح ہے۔ مرنے والے کو بھی بھیجا جاسکتا ہے اور زندہ کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ کام آپ کریں اور میرے نامہ اعمال میں درج کروادیں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ دو نفل پڑھیں اور اُس کے بعد آپ کہہ دیں کہ اے اللہ میرے نفل قبول فرما اور اس کا ثواب میرے اُستاد کو دے دے تو آپ کے نامہ اعمال میں بھی وہ نیکی رہے گی کیونکہ آپ نے ایک مسلمان سے خیر خواہی کی ہے اور جس کو آپ نے دینا چاہا ہے اُس کے نامہ اعمال میں بھی لکھی جائے گی۔

### مسئلہ ایصالِ ثواب پر معتزلہ کا اعتراض

اس پر اعتراض صرف معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ کرے کوئی اور ثواب کسی کو پہنچ جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سلسلے میں وہ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہیں۔

لِیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى.....

انسان کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کوشش کرے۔ کسی دوسرے کی کوشش سے انسان فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب قرآن میں صاف آگیا ہے تو پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ثواب کسی اور کو دیا جاسکتا ہے؟ یہ اُن کی دلیل ہے۔

### آیت لیس للانسان کا مطلب

پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے دیوبند کے اساتذہ اور بزرگوں میں دیوبند کے پہلے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب ہیں، فتاویٰ عزیز یہ انہیں کا ہے۔ طالب علموں کو اپنے اکابر کے حالات اور اُن کے نام سے یاد رکھئے چاہئیں۔ یہ شیخ



الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے والد کی طرف۔۔۔ بڑے بھائی ہیں۔۔۔ ماں علیحدہ ہے۔۔۔ اور ہمارے جتنے علماء دیوبند مشہور ہیں اُن سب کے پیر اور اُستاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ہیں۔ جس طرح دیوبند ایک قصبے کا نام ہے اسی طرح گنگوہ بھی ایک قصبے کا نام ہے۔۔۔ اور یہ میرے خیال کے مطابق دیوبند سے 25 میل کے فاصلے پر ہے۔ میں دیوبند سے گنگوہ گیا ہوں لیکن چونکہ سواری پر گئے تھے اس لئے صحیح سفر کا اندازہ نہیں۔۔۔ دیوبند سے نانوتہ اور پھر گنگوہ آتا ہے۔۔۔ یہ سب شہر آپس میں قریب قریب ہیں۔۔۔ تھانہ بھون نانوتہ سے 6 میل کے فاصلے پر ہے۔۔۔ جلال آباد 4 میل کے فاصلے پر ہے۔۔۔ میں الحمد للہ ان سب علاقوں میں گھوما ہوں۔۔۔ میرا یہ سفر 1980ء میں ہوا تھا۔ یہ یاد رکھئے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سب علماء دیوبند کے بڑے ہیں اور دیوبندی نسبت اصل کے اعتبار سے گنگوہی نسبت ہے۔۔۔ اگرچہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ معروف ہیں لیکن اُن کے ساتھ بھی حضرت گنگوہیؒ تھے۔۔۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات بہت جلد ہو گئی تھی۔ غالباً 1297ھ میں جب 1283ھ میں دیوبند کے بنیاد رکھی گئی تھی تو دیوبند کی بنیاد رکھنے کے چودہ سال بعد مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات ہو گئی تھی اور حضرت گنگوہیؒ 1322 یا 1323ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ گویا حضرت نانوتویؒ کے بعد تقریباً 26 سال تک حضرت گنگوہیؒ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست رہے ہیں۔۔۔ اس لئے اصل دیوبند کی نسبت نسبت گنگوہیؒ ہے اور یہ تمام حضرات:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت گنگوہیؒ کے باقاعدہ مرید نہیں تھے۔۔۔ درخواست بیعت انہوں نے حضرت گنگوہیؒ سے کی تھی لیکن حضرت نے فرمایا تھا کہ ابھی پڑھ رہے ہو پڑھ کے جب فارغ ہو جاؤ گے پھر دیکھا جائے گا۔۔۔ جب حضرت گنگوہیؒ حج پر گئے تو حضرت تھانویؒ

نے طالب علمی کے زمانے میں ہی حضرت گنگوہیؒ کو رقعہ دیا حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام اور وہ اُس وقت مکہ معظمہ میں تھے اور اُس میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت لکھی کہ میں نے اُن کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی تھی انہوں نے قبول نہیں کی جب حاجی صاحب نے وہ رقعہ کھولا تو ہنس پڑے کہ آپ کی شکایت لکھی ہے اور آپ ہی رقعہ لے گئے ہیں۔

فرمایا کہ اشرف علی نے آپ کی شکایت کی ہے کہ میں نے بیعت کی درخواست کی تھی مولانا نے مجھے بیعت نہیں کیا تو آپ اُس کو کہہ دینا کہ میں نے تجھے بیعت کر لیا۔ تو حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط کے ذریعہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کر لیا تھا۔ لیکن حضرت تھانویؒ نے ساری زندگی حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ وہی نیاز مندی کا تعلق رکھا ہے جس طرح ایک مرید کا پیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ کی عزت میں پوری طرح دخیل ہیں۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب علماء دیوبند کے بڑے تھے۔

### مفتی عزیز الرحمن کا اشکال

مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک رات جلالین کا مطالعہ کر رہے تھے اور سورہٴ نجم مطالعے میں تھی..... جب مطالعہ کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے۔

لِیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى.....

تو فوراً دل کے اندر اشکال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوشش کا ذکر کیا ہے کہ انسان کو صرف وہی ملے گا جو وہ کوشش کرے تو پھر ایصالِ ثواب کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہی معتزلہ کا استدلال و سو سے کے طور پر ذہن میں آیا..... خیال آنا ہی تھا کہ یکدم خوف کی کیفیت طاری ہوئی کہ قرآن کریم کی ایک آیت اور حدیث شریف کی روایت جس میں ایصالِ ثواب کا ذکر ہے اگر مجھے ان دونوں کے درمیان تطبیق کا پتہ نہ چلا اور میں اسی صورت میں مر گیا تو یہ بڑے نقص کی بات ہوگی..... فوراً اُسی وقت رات کو اُٹھ کر گنگوہ

چل دیئے کہ حضرت کے پاس چلتے ہیں وہاں جا کر شبہ کا ازالہ ہوگا..... راتوں رات چلے اور گنگوہ پہنچ گئے..... حضرت گنگوہی وضو کر رہے تھے جب آپ نے مولانا عزیز الرحمن دیکھا تو فرمایا کہ مولانا رات کو کیسے؟ تو عرض کیا کہ حضرت یہ اشکال پیش آیا ہے اس کے متعلق ذہن میں کوئی تسلی بخش بات نہیں آئی۔ ایک طرف تو ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں اور دوسری طرف قرآن کریم میں آتا ہے کہ انسان کو صرف اُس کی کوشش ملے گی۔ تو پھر ایصال ثواب کا کیا مطلب ہوا؟ ان دونوں باتوں کا جوڑ کس طرح لگے گا؟ آپ نے وضو کرتے کرتے ہی فرمایا..... واہ مولانا! آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہاں پر سعی..... سے سعی ایمانی مراد ہے اور یہ آخرت کا مسئلہ ہے کہ دنیا سے کوئی ایمان ساتھ لے کر نہیں جائے گا تو وہاں کسی کا ایمان اُس کے کام نہیں آئے گا۔ پھر تم کہو کہ میرے پاس ایمان ہے اپنے باپ کو دے دو۔ ایمان والی کوشش کسی کی دوسرے کے کام نہیں آئے گی۔ ایمان یہاں سے لے کر جائیں گے..... باقی اگر انسان محنت کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اپنی محنت کا ثمرہ کسی کو دینا چاہتا ہے تو کون روکتا ہے۔ لیکن ایمان کے بارے میں پابندی ہے۔ باپ مشرک ہے بیٹا نبی بھی ہوگا تو باپ کے کام نہیں آسکے گا۔ ایمان کے درجے میں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

باقی جب ایمان محفوظ ہو۔ مومن آدمی ہو تو اپنی محنت جس طرح دنیا میں ہم کسی کو کھلائیں پلائیں کوئی نہیں روک سکتا، اسی طرح آخرت کے معاملے میں محنت ہم کریں ثواب دوسرے کو دیں کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

## قبر میں جاتے وقت مردے کی حالت

حدیث میں آتا ہے جب انسان قبر کے اندر جاتا ہے تو اُس کی حالت ایسے ہوتی ہے جس طرح ڈوبتا ہوا انسان مدد کو پکارتا ہے۔

کا الغریق المتغرس.....

مدد کا طالب، ڈوبنے والا جس طرح جھانکتا ہے کہ میری کوئی دستگیری کرے اور

مجھے پکڑے اُس وقت انسان اس طرح ہوتا ہے اور جب اپنے پچھلوں کی طرف سے اُسے ثواب پہنچتا ہے تو اُس کے لئے انتہائی خوشی کی بات ہوتی ہے، کسی نے اُس کے لئے استغفار کر لیا کسی نے اُس کے لئے دعا کر لی۔ اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کی برزخ کی تکلیف کو دور کرتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں۔

دعاء کے ساتھ فائدہ پہنچتا ہے۔ مالی صدقے کے ساتھ فائدہ پہنچتا ہے۔ بے شمار روایات ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ مال خرچ کریں اور دل میں نیت کریں اور اگر زبان سے بھی ساتھ کہہ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ یا اللہ یہ چیز قبول فرما۔ کسی غریب کو آپ نے پکڑے دے دیئے اور دل میں نیت کر لی کہ یہ میں اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لئے دے رہا ہوں۔ پس اللہ کے علم میں یہ بات آگئی آپ کے دل کی نیت ہے وہ پکڑے جو آپ نے دیئے ہیں اُس کا ثواب آپ کی والدہ کے کھاتے میں بچلا جائے گا اور اُس کو ثواب پہنچ جائے گا۔ زبان سے کہہ لو یا اللہ اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب میری والدہ کو دے دے بالکل پہنچے گا۔ کسی کو کھانا کھلا دو، عمارت بنا دو کوئی نیکی کا کام کر لو وہ پہنچتا ہے۔ بدنی عبادت! آپ نفل پڑھ کر کہیں کہ یہ ثواب فلاں کو پہنچ جائے آپ تلاوت کر کے کہیں کہ ثواب فلاں کو پہنچ جائے پہنچ جائے گا۔ اس ثواب کے پہنچانے کے لئے کسی مولوی، کسی ملاں کسی حافظ کا واسطہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ (یہ بات یاد رکھنا) آپ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے معاملہ رکھیں خرچ کریں اور دل میں نیت کر لیں زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ کہ یہ کام میں اپنے والد کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ یہ کام میں اپنے شیخ و استاد کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ یہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتا ہوں۔ تابعین کیلئے کرتا ہوں، حتیٰ کہ انبیاء کے لئے کرتا ہوں ثواب پہنچ جائے گا۔ آپ کا معاملہ آپ کے اللہ کے ساتھ ہے۔

میں آپ کو اپنی بات بتاتا ہوں کہ ایک دفعہ میں عصر کے وقت کھیتوں کی سیر کے لئے نکل گیا۔ ایک جاٹ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا مجھے دیکھا تو اٹھ کر میری طرف آیا اور کہنے لگا کہ مولوی جی۔ ایک مسئلہ تو بتا دو؟ میں نے کہا کیا؟ کہنے لگا کہ گیارہویں اگر

غیر سید کو دے دیں تو بھی ہو جاتی ہے؟ میں نے کہا کہ تو پوچھنا کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا کہ ہم تو پہلے جو کوئی پڑھا لکھا مل جاتا ختم دلوا کر اُس کو دے دیتے تھے۔ اب ایک شاہ صاحب آیا تھا وہ کہتا تھا کہ جب تک سید کو نہ دو یہ ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کیا گیارہویں سید کو کھلانا ضروری ہے؟ میں نے کہلہاں۔ سید ہی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیٹر بکس ہیں۔ وہاں تک خط بھیجنے کے لئے انہی لیٹر بکسوں میں ڈاک ڈالیں گے تو آگے جائے گی ورنہ نہیں جائے گی۔ میں نے کہا تم اُسے کھانے کے لئے ویسے ہی کچھ دے دیتے تو اُس کو یہ مسئلہ بتانے کی کیوں ضرورت پیش آتی۔؟ آخر وہ اپنے پیٹ کو پالنے کے لئے کوئی نہ کوئی حربہ تو لازماً کرے گا۔ ارے بات سمجھے۔؟

### علماء کی دو قسمیں

کہتے ہیں کہ علماء دو قسم کے ہیں ۱۔ علماء سوء۔ ۲۔ علماء حق..... علماء سوء کا مطلب بد عمل عالم نہیں ہے کیونکہ ایک عالم ہو گناہ گار ہو وہ علماء سوء میں سے نہیں ہے اُس کی عملی کوتاہیوں کے لئے تو:

- ❖ فرشتے استغفار کرتے ہیں۔
- ❖ مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔
- ❖ چیونٹیاں استغفار کرتی ہیں۔
- ❖ ہوا میں پرندے استغفار کرتے ہیں۔
- ❖ پوری کائنات استغفار کرتی ہے۔

کہ یا اللہ یہ تیرا عالم بندہ ہے اس کے گناہ معاف کر دے اُس کے لئے تو ساری کائنات دعائیں کرتی ہے اور علماء سوء کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے۔

يَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ..... لعنت کرنے والے اُن پر لعنت کرتے ہیں اور علماء سوء پر پوری کائنات لعنت کرتی ہے۔ تو علماء سوء وہ ہوتے ہیں جو کتمانِ حق کریں اور حق مسئلہ نہ بتائیں اور دنیا کمانے کے لئے اپنے علم کو خرچ کریں۔ اور یہ لوگوں کے لئے گمراہی کا

باعث بنتے ہیں۔ تو علماء سوء وہ ہوتے ہیں۔

الذین یکتُمون ما انزلنا ..... اللہ نے جو دین اُتارا اُس کو چھپاتے ہیں اور لوگوں کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے۔ اور دنیاوی مفاد کے لئے اپنے علم کو صرف کرتے ہیں۔ اور اس علم کے پردے میں لوگوں کو لوٹتے ہیں وہ علماء سوء ہوتے ہیں اس لئے صحیح بات بتاؤ چاہے اُس میں اپنا مالی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ کو خوب اچھی طرح یاد کر لو۔

### ایصال ثواب کا طریقہ

ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ حلال کمائی میں سے خلوص کے ساتھ اپنا معاملہ براہ راست اللہ سے رکھو۔ اور اگر آپ نے یوں کہہ لیا کہ مرنے کے تیسرے دن ہی ایصال ثواب کرنا ہے اور یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ نویں دن ہی ایصال ثواب کرنا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ بیسویں دن ایصال ثواب کرنا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ چالیسویں دن ثواب پہنچانا ہے یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اور یہ اسلامی طریقہ ہے۔ مسلمانوں کا طریقہ ہے، ایسا کرنا چاہئے ایسا کرنے سے ثواب پہنچتا ہے۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ اب چاہے آپ اس میں چالیس من گوشت پکا کر بڑے بڑے فقیروں میں تقسیم کر دو وہ اُس کو کھائیں اور چلے جائیں۔ تو سرمایہ برباد کیا، وقت ضائع کیا۔ جو کچھ کیا اپنی شہرت کے لئے کیا۔ نہ کہ رضا الہی کے لئے۔ اگر اللہ کی رضا کے لئے کیا ہوتا تو کسی سے پوچھ لیا ہوتا کہ اللہ راضی کس طرح ہوتا ہے۔؟ تو وہ آپ کو بتاتا کہ خلوص نیت سے اللہ کے راستے میں خرچ کئے ہوئے پانچ روپے، پانچ لاکھ کے مقابلے میں وزنی ہیں۔ اگر تم نہ سمجھو تو میں کیا کروں۔؟ خرچ کرتے رہو جتنا چاہو کرو۔ لیکن وہ شہرت کے لئے ہے۔ اس کو میں برادری ٹیکس کہا کرتا ہوں۔ کہ چونکہ اُن کا بوڑھا کھایا تھا اس لئے اپنا بوڑھا بھی کھانا ہے۔ اس لئے یہ دین کا مسئلہ نہیں ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



# معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

بہ موقع ۸ سالانہ جلسہ

بہ مقام ۸ جامعہ خیر العلوم خیر پور ٹاٹا والی

وقت ۸ بعد جمعہ

تاریخ ۸ ۲۳ مارچ ۲۰۰۶ء بروز جمعۃ المبارک

## معاشرے کی اصلاح کیسے ہو

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ لَهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ! ..... أَمَّا بَعْدُ!  
فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا  
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا  
تَفَرَّقُوا وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ  
بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى  
شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

صَدَقَ اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى  
ذَلِكَ لِمَنِ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔  
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ  
وَتَرْضَى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔



### تمہید

قرآن کریم کے جو الفاظ آپ کے سامنے پڑھے ہیں۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ.  
 اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں  
 ہرگز موت نہ آئے مگر اسلام کی حالت میں..... یعنی موت تک اسلام کے اوپر جمے رہو۔  
 یہ ہوا اس کا حاصل۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً.....

سب اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔.....

ولا تفرقوا.....

آپس میں جدا جدا نہ ہو۔.....

واذکرو نعمۃ اللہ علیکم.....

اور اللہ کا احسان یاد کرو جو اللہ نے تم پر کیا۔.....

اذکنتم اعداء.....

جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔.....

فالف بین قلوبکم.....

اللہ نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو۔

فاصبحتم بنعمته اخواناً.....

اللہ کے احسان کے ساتھ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔.....

وکنتم علی شفا حفرة من النار.....

اور جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔.....

فانقذکم منها کذلک یبیین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تهتدون.

اللہ نے تمہیں اُس سے چھڑایا، نجات دلائی۔ اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے

بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔ یہ ان آیات کا ترجمہ ہے جو آپ کے سامنے پڑھی تھیں۔ اور ان آیات کا ذکر چوتھے پارے کی ابتداء میں ہے۔

دو لفظ ایسے ہیں کہ جن کو ہر آدمی سمجھتا ہے ایک لفظ صحت ہے اور ایک لفظ بیماری ہے۔ پڑھے لکھے بھی جانتے ہیں کہ صحت کیا ہوتی ہے؟..... اُن پڑھ بھی جانتے ہیں صحت کسے کہتے ہیں؟ اور بیماری کو بھی سب جانتے ہیں۔ ہر آدمی کو صحت اور بیماری سے واسطہ پڑتا ہے تو صحت اور بیماری جس طرح انفرادی طور پر شخصی وجود..... افراد..... میں ہوتی ہے ایسے ہی اجتماعی وجود..... معاشرے..... میں بھی ہوتی ہے۔

### شخصی صحت کیا ہے؟

ہماری شخصی صحت کیا ہے؟ اللہ نے ہمیں کچھ ظاہری اعضاء دیئے ہیں اور کچھ باطنی اعضاء دیئے ہیں..... ظاہری اعضاء میں ہاتھ، پاؤں آنکھیں، کان وغیرہ ہیں..... ہمارا چلنا پھرنا ان اعضاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے..... یہ اعضاء سب کے سب آپس میں موافقت کرتے ہیں..... اگر یہ اپنی اپنی پرد کی ہوئی ڈیوٹی کو سرانجام دیتے ہوں تو یہ علامت ہے کہ ہمارا ظاہر صحت مند ہے..... پاؤں کا کام چلنا ہے، وہ ٹھیک چلتے ہیں۔ ہاتھ ٹھیک کام کر رہے ہیں، آنکھ اپنا کام ٹھیک دے رہی ہے، کان اپنا کام ٹھیک کر رہے ہیں، ناک اپنا فرض ادا کر رہا ہے، زبان صحیح طور پر بول رہی ہے، جب یہ سب اعضاء صحیح طرح کام کر رہے ہوں تو ہمیں ظاہری صحت حاصل ہے۔

اور ہمارے باطنی اعضاء! معدہ ٹھیک کام کر رہا ہے، کھانا ہضم کر رہا ہے، جگر ٹھیک کام کر رہا ہے، خون بنا رہا ہے، اور ہمارا دل ٹھیک دھڑک رہا ہے، اپنا فرض سرانجام دے رہا ہے، ہمارا دماغ صحیح کام کر رہا ہے، تو جب یہ اندر کا سب کا سب نظام ٹھیک چل رہا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہر و باطناً مکمل صحت حاصل ہے۔

### بیماری کیا ہے؟

بیماری کیا ہے؟ ان اعضاء کا اپنے کام کو سرانجام دینے سے رُک جانا یا غفلت

کرنا۔ مثلاً ہاتھ پکڑتے نہیں، آنکھ دیکھتی نہیں، کان سنتے نہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، جگر خون نہیں بناتا، دماغ صحیح سوچتا نہیں، حافظہ بات یاد نہیں رکھتا۔ جب اعضاء میں یہ صورت حال شروع ہو جائے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم بیمار ہیں اور اس کو بیماری کہتے ہیں۔

## موت کی تعریف

ہمارے تخصی وجود میں ظاہر اور باطن کو کنٹرول کرنے کے لئے اور ہماری بدنی مشین کو سنبھالنے کے لئے اللہ نے ایک روح ہے رکھی ہے، جو ہماری ساری مشینری کو سنبھالے ہوئے ہے..... اور ان بیماریوں کے نتیجہ میں جب یہ روح اور بدن کا آپس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو اس کو موت کہتے ہیں..... جب تک یہ تعلق کسی درجے میں بھی قائم ہے، ہم زندہ ہیں..... اور بیماریوں کے نتیجہ میں جب یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے تو ہم مر جاتے ہیں..... یہ موت ہے جس وقت تخصی موت آ جاتی ہے تو اس وقت ہاتھ کام دیتے ہیں نہ پاؤں، بلکہ اُن کے جڑے رہنے کی جو کیفیت تھی وہ بھی ختم ہو جاتی ہے، آہستہ آہستہ اعضاء بکھر جاتے ہیں۔

✽ پاؤں علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

✽ ہاتھ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

✽ گوشت علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

✽ ہڈیاں علیحدہ ہو جاتی ہیں۔

اور ذرات کی شکل میں انسان بکھر جاتا ہے..... موت آ جانے کے بعد بدن کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بدن جڑا نہیں رہتا..... پھر یہ منتشر ہو جاتا ہے..... یہ تو تخصی موت و حیات کا قصہ ہے۔ اور انفرادی صحت اور بیماری کی بات ہے۔

## معاشرے کی صحت و بیماری

اسی طرح ایک اجتماعی زندگی ہم گزار رہے ہیں جس کو ہم معاشرہ کے ساتھ تعبیر

کرتے ہیں۔ معاشرہ صحت مند بھی ہوتا ہے اور بیمار بھی ہوتا ہے۔ اُس کو بھی صحت اور بیماری لاحق ہوتی ہے..... اُس کی صحت یہ ہے کہ سب کا سبب معاشرہ آپس میں جڑا ہوا ہو، ہر ایک اپنا فرض صحیح طور پر ادا کر رہا ہو حتیٰ کہ جمعدار کی ذمہ داری ہے سڑکیں، نالیاں صاف کرنا، وہ اپنا کام وقت پر کرتا ہے..... کاشتکار کا کام ہے فصل اُگانا وہ پوری محنت کرتا ہے اور مخلوق کے لئے غلہ پیدا کرتا ہے..... اور حاکم کا کام ہے افراد کے درمیان انصاف کو قائم رکھنا تا کہ کوئی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے..... افسر دفتر میں بیٹھا اپنا کام صحیح سرانجام دے رہا ہے۔..... باپ کو باپ ہونے کا احساس ہے کہ میں باپ ہوں، اولاد کے میرے ذمے کچھ حقوق ہیں اور اولاد کو، اولاد ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ ہم کسی کی اولاد ہیں، اور ہمارے باپ کے ہمارے ذمے کچھ حقوق ہیں..... اولاد اولاد والے حقوق ادا کرتی ہے، والدین اپنے حقوق ادا کرتے ہیں، بیوی کو احساس ہے کہ میں کسی کی بیوی ہوں اور میرے ذمے خاوند کے کچھ حقوق ہیں۔ وہ بیوی ہر وقت اُن کا خیال رکھتی ہے..... خاوند کو احساس ہے کہ میں خاوند ہوں میرے ذمے بیوی کے کچھ حقوق ہیں وہ اُن حقوق کا خیال رکھتا ہے..... گویا معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے کام کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کرے تو آپ دیکھیں گے کہ سارا معاشرہ صحت مند ہو جائے گا..... آپ آرام سے زندگی گزاریں گے کوئی خوف و خطرہ نہیں ہوگا..... اطمینان کے ساتھ سوئیں گے، اطمینان کے ساتھ جاگیں گے اور بالکل ایسے جیسے بدن صحت مند ہوتا ہے یہ معاشرہ بھی صحت مند ہو جائے گا۔

### معاشرہ کی بیماری

جب معاشرے کو بیماری لگتی ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ معاشرے کی بیماری کیا ہے؟ مال میرا ہے ناجائز آپ نے چرا لیا..... فصل میری تھی اور آپ نے دھوکے کے ساتھ یا چوری چھپے کاٹ لی..... ملازم دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنے فرائض ادا نہیں کرتا..... بیوی خاوند سے باغی ہوئی پھر رہی ہے اُس کو خاوند کے حقوق کا خیال نہیں..... اور خاوند

بیوی کی پرواہ نہیں کرتا، اُس کے حقوق ادا نہیں کرتا..... اولاد کو احساس تک ختم ہو گیا کہ ہمارا باپ ہے؟ اور ہمارے ذمے اُس کے کچھ حقوق ہیں، وہ باپ سے باغی ہوئے پھر رہے ہیں..... ماں باپ اولاد سے تنگ پھر رہے ہیں اور وہ اولاد کی پرواہ نہیں کرتے..... حاکم اپنی عیاشی میں لگ گیا ہے، کھانے پینے میں لگ گیا ہے اور کوئی کسی پر ظلم و ستم کر رہا ہے اُس کو کوئی پرواہ نہیں..... جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو اُس وقت کہتے ہیں کہ معاشرہ بیمار ہو گیا، اجتماعی زندگی خراب ہو گئی..... جب اجتماعی زندگی خراب ہو تو اُس خرابی کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے صحت کی خرابی کا نتیجہ کہ وہ انسانی اعضاء کو بکھیر دیتا ہے..... اسی طرح معاشرے کا بگاڑ نتیجتاً پورے معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے۔ جسے ہم قیامت قائم ہونا کہتے ہیں۔ قیامت قائم ہوگی تو کیا ہوگا:

✽ معاشرہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

✽ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

✽ سمندر اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

اور ساری کائنات جو ایک نظم کے تحت چل رہی تھی وہ قیامت کے وقت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گی..... یہ اس بگاڑ کا آخری نتیجہ ہوگا۔ اس لئے معاشرہ بگڑتا بھی ہے معاشرہ صحت مند بھی ہوتا ہے۔ اور انسان صحت مند بھی ہوتا ہے اور انسان بگڑتا بھی ہے گویا صحت اور بیماری اجتماعی بھی ہوتی ہے اور صحت اور بیماری تخصی بھی ہوتی ہے۔ یہ آیات جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہیں اس میں اللہ نے اُس بیماری اور صحت کا تذکرہ کیا ہے۔

## قرآن مجید کا موضوع

قرآن مجید کا موضوع روحانی ہے، جسمانی نہیں ہے..... قرآن کریم روحانی صحت اور بیماری سے بحث کرتا ہے، جسمانی سے نہیں کرتا..... اللہ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے..... یہ تقویٰ جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے یہ تقویٰ

انفرادی اور اجتماعی دونوں صحتوں کا ضامن ہے..... تقویٰ کے ساتھ انفرادی صحت ہے اور تقویٰ ہی کے ساتھ اجتماعی صحت ہے۔..... تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ آپ سنتے ہیں کہ تقویٰ کہتے ہیں، اللہ سے ڈرنے کو۔ یہ تقویٰ کا حاصل ترجمہ ہے۔ ورنہ تقویٰ کا اصل مفہوم ہے بچ بچ کر چلنا..... جیسے کانٹے دار وادی میں چلتے وقت انسان اپنے دامن کو سنبھال کر چلتا ہے، اپنے پاؤں کو بچا کے رکھتا ہے، بہت سوچ سوچ کر چلتا ہے، اس سوچ سوچ کر چلنے کو تقویٰ کہتے ہیں..... جب انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اُس کا اثر یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان سے اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی۔ تو جب یہ تقویٰ حاصل ہوگا تو اُس کے ساتھ آپ کو تخصی صحت حاصل ہوگی، آپ گناہ سے بچ جائیں گے اور نیکی کریں گے اور آپ کی روحانیت دن بدن رُو بہ ترقی ہوگی، یہ آپ کی تخصی صحت مندی اس تقویٰ کی بنا پر ہوگی۔ دنیا میں کامیابی بھی اسی کے ساتھ اور آخرت کی کامیابی بھی اسی کے ساتھ۔

### تقویٰ کا اثر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نمونہ دکھایا ہے۔ تقویٰ کا یہ اثر ہے کہ انسان ایک دوسرے کے حقوق تلف نہیں کرتا..... سب کے سب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ جب آپ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے، اللہ سے ڈریں گے اور اس کی نافرمانیوں سے بچیں گے تو اُس کا اثر اجتماعی زندگی پر بھی پڑے گا، اور سب کا سب معاشرہ اُس کی برکت سے درست ہو جائے گا۔

### قرآن کی طرف سے یاد دہانی

اللہ تعالیٰ تمہیں یاد دہانی کرواتے ہیں کہ میرا ایک احسان یاد کر لو۔ خطاب بظاہر صحابہ کرام کو ہے..... کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے جو زندگی گزاری تھی اُسکو ہم جاہلیت کا دور کہتے ہیں..... یہ جو ہم لفظ جاہلیت بولتے ہیں اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے ابھی تعلیم شروع نہیں ہوئی تھی۔ وہ دور جاہلیت کا دور کہلاتا ہے۔

## دور جاہلیت کی حالت

جاہلیت کے دور کا کیا حال تھا؟..... واذا کروا نعمتہ اللہ علیکم..... اللہ کا احسان یاد کرو جو اللہ نے تم پر کیا ہے۔ وہ کیا احسان ہے؟  
اذ کنتم اعداء.....

جب تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس ایک لفظ کے اندر جاہلیت کے معاشرے کی تصویر ہے۔ کہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ دشمن ہونے کا معنی یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے تھے۔ جس کو دیکھا قتل کر دیا، جس کو دیکھا لوٹ لیا۔ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے یتیموں کا بھی گوشت کھاتے تھے۔ اپنی پیاس بجھانے کے لئے اپنے بھائیوں کا خون پیتے تھے۔ پورے کا پورا معاشرہ بگڑا ہوا تھا۔

❖ بد دینا تھی۔

❖ چوری تھی۔

❖ ڈاکہ تھا۔

❖ بد معاشی تھی۔

❖ عیاشی تھی۔

❖ اغواء تھے۔

❖ قتل تھے۔

اور یہ سب کچھ لفظ اعداء کے مفہوم میں داخل ہے۔ تم آپس میں دشمن تھے ایک دوسرے کے..... کوئی آپس میں ہمدردی نہیں تھی، کوئی آپس میں خیر خواہی نہیں تھی۔ سب کے سب اغراض کے بندے تھے، اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کا گلا کاٹ دینا، اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کے مال کو لوٹ لینا، اور اپنے مطلب کی خاطر دوسرے کو نیست و نابود کر دینا..... یہ سب کی سب جاہلیت تمہارے اندر موجود تھی۔ اور یہ تمہاری آپس کی دشمنی کا نتیجہ تھا۔

## اللہ کا احسان

فالف بین قلوبکم.....

اللہ نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، دشمنی ختم ہوگئی، آپس میں محبت ہوگئی، عداوت والی بیماری ختم ہوگئی، محبت والی صحت آگئی، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے لگ گئے۔

فاصبحتم بنعمته اخواناً.....

اللہ کا احسان ایسا ہوا کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ تو یہ معاشرے کو صحت حاصل ہوگئی۔ جو اجتماعی طور پر بیمار معاشرہ تھا اُس کو اجتماعی صحت حاصل ہوگئی۔

وکنتم علی شفا حفرة من النار.....

یہ تخصی بگاڑ ہے۔ تم اپنے آپ کو اس طرح تباہ کرنے کیلئے تیار بیٹھے تھے، اللہ کی معصیت اور نافرمانی میں اس طرح غرق تھے کہ یوں سمجھو کہ جہنم کے کنارے پر کھڑے تھے۔ آگ کے گڑھے کے کنارے پر تم کھڑے تھے۔

تمہارا اخلاق تباہ تھا..... ❁

تمہارا کردار تباہ تھا..... ❁

تم اپنے نفس کے بندے تھے..... ❁

اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے تھے..... ❁

اللہ یاد تھا نہ اللہ کے احکام یاد تھے۔ جہنم میں جانے میں صرف موت مانع تھی۔ ادھر مرے اور ادھر جہنم میں گرے۔ یہ تمہاری کیفیت تھی۔ تخصی بگاڑ تم میں اس قدر تھا۔

فانقذکم منها.....

پس اللہ نے تمہیں اُس سے چھڑایا اور تمہیں ایسے راستے پر چلایا جو جنت کا راستہ ہے۔ اور جہنم کے گڑھے میں گرنے سے اللہ نے تمہیں بچالیا۔ یہ تخصی صحت حاصل ہوگئی۔ تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے پہلے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے



دور سے پہلے، معاشرہ بھی بگڑا ہوا تھا اور تخصی اخلاق بھی بگڑے ہوئے تھے۔۔۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو تقویٰ کا حکم دیا اور اللہ کی طرف سے ہمیں جو ہدایات آئیں اس پر تاریخ شاہد ہے کہ اُس کے آنے کے بعد ایسی تخصی صحت حاصل ہوئی جو پہلے کسی نے دیکھی نہیں تھی..... اور معاشرے کی ایسی بہتری پیدا ہو گئی جو پہلے بھی آئی نہیں تھی..... تو بیماری بھی آپ کے سامنے آ گئی اور بیماری کا علاج بھی آپ کے سامنے آ گیا..... اور اُس علاج کی کامیابی بھی آپ کے سامنے آ گئی..... کہ واقعی بیمار ایسا تھا اور جب اُس کا علاج ہوا تو اُس کو صحت حاصل ہو گئی۔ یہ سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے کے دور کا نقشہ ہے۔

### اجتماعی حالات کی صورتحال

اور اس وقت اگر ہم اپنے ملک کو دیکھیں، اپنے شہر کو دیکھیں، اپنے محلے کو دیکھیں، اور پھر اپنے ملک سے باہر عالمی سطح پر انسانی برادری کو دیکھیں تو..... کتنے اعداء..... کی مکمل تصویر اس وقت ہمارے سامنے ہے..... تم سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو کوئی ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے..... جتنا جس کے بس میں ہے وہ دوسرے کو لوٹتا ہے..... جتنا جس کے بس میں ہے وہ دوسرے پر ظلم و جبر کرتا ہے..... اور جتنا جس کے بس میں ہے وہ اپنی خواہشات پوری کرتا اور دوسرے کی خواہشات کو روندتا ہے..... آپ اپنے محلے سے شروع ہو کر شہر پر نظر ڈال لیں، شہر سے آگے ملک پر نظر ڈال لیں اور ملک سے بڑھ کر آپ دنیا کے حالات پر نظر ڈال لیں۔ اس وقت ہماری وہی کیفیت ہے کہ جس کو ہم کہیں..... کتنے اعداء۔

### شخصی حالات کی کیفیت

جہاں تک تخصی حالات کا تعلق ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہیں کہ کتنی اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور کتنی فرمانبرداری ہو رہی ہے۔؟ چوبیس گھنٹے کے اوقات کا اگر ہم جائزہ لیں

کہ ہمارا وقت کس طرح گزرتا ہے؟ اور ہم کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟ اللہ کی اطاعت و نافرمانی کس قدر ہے؟ تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کی اطاعت، اللہ کی بات، اُس کے حقوق کو پہچاننے والے بہت کم رہ گئے..... زیرو پوائنٹ پر پہنچنے والی بات ہے۔ جدھر دیکھو ہر طرف اللہ کی نافرمانی کے مظاہرے ہیں۔ راتیں فلمیں دیکھتے ہوئے، ڈرامے دیکھتے ہوئے، فحش سے فحش تماشے دیکھتے ہوئے گزرتی ہیں..... اور دن بدمعاشیوں اور عیاشیوں میں گزرتے ہیں..... کوئی رشوت لے رہا ہے، کوئی چوری کر رہا ہے، کوئی ڈاکے ڈال رہا ہے، کوئی بلیک مارکیٹنگ کر رہا ہے۔ کوئی ملاوٹ کر رہا ہے..... یعنی اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے انسان بالکل پرواہ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے کیا نہیں ہے؟ تو ہم میں یہ تخصی بگاڑ بھی اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے اجتماعی زندگی میں..... کسٹم اعداء..... دشمنی والی بات مکمل آگئی اس طرح تخصی زندگی کے اندر بدکرداری والی بات بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے آج ساری دنیا انتہائی پریشان ہے۔

### انفرادی اور اجتماعی بیماری کا علاج

وہ یہی بیماری عود کر آئی جو پہلے ماحول میں تھی۔ آپ یقین کر لیں کہ یہ بیماری اگر زائل ہو سکتی ہے تو اُسی نسخے کے ساتھ زائل ہو سکتی ہے جس نسخے کے ساتھ یہ پہلے زائل ہوئی تھی۔ وہی نسخہ استعمال کرو گے تو یہ بیماری زائل ہوگی اور اُس کے بغیر یہ زائل نہیں ہو سکتی..... تخصی طور پر تقویٰ اور اللہ کی فرمانبرداری، یہ آپ کو تخصی طور پر صحت دے گی۔ اور اجتماعی طور پر اللہ کا خوف دل میں آ جائے تو اجتماعی معاشرے کو صحت حاصل ہو جائے گی۔ جاہلیت بھی وہی عود کر آئی اور اب اس کا علاج بھی وہی ہے۔ اس لئے آج اگر امن، اطمینان، سکون، انفرادی، معاشرتی اور عالمی سطح پر آ سکتا ہے تو تقویٰ کے ساتھ ہی آ سکتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

## ایک غلط فہمی

بد نصیبی ہماری یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ بہت پڑھا لکھا دور آ گیا لیکن یہ سمجھنا ہماری غلط فہمی ہے..... یہ جاہلیت کا بدترین قسم کا دور ہے..... شاید ہمارا معاشرہ پہلی جاہلیت کو بھی مات کر گیا ہے..... انسانیت کو جتنا ذلیل اس تہذیب نے کیا ہے شاید انسانیت کی اتنی تذلیل کچھلی جاہلیت میں بھی نہیں ہوئی..... اب ایک ایک بات ایسی ہے کہ اس کو اگر آپ کے سامنے کروں تو اس کے لئے بہت وقت درکار ہے۔ میڈیا کے اثرات آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ حیا باختہ تہذیب کس قدر انسانیت کو ذلیل کر رہی ہے۔؟ اب اسلامی اور جاہلیت کی تہذیب کا آپس میں مقابلہ ہے۔ اور ہم اسی جاہلیت کی تہذیب میں آنکھیں بند کر کے بھاگے جا رہے ہیں۔ اور جہاں عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ آ جاتا ہے تو ہم میں اتنی غیرت ہونی چاہئے کہ ہم نصرانی تہذیب سے خود کو اور اپنے معاشرے اور گھربار کو بچائیں۔ اور اسلامی تہذیب کو اپنانے کی کوشش کریں۔ تو انشاء اللہ العزیز اس میں شخصی صحت بھی ہے۔

اور اگر اجتماعی طور پر لوگ اس کو تسلیم کر لیں اور ایک دن انہیں تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ اسلام ہی اس اصلاح کا ضامن ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس بات کا ضامن نہیں ہے..... نصرانیت اور یہودیت کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچا ہوا ہے..... اب ان شاء اللہ العزیز دماغ ادھر متوجہ ہوتے جا رہے ہیں..... جتنا آپ اسلام کو اپنائیں گے اتنا ہی فائدے میں رہیں گے۔ اور اس اسلامی تہذیب کو نمایاں کرنے کا ذریعہ صرف یہ مدارس ہیں جن کے اندر اللہ کا قانون، اللہ کی کتاب اور سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا وجود آئندہ وقت میں عالمی صحت کا باعث ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



# شان صحابہ

بہ موقع ۸ ہفتہ وار اصلاحی بیان

بہ مقام ۸ جامع مسجد باب العلوم کھروڑ پکا

وقت ۸ بعد عشاء

تاریخ ۸ ۶ محرم الحرام: ۱۴۲۴ھ

## شان صحابه ﷺ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ  
وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا  
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ  
تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ!  
أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ مِنْ بَعْدِي غَرَضًا  
فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي  
أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى  
اللَّهُ وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَسْأَخَسَهُ

أَوْ كَمَالَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ-

صَدَقَ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِينَ  
وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ-

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى  
عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَى اسْتَغْفِرُ اللَّهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ-



### کمہید

یہ روایت جمعہ کے خطبہ میں ہر خطیب پڑھتا ہے جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھی ہے۔

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں

اللہ اللہ فی اصحابی .....

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔

لا تتخذوہم من بعدی غرضاً .....

میرے بعد میرے صحابہ کو تنقید کا نشانہ نہ بنالینا..... غرض اُس چیز کو کہتے ہیں جس کو نشانے کے طور پر گاڑا جائے اور تیر کے ساتھ اُس کے اوپر نشان لگائے جائیں۔ پہلے زمانے میں لوگ تیر اندازی کیا کرتے تھے، تیروں کا مقابلہ کرتے تھے اور آج کل رافلوں کے ساتھ نشانہ بازی ہوتی ہے..... فوج کرے یا دوسرے مجاہدین کریں اُس کو غرض کہتے ہیں۔ میرے بعد میرے صحابہ کو غرض نہ بنالینا یعنی اُن کو تنقید کا نشانہ نہ بنالینا۔

من احبہم .....

جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا۔

فبیحبی احبہم .....

وہ میری محبت کی وجہ سے کرے گا مجھ سے محبت ہوگی تو میرے صحابہ سے محبت کرے گا۔

ومن ابغضہم .....

اور جو میرے صحابہ سے بغض رکھے گا۔

فیبغضی ابغضہم .....

وہ میرے بغض کی وجہ سے کرے گا۔ یعنی اصل بغض میرے ساتھ ہوگا اور پھر میرے واسطے سے صحابہ سے بغض ہوگا۔ گویا صحابہ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

کی علامت ہے۔ اور صحابہ سے بغض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت ہے۔

من اذا هم فقد اذانی.....

جس نے میرے صحابہ کو تکلیف پہنچائی اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

ومن اذانی فقد اذی اللہ.....

اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اُس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی۔

ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذ.....

اور جو اللہ کو تکلیف پہنچاتا ہے اللہ اُس کو بہت جلدی پکڑ لیتا ہے۔

باتیں ساری آپ کی سنی ہوئی ہیں۔ ان دنوں ویسے ہی صحابہ کا تذکرہ محبت کے ساتھ کرنے کو جی چاہتا ہے..... چونکہ ان دنوں میں جگہ بجگہ اُن پر تنقید ہوتی ہے اس لئے ہمت تو بالکل نہیں تھی لیکن آپ حضرات کا شوق دیکھ کر کرسی پر بیٹھ ہی گیا ہوں۔ اس لئے اللہ کی توفیق سے دو چار باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ صرف اُن محبوبوں کے تذکرے کی نیت سے۔

## صحابی کی تعریف

پہلے تو چھوٹے بڑے یہ یاد رکھیں کہ صحابی کسے کہتے ہیں؟ صحابی کا لفظ صحب یصحب سے لیا گیا ہے اس کا معنی ہے ساتھ دینا، ساتھ رہنا، صحبت اختیار کرنا..... اہل اسلام کی اصطلاح میں صحابی ہر اُس نیک بخت کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر سے دیکھ لیا اور پھر ایمان پر ہی اُس کا خاتمہ ہوا۔

## حضور ﷺ کے چہرے پر پڑنے والی نظر کی قیمت

بظاہر یہ ایک نظر ہی ہے لیکن چونکہ یہ نظر سرور کائنات ﷺ کے چہرے پر پڑتی ہے اس لئے یہ نظر انتہائی قیمتی بلکہ انمول ہے..... اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ جس کو یہ ایک نظر نصیب ہوگئی یا ایک لمحہ کے لئے آپ کی صحبت میسر آگئی..... یہ لفظ

بھی یاد رکھنا تا کہ نابینا صحابی بھی اُس میں آجائیں..... اُس شخص کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ ساری دنیا کے صوفیاء اور اولیاء ایک طرف اور صحابی رسول ایک طرف..... پھر بھی برابری نہیں ہو سکتی ہے۔ اب جنہوں نے 23 سال تک سرور کائنات ﷺ کی صحبت اٹھائی اُن کے تو خیر کہنے ہی کیا؟..... ایک صحابی ہیں جس کا نام سیدنا وحشی بن حربؓ ہے اور زمانہ جاہلیت میں غزوہ اُحد کے موقع پر اُن کے نیزے کا نشانہ سرور کائنات ﷺ کے چچا سیدنا حضرت حمزہؓ بنے۔ اور سرور کائنات ﷺ کے حقیقی چچا کی المناک شہادت واقع ہوئی اور جو صدمہ رسول اللہ ﷺ کو ہوا ہوگا وہ آپ کے سامنے ہے۔ (بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اُس نظر کی کیا قیمت ہے؟)

لیکن سیدنا وحشی بن حربؓ جب آپ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا ایمان قبول ہے اور تجھے امن بھی ہے..... صدمے کی سنگینی دیکھیں اور رسالت مآب ﷺ کی کشادہ ظرفی بھی..... کہ زمانہ جاہلیت میں سرزد ہو جانے والا بڑے سے بڑا جرم معاف ہو جاتا ہے اور قبولیت اسلام کی برکت سے شرف صحابیت کے عظیم مرتبے پر فائز بھی کر دیئے گئے..... سیدنا وحشیؓ جن کو اتنے سخت حالات پیش آ جانے کے باوجود ایک لمحہ حضور ﷺ کی مجلس کا نصیب ہو گیا آپ بھی دنیا بھر کے اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔

اس سے ایک تو آپ کو صحابی کی تعریف معلوم ہو گئی اور آپ کو صحابی کا مقام بھی معلوم ہو گیا۔ کہ تم جتنی ریاضت عبادت کر کے اپنے آپ کو جہاں تک پہنچا لو صحابی کے درجہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

### صحابہ کو بُرا بھلا کہنے کا حکم

ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تسبوا اصحابی (یہ بعد والوں کو کہا ہے) کہ میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہنا..... میرے صحابہ تو اللہ کے اس قدر مقبول بندے ہیں کہ تم اللہ کے راستے میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو اور اُحد پہاڑ



مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں سے سب سے بڑا پہاڑ ہے تقریباً 12 کلومیٹر لمبا ہے۔ اور چوڑائی بھی اچھی خاصی ہے جیسے پہاڑوں کی ہوتی ہے میں اس کے گرد پانچ چھ مرتبہ گھوما ہوں میں نے چاروں طرف سے اُس کو دیکھا ہے۔ آپ اندازہ کریں اُحد پہاڑ کے برابر سونا تو لا جاسکتا ہے؟ کسی اندازے میں آسکتا ہے؟ تم اُحد پہاڑ کے برابر اللہ کے راستے میں سونا خرچ کرو اور میرے صحابی نے ایک مُد یا نصف مُد جو اللہ کے راستے میں خرچ کئے ہوں وہ زیادہ بھاری ہیں۔

### مُد کی مقدار

مُد تقریباً بارہ چھٹانک کا ہوتا ہے پورا مُد ہو تو بارہ چھٹانک بنتا ہے یعنی تین پاؤں سے کچھ کم و بیش۔ کیونکہ چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے اور چار مُد پرانے وزن کے حساب سے تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور تین سیر دس چھٹانک کا آپ چوتھا حصہ لے لیں تقریباً چودہ چھٹانک بنتا ہے۔ اور نصف سات چھٹانک ہوگا..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے کسی صحابی نے سات چھٹانک جو اللہ کے راستے میں خرچ کئے ہیں وہ تمہارے اُحد پہاڑ کے برابر اللہ کے راستے میں سونا خرچ سے زیادہ بھاری ہیں۔ اللہ کے نزدیک اُن کی نیکی کی اتنی قدر ہے اسلئے کبھی بھی کسی صحابی کو بُرا بھلا نہ کہنا۔

### صحابہ کو بُرا کہنے والوں پر لعنت کا حکم ہے

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسْبُوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُولُوْا لَعْنَتُهُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.....

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو کہا کرو کہ تمہارے اس بُرے عمل پر خدا کی لعنت ہو..... اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کو بُرا بھلا کہنے والوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو عام صحابی کی بات ہے۔

اور بعض صحابہ کو جو بعض خصوصیات حاصل ہیں اُن سے روایات بھری پڑی ہیں۔ سب سے اول آپ یہ عقیدہ یاد رکھئے انبیاء علیہ السلام کے بعد اولادِ آدم میں سب سے اعلیٰ درجہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، کیونکہ نبی کے ساتھ غیر نبی کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

### ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیسا تھا؟ ایک روایت لے لیجئے بخاری میں سورہ اعراف کی تفسیر میں یہ روایت موجود ہے۔

حدثني بسر بن عبيد الله قال حدثني ابو ادريس الخولاني قال سمعت ابا الدرداء يقول كانت بين ابى بكر وعمر محاوره فاغضب ابو بكر عمر فانصرف عمر عنه مغضبا فاتبعه ابو بكر يستله ان يستغفر له فلم يفعل حتى اغلق بابا في وجهه فاقبل ابو بكر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابو الدرداء ونحن عنده فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اما صاحبكم هذا فقد غامر قال وفدم عمر على ما كان منه فاقبل حتى سلم وحلبس الى النبي صلى الله عليه وسلم (بخاری ص ۶۲۸ ج ۲۰)

حضور ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آتے ہوئے نظر آئے اور اُن کے چہرے پر اس قسم کے آثار تھے کہ حضور ﷺ نے دیکھ کر پہچان لیا کہ ابو بکر صدیق کسی سے جھگڑ کر کے آرہے ہیں..... واقعہ یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اتفاق ایسا ہے کہ غلطی ابو بکر کی تھی..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ ٹھیک تھے۔ جھگڑے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ غلطی میں نے کی ہے تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے معافی مانگنا چاہی..... اس پر عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر آگے چل دیئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے تھے..... عمر رضی اللہ عنہ نے گھر جا کر دروازہ بند کر دیا..... اس ناراضگی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بولے

نہیں..... اب ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی طرف آئے تو آپ ﷺ نے چہرے کے آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کسی سے جھگڑ کر آیا ہے..... اُدھر ابوبکرؓ جب واپس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ مجھے دروازہ بند نہیں کرنا چاہئے تھا، وہ میرے بزرگ تھے، بڑے تھے..... چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکل کر اُن کے پیچھے چل دیئے ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچے اور اُس کے تھوڑی دیر بعد عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے..... ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو بتا رہے ہیں کہ میرا عمرؓ کے ساتھ کسی بات پر اختلاف ہو گیا میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا لیکن اُس نے گھر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا..... اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے غصے کا اظہار کیا ناراض ہونے لگے عمرؓ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرؓ پر ناراضگی دیکھ کر ابوبکرؓ کہتے ہیں:

یا رسول اللہ کنت اظلم.....

یا رسول اللہ قصور میرا ہے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں فرما رہے اور حضرت عمرؓ کو ڈانٹ رہے ہیں تمہیں خیال نہیں آتا؟ میرے دوست کا تم خیال نہیں رکھ سکتے؟ جب میں نے کہا تھا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم سب نے کہا تھا تو جھوٹ بولتا ہے اور اس نے کہا تھا کہ تو سچ کہتا ہے..... کیا میری وجہ سے تم میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے؟ جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار کہہ رہے تھے کہ ÷

یا رسول اللہ کنت اظلم.....

یعنی مطلب یہ ہے کہ قصور ابوبکرؓ کا ہو پھر بھی تمہیں اجازت نہیں کہ تم ابوبکرؓ کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔

کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد صحابہ ابوبکر صدیقؓ کا اتنا لحاظ کرنے لگ گئے کہ قصور ہمارا ہوا پھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہونا ہی ہوتا ہے..... قصور ابوبکرؓ کا ہوا تو بھی ڈانٹ ہمیں پڑے گی۔ اور کوئی ابوبکر صدیقؓ کے سامنے بولتا نہیں تھا۔ اس سے اندازہ کریں آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کا۔ اس طرح ہر

صحابی کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں باب المناقب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صحابی کی خصوصیات بیان فرمائیں !!!

### خلفاء راشدین کی امتیازی خصوصیات

جس طرح یہ خصوصی نسبتیں حاصل ہوئیں اسی طرح اُن چار صحابہ خلفاء راشدین کو سب کے مقابلے میں امتیاز بھی حاصل ہوا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خلفاء راشدین میں جو خلافت کی ترتیب ہے وہی ترتیب اُن حضرات کی فضیلت میں ہے۔ پہلے نمبر پر ابو بکر رضی اللہ عنہ..... دوسرے پر عمر رضی اللہ عنہ..... تیسرے پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ..... چوتھے پر علی رضی اللہ عنہ ہیں..... خلفاء راشدین کا مصداق انہیں کو قرار دیا جاتا ہے اور اُن کے بعد جو بھی خلفاء آئے ذاتی حیثیت اُن کی کچھ بھی ہو وہ لمبا موضوع ہے اُس کی طرف میں زیادہ جانا نہیں چاہتا..... صرف یہ بتاتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اُن چار کو سب صحابہ میں فوقیت حاصل ہے۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ حاصل ہے۔

### خلفاء راشدین کی خلافت متفق علیہ تھی

جس ترتیب کے ساتھ ان کو خلافت ملی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ متفق ہیں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ اُن کی خدمت میں مصروف رہے، وہ عام مجموں میں آتے نہیں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی..... بخاری میں جس طرح واقعہ ہے۔ اور متفق علیہ خلیفہ ابو بکر ہو گئے کوئی اختلاف نہیں تھا..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت متفق علیہ تھی کوئی اختلاف نہیں تھا..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی کوئی اختلاف نہیں تھا..... آخر دور میں اُن کے خلاف سازش اُٹھی،

ایک یہودی عبد اللہ بن سباء کی شرارت سے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ وقت گزارا۔ اُس وقت جو لوگ وہاں پر موجود تھے۔ اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ ہمیں ان باغیوں کے خلاف جہاد کی اجازت دیجئے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی اور وقت کے امام کی اجازت کے بغیر جہاد ہو نہیں سکتا تھا..... جو آپ کے پاس آئے تھے آپ نے اُن کی تلواریں پکڑ کر توڑ دیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اُمت کی آپس میں تلوار نکل پڑے گی۔ تو پھر قیامت تک نیام میں نہیں جائے گی۔ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اس کا سبب نہیں بننا چاہتا۔ جہاد کی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جا کے اختلاف ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اہل مدینہ نے جو بھی وہاں موجود تھے سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں تھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر ہے۔ اُنہوں نے اختلاف کیا کہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اس کے بعد ہم خلافت کو تسلیم کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تقریباً ساڑھے چار سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت سے لوگ صحابہ میں سے بھی ایسے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عملاً بیعت نہیں کی۔

### اس اختلاف میں علماء دیوبند کا مسلک

میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا اور ہمارے اکابر کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے؟ دونوں طرف صحابی ہیں..... اور مسئلہ اجتہاد کا ہو گیا ہے کہ پہلے باغیوں کے ساتھ نمٹنا ہے یا پہلے خلافت کو منعقد کرنا ہے..... یہ مسئلہ درپیش تھا..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد یہ فرمایا کہ پہلے باغیوں سے نمٹنا چاہیے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا

چاہئے، اس کے بعد خلافت کی بیعت کر لیں گے..... مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کا خیال یہ تھا کہ نہیں پہلے خلافت کو مستحکم کر لیں اُس کے بعد جو ہوگا کریں گے..... دونوں طرف صحابی ہیں..... دونوں طرف اجتہاد ہے..... اللہ کی حکمت کے تحت اُس میں شدت پیدا ہوگئی۔ اس میں میرا..... میرے اکابر کا..... میرے اساتذہ کا..... اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس اختلاف میں علی رضی اللہ عنہ اولیٰ بالحق ہیں۔ چونکہ مرتبہ صحابیت کے اعتبار سے بڑے سیدنا علی ہی ہیں..... بس یہ یاد رکھنا..... اولیٰ بالحق..... مگر ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حق پر جانتے ہیں۔ اس لئے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اندر خطاء بھی کر جائے تو اللہ کے ہاں معاف ہے اور اُس کی نیک نیتی پر اُس کو ثواب ملتا ہے۔ اُس کو ہم باطل قطعاً نہیں کہیں گے۔ یہ بات ذہن میں بٹھالو۔

پاکستان میں مختلف فتنے سراٹھارے ہیں جو ایسے مواقع پر زبان درازی کر کے گمراہی پھیلا رہے ہیں..... بعض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لب کشائی کر کے اُن کو مجرم ٹھہرا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور بعض لوگ اُس کے مقابلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطی، باطل وغیرہ کہہ کر گمراہی پھیلا کر لوگوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں..... ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہ عقیدہ نہیں ہے..... ہم اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو..... اولیٰ بالحق قرار دے کر تمام صحابہ کو برحق سمجھتے ہیں..... ایک بات تو طے ہے کہ کسی بھی صحابی رسول کی گستاخی جہنم کا دروازہ کھول دے گی..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی جائز نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی دوزخ میں پھچا دے گی..... یہ یاد رکھیں۔ اس بارے میں ہمارا، علماء دیوبند کا، بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں دونوں طرف کے بزرگ اپنی اپنی اجتہادی رائے کی وجہ سے آمنے سامنے ہوئے جس سے اُن کے مرتبے اور

مقام میں کوئی فرق نہیں آیا..... اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ سارے خلجان کو دور کر دینے کیلئے کافی ہے جسے ہمارے بزرگ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ابن عساکر، منہاج السنۃ اور کنز العمال کے حوالے سے نقل کر کے اُمت پر احسان فرمایا ہے کہ سیدنا عثمان کی شہادت کے موقع پر ہونے والے مشاجراتِ صحابہ کے نتیجے میں دونوں جانب کے مقتولین کی نمازِ جنازہ خود سیدنا علیؑ نے پڑھائی اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:

”ہمارے اور معاویہ کے ساتھی جو جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں شہید ہوئے سب کے سب مسلمان تھے اور ہمارے بھائی تھے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی جو اجتہادی بغاوت تھی کیونکہ..... فانہم زعموا انا بغینا علیہم وزعمنا انہم بغوا علینا..... انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے اُن کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔“

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؑ نے تجہیز و تکفین کی اور خود اُن پر نمازِ جنازہ پڑھی جو اُن کے مومن ہونے پر شاہدِ ناطق ہے۔

### حضرت معاویہؓ کی گستاخی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنا، بدزبانی کرنا، یا اُن کا ذکر ایسے انداز میں کرنا، جس سے اُن کی تحقیر ہو یہ بھی اپنے ایمان کو غارت کرنے والی بات ہے۔ ہم ایسی غلطی بھی نہیں کرتے۔ بات بالکل صاف ہوگی.....

اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اُس تاریخی خطبے کی روشنی میں سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ بنالیا تھا..... اس طرح سرورِ کائنات ﷺ کی پیش

گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور تکمیل پذیر ہوئی کہ میرا یہ بیٹا اُمت کا سردار ہے کہ اس کے ذریعے سے اُمت کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہوگی..... چنانچہ یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق، متفق علیہ ہو گئے۔

### خلفاء راشدین کی پہلی خصوصیت:

اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نزدیک خلفاء الراشدین المہدیین پہلے چار صحابہ ہی ہیں۔ چونکہ اُمت میں خیر القرون قرنی میں یہ لوگ معیار ٹھہرے..... اور السابقون الاولون میں بھی یہی بڑے حضرات ہیں، ہر اعتبار سے یہی خلافت خلافتِ راشدہ کہلائے گی..... مگر عقیدہ کے لحاظ سے ہماری کیا اوقات ہے کہ ہم صحابہ میں درجہ بندی کر کے کسی قسم کی بدگمانی کو جنم دیں اور اپنی عاقبت خراب کریں۔؟ خلافت راشدہ کے ساتھ ساتھ خلافتِ صحابہ بھی ہمارے لئے برحق اور صراطِ مستقیم دکھانے کا سبب بنتی ہے..... لہذا سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی اصحابی کا النُّجُوم کا مصداق ہے..... سیدنا معاویہؓ جلیل القدر صحابی اور مومنین کے ماموں ہیں..... کیونکہ اُم المومنین، سیدہ اُم حبیبہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اور سیدنا معاویہؓ ان کے بھائی ہیں اس طرح حضرت معاویہؓ خال المومنین ہیں۔ مومنین کے ماموں ہیں..... آپ کو اللہ نے بہت عظمت دی، بہت شان والے اور اونچے درجے کے صحابی، مگر..... خیر القرون قرنی کے نہیں ہیں۔

### دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت یہ کہ پہلی خلافتِ صحابہ جسے ہم خلافتِ راشدہ کہتے ہیں وہ تمام لوگ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ عشرہ مبشرہ والی روزِ رشن کی طرح واضح روایت ”ابوبکر فی الجنة..... عمر فی الجنة..... عثمان فی الجنة.....



علی فی الجنة..... الخ“ میں ان حضرات کے اسماء مبارکہ ہیں..... سیدنا حسنؑ اور سیدنا معاویہؓ عشرہ مبشرہ میں شامل نہیں ہیں..... عشرہ مبشرہ میں سے یہ چار ہیں جو خلیفہ ہوئے۔ آگے جو آنے والے ہیں وہ عشرہ مبشرہ میں سے نہیں ہیں:

❖ نہ حسن رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

❖ نہ معاویہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

❖ نہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

عشرہ مبشرہ کی خصوصیت کیا ہے؟ عشرہ مبشرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اُن کو جو بشارت دی گئی تھی اُس میں کوئی عمل ملحوظ نہیں ہے۔ یاد رکھنا۔ اُس میں کوئی عمل ملحوظ نہیں یہ نامزد بشارت ہے۔

ابوبکر فی الجنة.....

اگر ابوبکرؓ جنت میں نہیں جاتے تو یہ بشارت غلط ثابت ہوتی ہے۔ نامزد بشارت ہے۔ اگر بشارت ہو کسی عمل کی بناء پر تو اُس میں کسی کی ذات نامزد نہیں ہوتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک اصحاب الجنة.....

جو لوگ ایمان لائیں گے، نیک عمل کریں گے وہ لوگ جنتی ہوں گے۔ الحمد للہ آپ سب کے سب مومن ہیں۔ سب کے سب عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہیں۔ تو

اولئک اصحاب الجنة.....

تو آپ پر بھی صادق آگیا۔ لیکن یہ آپ کی بات کو بشارت نہیں۔ منطق پڑھتے ہو۔ آپ کیلئے بشارت ثابت ہے۔ جب تک وصف عنوانِ صادق اُٹے۔ یعنی جب تک وصف موجود ہے، بشارت موجود ہے۔ وصف ختم، بشارت ختم۔ جانتے ہو وصفِ عنوانی؟

کاتب متحرک الاصابع مادام کاتباً.....

کاتب کی انگلیاں حرکت کرتی ہیں جب تک لکھتا رہے۔ جب لکھنا بند کر دے گا تو انگلیاں بھی ساکت ہو جائیں گی۔ تو آپ مومن بھی ہیں، نیک عمل بھی کر رہے ہیں، خدا

نخواستہ کل کو۔ الذین امنوا..... کا وصف ختم ہو جاتا ہے۔ یا عملوا الصالحات..... ختم ہو جاتا ہے۔ تو جنت کی بشارت بھی ختم ہو جائے گی..... یہ وصف عنوانی کے ساتھ بشارت ہے۔

✽ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو بشارت ہے۔

✽ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کو بشارت ہے۔

✽ اللہ کی خاطر نیک عمل کرنے والوں کو بشارت ہے۔

یہ بشارتیں ایسی ہیں جو موصوف بوصف عنوانی ہیں۔ اور اگر وصف عنوانی ختم ہو جائے تو بشارت بھی ختم ہو جائے گی۔ لیکن:

✽ ابوبکر فی الجنة۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔

✽ عمر فی الجنة۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔

✽ عثمان فی الجنة۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔

✽ علی فی الجنة۔ میں کوئی وصف عنوانی نہیں ہے۔

کسی عمل پر دار و مدار نہیں رکھا گیا اس بشارت کا یہ نامزد بشارت ہے۔ ارے بات سمجھئے! اور بڑی صحت کے ساتھ یہ بشارت ثابت ہے۔ بہت سے صحابہ ہیں جن کے لئے بشارتیں ہیں۔ لیکن یہ عشرہ مبشرہ کا عنوان بتاتا ہے کہ ایسی کوئی خصوصی فضیلت ہے جو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل نہیں۔ اسی لئے عنوان رکھا جاتا ہے العشرۃ المبشرہ۔ تو ان خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کیلئے نامزد بشارت ہے۔ اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے کوئی نہیں آیا۔ ٹھیک ہے؟

### تیسری خصوصیت

اور نبی ﷺ کا ایک خاص وصف ہے النبی المہاجر۔

✽ ابوبکر رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔

✽ عمر رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔

✽ عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔

✽ علی رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں۔

لیکن آگے کوئی مہاجر خلیفہ نہیں آیا۔ نہ حسنؓ مہاجر..... نہ عبداللہ بن زبیرؓ مہاجر..... نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر..... آگے تو صحابہ کی خلافت بھی ختم ہو گئی..... یزید صحابی نہیں تابعی تھا.....

### افضل زمانہ کی ترتیب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء میں افضل زمانہ کی ترتیب یہ رہی:

✽ آپ کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ، افضل زمانہ، اپنے زمانے کے سب سے افضل۔

✽ ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ خلیفہ، افضل زمانہ، اپنے زمانے کے سب سے افضل۔

✽ عمرؓ کے بعد عثمانؓ خلیفہ، افضل زمانہ، اپنے زمانے کے سب سے افضل۔

✽ عثمانؓ کے بعد علیؓ خلیفہ، افضل زمانہ، اپنے زمانے کے سب سے افضل۔

یہ معیار چاروں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ معیار باقی نہیں رہا۔ حضرت

حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے لیکن افضل زمانہ نہیں تھے۔ کیوں؟

اس لئے کہ افضل زمانہ کی ترتیب یوں ہے۔ السابقون الاولون.....

✽ شروع شروع میں ایمان لانے والے۔

✽ حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے والے۔

✽ غزوہ بدر میں شریک ہونے والے۔

✽ غزوہ اُحد میں شریک ہونے والے۔

✽ غزوہ خندق میں شریک ہونے والے۔

✽ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے۔

✽ فتح مکہ میں شریک ہونے والے۔

اُن کا اپنے مابعد کے لوگوں سے افضل ہونا قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت

ہے..... آپ نے تراویح میں سورۃ حدید کی ایک آیت پڑھی تھی جس میں واضح طور پر اللہ کریم نے فرمایا کہ فتح مکہ سے پہلے والے فتح مکہ کے بعد والے لوگوں سے افضل ہیں۔ یاد رہے یہ آیت ستائیسویں پارے کی سورۃ حدید میں ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنی.....  
ترجمہ سمجھتے ہو؟

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل.  
فتح مکہ سے پہلے جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہے اور لڑتے رہے۔  
اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا  
وہ درجے کے اعتبار سے اونچے ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کیا۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ ٹھیک ہے؟ آیت کہاں ہے یہ؟ سورۃ حدید میں۔ کون سا رکوع ہے؟ پہلا رکوع ہے۔ کونسا پارہ ہے؟ ستائیسواں پارہ ہے۔

وکلاً وعد اللہ الحسنی.....  
وعدہ حسنیٰ سب کے ساتھ ہے لیکن جنہوں نے پہلے خرچ کیا۔ پہلے اللہ کے راستے میں لڑے۔ بعد والوں کے مقابلے میں یہ افضل ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے جو لوگ تھے۔ وہ:

السابقون الاولون..... شروع میں ایمان لانے والے افضل..... ہجرت کرنے والے افضل۔ بدر والے افضل۔ احد والے افضل، خندق والے افضل، بیعت رضوان والے افضل، اور فتح مکہ میں جو شریک تھے وہ افضل۔ اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اعلان ہو گیا۔

لا ہجرۃ بعد الفتح.....  
فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اب اگر کوئی مکہ والا ایمان لا کے مدینے چلا بھی

جائے تو اُس کو مہاجر نہیں کہیں گے۔ ہجرت والا قصہ ختم ہو گیا مکہ کے فتح ہونے کے بعد۔  
لا ہجرۃ بعد الفتح..... فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے پٹھیک ہے؟۔

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے نواسے ہیں۔ ہماری آنکھوں کا نور ہیں، دل کا سرور ہیں لیکن یہ پیدا ہوئے ہیں مدینہ منورہ میں۔ یہ مہاجر نہیں، مہاجروں کی اولاد ہیں..... اُن کو جہاد کا موقع ملا نہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا موقع ملا..... انہوں نے جو کچھ کیا ہے فتح مکہ کے بعد کیا، فتح مکہ سے پہلے نہیں..... اس لئے وہ خلیفہ تو تھے لیکن افضل زمانہ نہیں تھے یقیناً اُس وقت وہ صحابہ بھی موجود تھے جو فتح مکہ سے پہلے کے ہیں۔ جنہوں نے بدر میں شرکت کی، جنہوں نے احد میں شرکت کی۔ تو حضرت حسن افضل زمانہ نہیں تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد عمرۃ القضا کے موقع اسلام کی روشنی سے منور ہوئے۔ اور اُن کے والد محترم سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ یہ بھی مہاجر نہیں ہیں۔ لہذا اُس زمانے کے یعنی عمرۃ القضا سے قبل کے جتنے صحابہ موجود تھے وہ سب کے سب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل زمانہ نہیں ہیں۔ یہ فرق پڑ گیا۔ میری ان گزارشات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

انہی خاص خاص صفات کی وجہ سے پہلی خلافت صحابہ کو ”خلافت راشدہ“ اور دور نبوت کا تتمہ سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح نبی کا فعل حجت تھا، خلافت راشدہ کا دور بھی اُسی طرح شریعت کا حصہ ہے..... یہ اہم خصوصیات اُن چار بڑے صحابہ کرام پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی فرق ملحوظ رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ خصوصی خلافت، خلافت علی منہاج النبوة، اُن چار بڑے صحابہ کرام پر ختم ہو گئی۔ آگے خلافتیں صحیح آئی ہیں، بہت اچھی اچھی آئی ہیں، لغوی اعتبار سے اُن کو راشدہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت کی خصوصی اصطلاح ان چار پر ختم ہو جاتی ہے..... اس لئے ہم اس اختلاف میں حضرت علی کے ساتھ اختلاف کرنے کے لئے تیار نہیں..... میں اگر اُس وقت موجود

ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا۔ اور اب بھی ذہنی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں۔ الحمد للہ۔

اتنا صاف عقیدہ ہے ہمارا اس بارے میں۔ بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی کے مغالطہ ڈالنے سے مغالطے میں ہرگز نہ پڑنا۔

ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صبح و شام دعا کرتے ہیں السلام اجعلہ ہادیاً و مہدیاً۔ اُن کو مسلمانوں کا ماموں، کاتبِ وحی، جلیل القدر صحابی، سب کچھ مانتے ہیں۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقابل آجائے پھر ہم حضرت علیؓ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ میں اس عقیدے کو بٹھالیجئے۔ سمجھ میں آجائے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ اگر سمجھ نہ بھی آئے تو اپنے اساتذہ، اپنے اکابر پر اعتماد کر کرتے ہوئے اس عقیدے کے الفاظ یاد رکھیں..... کوئی جھگڑا کرے تو کہیں کہ بھائی ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ ہمارے اکابر، اور ہمارے اساتذہ کا یہی عقیدہ ہے۔ ہم تو اُن کے ساتھ ہی رہنا چاہتے ہیں، جدھر وہ جائیں گے ہم بھی ساتھ اُدھر ہی جائیں گے۔ بس ہم تو اس بات کو دیکھتے ہیں۔

### اہل بیت کا مصداق

اس کے بعد صحابہ کرام میں سے ایک خصوصی گروہ ہے۔ جن کو ہم اہل بیت کہتے ہیں..... اوّل مصداق اہل بیت کی، ازواجِ مطہرات ہیں..... کیونکہ یہ پوری دنیا کا ایک مسلم اصول ہے کہ گھر والوں سے اولاد بیوی اور بچے مراد ہوتے ہیں۔ آپ لوگوں کے ہاں کیا اصطلاح ہوتی ہے؟ گھر والے کن کو کہتے ہو؟..... جب کوئی کہے کہ گھر والے آج کل یہیں ہیں۔ مراد ہوتی ہے بیوی بچے آج کل یہیں ہیں۔ گھر والوں میں بیویاں بھی شامل ہوتی ہیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں۔ تو گھر والے، فیملی یا گھرانہ، یہ اہل بیت کا لفظی ترجمہ ہے۔ لہذا اس کا پہلا مصداق ازواجِ مطہرات ہیں اور پھر حضور ﷺ کی اولاد ہے۔ اس گروہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ صحابی بھی ہے اور اسے اہل بیت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور یہ شرف آپ اس طرح سمجھیں کہ:

ایک آپ کا اپنا بیٹا یا اپنی اولاد ہو..... اور ایک آپ کا دوست ہو جو انتہائی درجے خادم ہو۔ اُن دونوں میں سے آپ کے گھر کے اندر کون جائیگا۔؟ اسی طرح آپ کے اساتذہ ہیں اُن کے بیٹے بھی ہیں۔ اور آپ لوگ اُن کے شاگرد بھی ہیں۔ آپ انتہائی درجے کے فرمانبردار، ہر وقت دست بستہ کھڑے رہنے والے، ہر وقت کہنا مانتے ہیں، پاؤں دباتے ہیں، کوئی کام ہو بھاگ کر کرتے ہیں، بہت فرمانبردار ہیں۔ اور ایک صاحبزادے ہیں وہ ذرا اکڑ فوں میں رہتے ہیں۔ کبھی باپ کی مانتے ہیں کبھی نہیں مانتے۔ لیکن یہ صاحبزادے۔ اچھے ہیں یا بُرے لیکن ہیں اندر کی چیز جہاں آپ نہیں پہنچ سکتے وہ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ فرق سمجھ لیں آپ۔ ضرورت کے وقت دروازے کے اندر کون جائے گا؟ جیسا کیسا بھی ہے وہی جائے گا۔ کیونکہ وہ اندر کی چیز ہے۔ اور آپ کتنے ہی فرمانبردار ہوں، آپ اندر کی چیز نہیں ہیں۔ بھلا یہ خصوصیت کہاں سے لائیں گے آپ۔؟ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ الحقنا بہم ذریتہم.....

ہم اولاد کو جنت میں والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔ تو وہ وہاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں جائے گی تو حسنؑ وہاں ہوں گے حسینؑ وہاں ہوں گے..... آپ بہت محبوب ہیں حضور کو، اور آپ بہت محبت ہیں حضور کے۔ لیکن ملاقات خیمے سے باہر ہوگی..... اس لئے اہل بیت کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا..... اُن کو جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ کسی اور کے لئے نہیں ہے..... اگر صحابہؓ سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت ہے تو اہل بیت کی محبت اُس سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ اس لئے صحابہؓ میں سے خصوصیت کے ساتھ اہل بیت سے محبت رکھنا، یہ اہل سنت والجماعت کا شعار ہے۔

### اہل بیت کی فضیلت

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اہل بیت کی محبت کو حسن خاتمہ میں بہت دخل ہے۔ کہ جو اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں۔ بہت توقع ہے کہ

اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ یاد رکھنا۔ اور اہل بیت سے بغض رکھنا عام صحابہ کے مقابلے میں بغض رکھنے سے زیادہ شدید ہے۔

## حسین و یزید کے اختلاف میں مسلک دیوبند

اس لئے ہمیشہ یہ عقیدہ ساتھ رکھیں:

✽ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت۔

✽ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت۔

✽ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت۔

آپ کو اس دنیا کے بعد بھی کام آئے گی..... یہاں آ کر اختلاف ہوا ہے اہل بیت کے ساتھ یزید کا۔ یہاں بھی اس عقیدے کو متحضر رکھنا۔

آج کل تحقیق و ریسرچ کے عنوان سے جہاں اور بہت سی خرافات کو فروغ دیا جا رہا ہے وہاں اہلیت و حسینؑ کو بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں واقعہ کربلا کی تاریخی حقیقت کا خوشنما انکشاف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یزید حق پر تھا اور حسینؑ باغی تھا..... حسینؑ ایسا تھا ویسا تھا..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کی جا رہی ہے۔ حاشا وکلا اس بات سے ہمیشہ بچنا..... جہاں یزید اور حسینؑ کا اختلاف ہوگا تو ہم حُسنی ہیں، یزیدی نہیں ہیں۔ بس سیدھی سی بات ہے۔ کسی کی بات پر کان نہ دھریں۔ کوئی کہے کہ حسینؑ غلطی پر تھا اور یزید حق پر تھا یا یزید کی فوجیں برحق تھیں۔ اس قسم کی باتوں پر کان نہیں دھرنا۔ اُن سے کہیں کہ ہمارے دل میں حسینؑ کی محبت ہے اور ہم پکے حُسنی ہیں۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں اور کسی کے بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں۔ اللہ کریم استقامت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



# خطبات حکیم العصر

ایک نظر میں

علماء کیلئے علمی جواہر پاروں کا نایاب خزانہ ہے۔

طلباء کیلئے نکات و لطائف کا بحر بیکراں ہے۔

خطباء کیلئے مواعظِ حسنہ کا انمول خزانہ ہے۔

ادباء کیلئے ادبیات کا نادر مجموعہ ہے۔

صلحاء کیلئے زہد و تقویٰ کے بہنما اصولوں کا معدن ہے۔

اور ہر مسلمان کیلئے اسلامی تہذیب و تمدن کا بہترین ترجمان ہے

جس کا مطالعہ  
یقیناً اپنی  
عالمی و علمی  
زندگی میں  
انقراض  
لانے کا

ناشر

مکتبہ شیخ الحدیث انوی

کھروڑ پتہ: گانہ، ضلع لودھراں

0300-8684071

یہ جلد حاضر خدمت..... اگلی جلد بہت جلد